جودة التحقیق فی شرح روضۃ الشہید

تالیف: شہید اول محمد بن مکی؛۷۸۶ق

شرح: شہید ثانی زین الدین عاملی؛۹۶۶ق

جلد اول

اشاعت میراث علمی مکتب اہل بیت علیہم السلام

جودۃ التحقیق فی شرح روضۃ الشہید

تالیف: شہید اول محمد بن مکی؛ م۷۸۶ق

شرح: شہید ثانی زین الدین عاملی؛ م۹۶۶ق

جلد اول

اشاعت میراث علمی مکتب اہل بیت علیہم السلام

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

عنوان.................................جودۃالتحقیق فی شرح روضۃالشہید

جلد...اول (کتاب طہارت)

تالیف....................... شہید اول محمد بن مکی؛م ۷۸۶ق

شرح................... شہید ثانی زین الدین جبعی عاملی؛م۹۶۶ق

موضوع.......................................فقہ شیعہ امامیہ

تاریخ تحقیق.................................. ۲۰۰۴

قیمت...۵۰۰

بسم الله الرحمن الرحیم

تقدیم واہداء

یہ ناچیز تحقیق حضرت صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہرا کے حضور ہدیہ ہو جنہوں نے اپنے عظیم باپ سرور کائنات سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسلامی احکام کی تفسیر اور دفاع کے لیے اقدام فرمایا جس سے تاویل کرنے والوں کے ناطقے قیامت تک بند ہوگئے اور آپ نے اپنے طویل متواتر خطبے میں اسلام کے احکام کے فلسفے کو بیان کیا جس سے انسان کو ان احکام کے میں چھپے ہوئے رموز کو باور کرایا اور انہیں اہل بیتؑ کے تعارف میں مرکزی نقطہ قرار دیا گیا، آپ کی نسل میں سلسلہ امامت کو قرار دیا گیا اور آپ کی تربیت یافتہ اولاد اور نسل نے اسلام کے آئین کو بچانے کے لیے جانوں کے نذرانے پیش کئے، اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی، الغرض اگر یہ حقیر سی کوشش قبول ہو تو یہی نجات کے لیے کافی ہے۔

فہرست مطالب

مقدمہ شہیدین ۱۴
بسملہ کی ترکیب اور معنی ۱۸
حمد خدا تعالی کا بیان ۲۰
خدا تعالی سے دعاء ۳۲
توحید باری تعالی کی گواہی ۳۳
رسالت مصطفیؐ کی گواہی ۳۵
نبی اکرمؐ اور آپ کی آلؑ پر درود ۳۹
لمعہ دمشقیہ کا سبب تصنیف ۴۴
۱۔ طہارت کی تعریف ۵۲
تعریف کی تحلیل ۵۵
طہور کی تعیین ۵۷
پانی کے احکام ۵۸
نجس پانی کے پاک ہونے کا طریقہ ۶۰
کرّ پانی کی مقدار ۶۳
قلیل و کنویں کے پانی کا حکم ۶۴
کنویں کے مطہرات ۶۶
تمام پانی کا نکالنا: ۶۷

کر پانی کا نکالنا ۶۹
ستر ڈول نکالنے کے موارد ۷۰
پچاس ڈول نکالنے کے موارد ۷۱
چالیس ڈول نکالنے کے موارد ۷۳
تیس ڈول نکالنے کے موارد ۷۴
دس ڈول نکالنے کے موارد ۷۶
سات ڈول نکالنے کے موارد ۷۷
پانچ ڈول نکالنے کے موارد ۷۹
تین ڈول نکالنے کے موارد ۸۰
ایک ڈول نکالنے کا مورد ۸۱
تمام پانی نکالنے کے لیے تراوح کا حکم ۸۲
کنویں کے تبدیل شدہ پانی کو پاک کرنا ۸۳
چند مسائل ۸۶
۱۔آب مضاف کے احکام ۸۶
جھوٹے کے احکام ۸۸
۲۔کنویں اور گندھے گڑھے میں دوری کا حکم ۸۹
۳۔نجاسات اور انہیں دور کرنے کا طریقہ، ۹۱
نجاسات کا حکم ۹۴
کپڑے اور بدن میں معاف نجاست ۹۴
کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ ۹۷
بدن اور برتن کو پاک کرنے کا طریقہ ۹۸

غسالہ کا حکم ۱۰۰
۴۔ مطہرات ۱۰۲
فصل ۱: وضو ۱۰۸
طہارت کی اقسام ۱۰۹
طہارت کے قرآنی حکم کا بیان ۱۱۰
آیت سورت نساء ۱۱۰
۱۔ نشے کی حالت میں نماز کی حرمت ۱۱۱
۲۔ حالتِ جنابت میں نماز کا باطل ہونا۔ ۱۱۲
۳۔ غسل کرنے کے بعد نماز پڑھنے اور مسجد سے گزرنے کا جواز ۱۱۳
۴۔ تیمّم کا حکم ۱۱۳
آیت سورہ مائدہ ۱۱۴
وضو کے متعلق ۱۱۵
غسل کے متعلق ۱۱۷
تیمّم کے متعلق ۱۱۷
آیت وضو میں مسح پا کے حکم کی تفصیل ۱۱۹
اختلاف کے اسباب کا جائزہ ۱۲۱
آیت کریمہ کی دلالت ۱۲۳
آیت کی بے ربط تاویلیں ۱۲۴
۱۔ دھونا مسح کو شامل ہے۔ ۱۲۵
۲۔ مسح کا نسخ ہونا ۱۲۵
۳۔ پاوں کو مسح کے بعد ذکر کرنا پانی میں صرفہ جوئی کی تعلیم کے لیے ہے ۱۲۶

۴۔ پاؤں کا دھونا آسان ہے۔ ۱۲۶
۵۔اسلاف کی پیروی ۱۲۷
۶۔ حد بندی ہونا دھونے کی علامت ہے۔ ۱۲۷
۷۔آیت کی حجیت کا انکار کر کے سنت سے ترجیح دینا ۱۲۸
۸۔ نبی اکرم ﷺ کا فرض میں اضافہ ۱۲۸
۹۔ حکمت مسح میں بحث ۱۲۸
وضو میں مسح پا کی متواتر روایات ۱۲۹
ثقلین دوم اہل بیتؑ سے وضو نبی اکرم ﷺ کا بیان ۱۳۷
۱۔ وضو کے موجبات اور اسباب ۱۴۰
۲۔ وضو کے واجبات ۱۴۳
قصد قربت ۱۴۳
منہ دھونا اور اس کی حدّ بندی ۱۴۵
دونوں ہاتھوں کا دھونا ۱۴۷
سر کا مسح کرنا ۱۴۹
پاؤں کا مسح کرنا ۱۵۱
۳۔ وضو کے مستحبات ۱۵۳
۴۔ وضو میں شک کا حکم اور عبارت [والشاکّ فی الطھارۃ] ۱۵۹
چند متعلقہ مسائل ۱۶۴
۱۔بیت الخلاء جانے کے احکام ۱۶۴
بیت الخلاء جانے کے مستحبات ۱۶۶
بیت الخلاء جانے کے مکروہات ۱۶۹

کچھ جائز کاموں کی تصریح ۱۷۲
فصل ۲: واجب غسل ۱۷۴
غسل کے موجبات ۱۷۵
جنابت کے اسباب ۱۷۷
تحلیل و تجزیہ ۱۷۸
جنابت کے محرمات ۱۸۵
جنابت کے مکروہات ۱۸۶
۳۔ غسل جنابت کے واجبات ۱۸۸
مستحبات غسل جنابت ۱۸۹
۴۔ رطوبتوں کا حکم ۱۹۲
غسل ارتماسی کا طریقہ ۱۹۳
غسل جنابت کے دوران حدث اصغر واقع ہونے کا حکم ۱۹۴
حیض کے احکام ۱۹۶
۱۔ حیض آنے کی عمر ۱۹۶
حیض کی مدت اور صفات ۱۹۷
خون کے حیض ہونے کے امکان کا حکم ۱۹۸
دس دن سے خون کے تجاوز کی صورت میں عورتوں کی اقسام ۱۹۹
۱و۲۔ عادت رکھنے والی عورت کا حکم ۲۰۰
۳۔ فقط وقت کی عادت کا حکم ۲۰۰
۴و۵۔ خون میں تمییز رکھنے والی عورت کا حکم ۲۰۱
۶۔ مبتدئہ جو خون میں تمیز نہ رکھتی ہو ۲۰۳

۷و۸۔ مبتدئہ کی آخری قسم اور مضطربہ طرفین کے لیے روایات پر عمل کرنے کا حکم ... ۲۰۵
۹۔ایک طرف میں مضطربہ کا حکم ۲۰۶
حائض کے محرمات ۲۰۸
حائض کی مکروہات ۲۱۱
حائض کا مستحب ۲۱۱
حائض کب عبادت کو ترک کرے؟ ۲۱۲
خون بند ہونے کے بعد اور غسل سے پہلے ہمبستری کا حکم ۲۱۳
حیض سے پہلے اور بعد کی نمازوں کی قضاء کرنا ۲۱۴
استحاضہ کی تعریف ۲۱۵
خون استحاضہ کی علامتیں ۲۱۶
مستحاضہ کی اقسام اور احکام ۲۱۶
نفاس کی تعریف ۲۱۹
خون نفاس کی مدت اور تشخیص ۲۲۰
حیض اور نفاس میں باہمی فرق ۲۲۲
عورتوں کے غسلوں کے ساتھ وضو کا وجوب ۲۲۳
غسل مسّ میت ۲۲۵
مردگان کے احکام ۲۲۸
۱۔احتضار کا معنی ۲۲۹
احتضار کا واجب حکم قبلہ رو کرنا ۲۳۱
احتضار کے مستحبات ۲۳۳
احتضار کے مکروہات ۲۳۸

۲۔ غسل میت کے احکام ۲۴۱
صرف مسلمان کو غسل دینا واجب ہے۔ ۲۴۱
غسل میت کی تعداد ۲۴۳
غسل جنابت کا طریقہ ۲۴۳
غسل دینے میں اولویت ۲۴۵
غسل دینے والے کا نوع میں مساوی ہونا ۲۴۵
زوجین کا دوسرے کو غسل دینا ۲۴۶
مساوی شخص کے نہ ملنے کی صورت کا حکم ۲۴۸
مرد کا تین سالہ بچی کو غسل دینا ۲۴۹
شہید کا حکم ۲۵۰
غسل میت سے پہلے نجاسات کو میت کے بدن سے دور کرنا ۲۵۱
غسل میت کے مستحبات ۲۵۱
۳۔ کفن کے احکام ۲۵۵
کفن کے واجب تین کپڑے ۲۵۵
کفن کے مستحبات ۲۵۸
کافور سے حنوط کرنے کا وجوب ۲۶۲
کفن کے باقی مستحبات ۲۶۳
کفن کے مکروہات ۲۶۷
میت کو غسل دینے والے کے لیے کفن دینے سے پہلے طہارت حاصل کرنا ۲۶۹
۴۔ نماز جنازہ کے احکام ۲۷۲
نماز جنازہ کے واجبات ۲۷۲

نماز جنازہ کے مستحبات ۲۸۱
جنازہ کی بعض تکبیروں کے بعد شریک ہونے والا ۲۸۴
قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ۲۸۵
نماز جنازہ کے دوران دوسرے جنازے کا حکم ۲۸۶
حدیث کی دلالت کی تحقیق ۲۸۷
دوسرے جنازہ کی نیت کرنے کی مشکل کا حل ۲۸۸
جنازوں پر خوف ہونے کی صورت میں نماز جنازہ چھوڑنے کا حکم ۲۹۰
جنازوں پر مشترک نماز پڑھنے کا طریقہ ۲۹۱
۵۔ دفن میت کے واجبات ۲۹۲
دفن میت کے مستحبات ۲۹۲
مردگان کے احکام کا کفائی ہونا ۳۰۰
فصل ۳: تیمّم ۳۰۲
۱۔ تیمّم کی شرائط ۳۰۳
پانی تلاش کرنے کا وجوب ۳۰۷
۲۔ تیمّم کی اشیاء ۳۰۸
۳۔ تیمّم کے واجبات ۳۰۹
۴۔ تیمّم کا وقت اور جواز بدار کی تحقیق ۳۱۱
پانی ملنے سے تیمّم کا باطل ہونا ۳۱۵
نماز کے دوران پانی ملنے کا حکم ۳۱۷

مقدمہ شہیدین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِى شَرَحَ صُدُورَنَا بِلُمْعَةٍ مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ،كَافِيَةٍ فِى بَيَانِ الْخِطَابِ، وَنَوَّرَ قُلُوبَنَا مِنْ لَوَامِعِ دُرُوسِ الْأَحْكَامِ بِمَا فِيهِ تَذْكِرَةٌ وَذِكْرَى لِأُولِى الْأَلْبَابِ، وَ كَرَّمَنَا بِقَبُولِ مُنْتَهى نِهَايَةِ الْإِرْشَادِ، وَغَايَةِ الْمُرَادِ، فِى الْمَعَاشِ وَالْمَآبِ، وَالصَّلَاةُ عَلَى مَنْ أُرْسِلَ لِتَحْرِيرِ قَوَاعِدِ الدِّينِ، وَتَهْذِيبِ مَدَارِكِ الصَّوَابِ مُحَمَّدٍ الْكَامِلِ فِى مَقَامِ الْفَخَارِ، الْجَامِعِ مِنْ سَرَائِرِ الاسْتِبْصَارِ لِلْعَجَبِ الْعُجَابِ، وَعَلَى آلِهِ الْأَئِمَّةِ النُّجَبَاءِ، وَأَصْحَابِهِ الْأَجِلَّةِ الْأَتْقِيَاءِ خَيْرِ آلٍ وَأَصْحَابٍ، وَنَسْأَلُكَ اللَّهُمَّ أَنْ تُنَوِّرَ قُلُوبَنَا بِأَنْوَارِ هِدَايَتِكَ، وَتَلْحَظَ وُجُودَنَا بِعَيْنِ عِنَايَتِكَ، إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ[1].

---

[1]۔ زین الدین بن علی العاملی الجبعی، الروضة البہیہ فی شرح اللمعة الدمشقیہ، خطبہ، نشر دار العالم الاسلامی، بیروت؛ شہید کے اس خطبے میں فقہ شیعہ کی بہت سی اساسی کتابوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ عبارت انہوں نے علم بلاغت وبدیع کے قانون کے تحت دو مقاصد کے لیے لکھی؛ خطبہ اور فقہ کی کتاب کے شروع میں اس کے مصادر اولیہ کا ذکر: ١. لمعہ، شہید اول کی فقہی کتاب، ٢. شرائع الاسلام محقق حلی کی فقہی کتاب، ٣. کافیہ ابی صلاح حلبی کی فقہی کتاب، ۴. بیان الخطاب ابی صلاح حلبی کی فقہی کتاب، ۵. لوامع، ابی صلاح حلبی کی فقہی کتاب، ٦. دروس الاحکام شہید اول کی فقہی کتاب، ٧. تذکرة علّامہ حلی کی فقہی کتاب، ٨. ذکری شہید اول کی فقہی کتاب، ٩. منتہی علّامہ حلی کی فقہی کتاب، ١٠. نہایة شیخ طوسی کی فقہی کتاب ١١. الارشاد علّامہ حلی کی فقہی کتاب ١٢. غایة المراد شہید اول کی فقہی کتاب، ١٣. تحریر علّامہ حلی کی فقہی کتاب، ١۴. قواعد علّامہ حلی کی فقہی

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ[۲]

کتاب، ۱۵. تہذیب شیخ طوسی کی حدیثی کتاب جو شیخ مفید کی مقنعہ کی شرح ہے، ۱۶. مدارک علّامہ حلی کی فقہی کتاب جیسا کہ الذریعۃ: ۲۰/ ۲۳۹ میں ہے، ۱۷. الکامل قاضی ابن براج کی فقہی کتاب، ۱۸. الجامع یحییٰ بن سعید حلی کی فقہی کتاب، ۱۹. سرائر، ابن إدریس حلی کی فقہی کتاب، ۲۰. الاستبصار، شیخ طوسی کی حدیثی کتاب جس میں ان کی بعض فقہی آراء بھی ذکر ہیں۔ منتہی علّامہ حلی کی فقہی کتاب، ۱۰. نہایۃ شیخ طوسی کی فقہی کتاب ۱۱. الإرشاد علّامہ حلی کی فقہی کتاب ۱۲. غایۃ المراد شہید اول کی فقہی کتاب، ۱۳. تحریر علّامہ حلی کی فقہی کتاب، ۱۴. قواعد علّامہ حلی کی فقہی کتاب، ۱۵. تہذیب شیخ طوسی کی حدیثی کتاب جو شیخ مفید کی مقنعہ کی شرح ہے، ۱۶. مدارک علّامہ حلی کی فقہی کتاب جیسا کہ الذریعۃ: ۲۰/۲۳۹ میں ہے، ۱۷. الکامل قاضی ابن براج کی فقہی کتاب، ۱۸. الجامع یحییٰ بن سعید حلی کی فقہی کتاب، ۱۹. سرائر، ابن إدریس حلی کی فقہی کتاب، ۲۰. الاستبصار، شیخ طوسی کی حدیثی کتاب جس میں ان کی بعض فقہی آراء بھی ذکر ہیں۔

[۲]. سورہ توبہ ۱۲۲۔

بنام خداوند جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

تمام تعریفیں اور حمد اس خدا کے لیے جس نے ہمارے دلوں کو اسلام کے احکامات اور قوانین کے چراغ کے ذریعے وسعت دی جو حقیقت کو بیان کرنے میں کافی ہے اور ہمارے دلوں کو احکام کے اسباق کی روشن قندیلوں کے ذریعے منور کیا جن میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے اور ہمیں دنیا اور آخرت میں ہدایت اور رہنمائی کی بلندیوں اور ان کے مطالب کی انتہاء کو قبول کرنے کے ذریعے عزت دی اور درود اور سلام ہوں ان پر جنہیں دین کے قوانین کو تحریر کرنے اور درستی کی دلیلوں کو بہترین طریقے سے بیان کرنے کے لیے بھیجا گیا، محمد مصطفیٰ ﷺ جو عزت اور شرف کی منزل میں کامل اور مکمل ہیں اور وہ بصیرت کے تمام پنہاں حقائق کا مجموعہ ہیں، اور یہ کتنا عجیب مرحلہ ہے!!

اور درود و سلام ان کی آل پر جو شرافت اور عزت والے امام و پیشوا ہیں اور ان اصحاب پر جو عظمت و جلالت اور تقوی و پرہیز گاری کے پیراہن سے آراستہ ہیں وہ بہترین آل اور بہترین اصحاب ہیں، خدایا! ہمارے دلوں کو اپنی ہدایت کے نور سے منور کردے اور اپنے لطف و کرم سے ہمارے وجود پر رحم فرمایا، بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔

وَبَعْدُ : فَهٰذِه تَعْلِيقَةٌ لَطِيفَةٌ، وَفَوَائدُ خَفِيفَةٌ أَضَفْتُهَا إِلَى الْمُخْتَصَرِ الشَّرِيف، وَالْمُؤَلَّفِ الْمُنِيف، الْمُشْتَمِلِ عَلَى أُمَّهَاتِ الْمَطَالِبِ الشَّرْعِيَّة، الْمَوْسُومِ ب"اللُّمْعَةِ الدِّمَشْقِيَّةِ" مِنْ مُصَنَّفَاتِ شَيْخِنَا وَإِمَامِنَا الْمُحَقِّقِ الْبَدَلِ التَّحْرِيرِ الْمُدَقِّقِ الْجَامِعِ بَيْنَ مُنَقَّبَةِ الْعِلْمِ وَالسَّعَادَة، وَمَرْتَبَةِ الْعَمَلِ وَالشَّهَادَةِ الْإِمَامِ السَّعِيدِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الشَّهِيدِ مُحَمَّدِ بْنِ مَكِّيٍّ أَعْلَى اللَّهُ دَرَجَتَهُ كَمَا شَرَّفَ

خَاتِمَتَهُ.جَعَلْتُهَا جَارِيَةً لَهُ مَجْرَى الشَّرْحِ الْفَاتِحِ لِمُغْلَقِه، وَالْمُقَيِّدِ لِمُطْلَقِه، وَالْمُتَمِّمِ لِفَوَائِده، وَالْمُهَذِّبِ لِقَوَاعِده، يَنْتَفِعُ بِهِ الْمُبْتَدِى، وَيَسْتَمِدُّ مِنْهُ الْمُتَوَسِّطُ وَالْمُنْتَهِى، تَقَرَّبْت بِوَضْعِه إِلَى رَبِّ الْأَرْبَاب، وَأَجَبْت بِه مُلْتَمِسَ بَعْضِ فُضَلَاءِ الْأَصْحَابِ أَيَّدَهُمْ اللَّهُ تَعَالَى بِمَعُونَتِه، وَوَفَّقَهُمْ لِطَاعَتِه، اقْتَصَرْت فِيهِ عَلَى بَحْثِ الْفَوَائِد، وَجَعَلْتُهُمَا كَكِتَابٍ وَاحِد، وَسَمَّيْتُهُ:" الرَّوْضَةُ الْبَهِيَّةُ فِى شَرْحِ اللُّمْعَةِ الدِّمَشْقِيَّة "سَائِلًا مِنْ اللَّه جَلَّ اسْمُهُ أَنْ يَكْتُبَهُ فِى صَحَائِفِ الْحَسَنَات، وَأَنْ يَجْعَلَهُ وَسِيلَةً إِلَى رَفْعِ الدَّرَجَات، وَيَقْرِنَهُ بِرِضَاه، وَيَجْعَلَهُ خَالِصًا مِنْ شَوْبِ سِوَاه، فَهُوَ حَسْبِى وَنِعْمَ الْوَكِيلُ-

امّا بعد ! یہ ایک عمدہ حاشیہ اور چند مختصر فوائد کا مجموعہ ہے جسے میں نے ایک بہترین مختصر کتاب پر جو شرعی مطالب کے بنیادی مسائل پر مشتمل ہے جس کا نام لمعہ دمشقیہ ہے جو ہمارے شیخ و پیشوا محقق بے بدیل، مدقق تحریر جو علم و سعادت کے فضائل کا مجموعہ ہیں اور عمل اور شہادت کے درجے پر فائز ہیں، امام و سعادت مند، ابو عبداللہ شہید محمد بن مکی (خدا ان کے درجات بلند فرمائے جیسے ان کا اس دنیا سے خاتمہ بالخیر فرمایا) اس کو میں نے اس کی شرح کی طرح قرار دیا جو اس کے پیچیدہ مطالب کو کھول دے گی اور اس کے عمومی بیان کی حدود و قیود کو بیان کرے گی اور اس کے فوائد کو کامل کرے گی اور اس کے قواعد کو بہترین انداز میں بیان کرے گی اس سے ابتدائی طلبہ بھی فائدہ اٹھائیں گے اور متوسط و درمیانے درجے کے لوگ اور علم کی انتہاء کو پہنچے ہوئے بھی مدد لیں گے، میں اس کے لکھنے سے ربّ الارباب کا قرب چاہتا ہوں اور اس کے ذریعے میں نے بعض فاضل و عالم دوستوں کی خواہش کو پورا کیا ہے (خدا تعالی انہیں اپنی مدد عطا فرمائے اور انہیں اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے) اور اس میں، میں نے خالص فوائد کو ذکر کرنے پر انحصار کیا اور اصل اور شرح کو ایک کتاب کی طرح قرار دیا اور اس

کا نام روضہ بہیہ فی شرح لمعہ دمشقیہ قرار دیا، خدا تعالی سے سوال کرتے ہوئے کہ وہ اسے نیکیوں کے نامہ اعمال میں لکھے اور اسے بلندی درجات کا وسیلہ قرار دے اور اسے اپنی رضا اور خوشنودی سے ملا دے اور اسے اپنے سوا ہر ایک کی ملاوٹ سے خالص قرار دے وہی میرے لیے کافی اور نگہبان ہے۔

بسملہ کی ترکیب اور معنی

قَالَ الْمُصَنِّفُ قَدَّسَ اللَّهُ لَطِيفَهُ وَأَجْزَلَ تَشْرِيفَهُ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) الْبَاءُ لِلْمُلَابَسَةِ، وَالظَّرْفُ مُسْتَقِرٌّ حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ أَبْتَدِئُ الْكِتَابُ كَمَا فِي " دَخَلْت عَلَيْهِ بِثِيَابِ السَّفَرِ "، أَوْ لِلِاسْتِعَانَةِ وَالظَّرْفُ لَغْوٌ كَمَا فِي " كَتَبْت بِالْقَلَمِ "، وَالْأَوَّلُ أَدْخَلُ فِي التَّعْظِيمِ، وَالثَّانِي لِتَمَامِ الِانْقِطَاعِ؛ لِإِشْعَارِهِ بِأَنَّ الْفِعْلَ لَا يَتِمُّ بِدُونِ اسْمِهِ تَعَالَى .وَإِضَافَتُهُ إلَى اللَّهِ تَعَالَى دُونَ بَاقِي أَسْمَائِهِ؛ لِأَنَّهَا مَعَانٍ وَصِفَاتٌ، وَفِي التَّبَرُّكِ بِالِاسْمِ أَوْ الِاسْتِعَانَةِ بِهِ كَمَالُ التَّعْظِيمِ لِلْمُسَمَّى، فَلَا يَدُلُّ عَلَى اتِّحَادِهِمَا، بَلْ دَلَّتْ الْإِضَافَةُ عَلَى تَغَايُرِهِمَا .

مصنف نے فرمایا اور خدا ان کی روح کو بلندی اور ان کے مقامات کو زیادہ کرے؛ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تو اس میں باء ملابست کے لیے ہے اور یہ ظرف مستقر ہے [3]، یا یہ باء استعانت

[3] ۔ ظرف مستقر سے مراد وہ ہے جس کا متعلق کوئی فعل عمومی ہو اور اس کا حذف کرنا واجب ہو جیسے وہ خبر یا صفت یا صلہ یا حال واقع ہو اسے مستقر کا نام اس لیے دیا کہ اس میں ایک ضمیر مستقر ہوتی ہے اصل میں یہ لفظ مستقر فیہ ہے اس فیہ کو تخفیف کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں ظرف لغو ہوتا ہے جس کا متعلق کوئی خاص فعل ہوتا ہے چاہے ذکر ہو یا محذوف اسے لغو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ ضمیر سے خالی ہوتا ہے پس وہ لغو ہے اسی طرح نحویوں نے بھی اپنی فنی کتابوں میں ذکر کیا ہے (تعریفات جرجانی ،مادہ ظرف مستقر، الکتاب، سیبویہ ا ص ۵۵، الاَشباہ والنظائر، جلال الدین سیوطی، تحقیق طہ

کے لیے ہے اور ظرف لغو ہے جیسا کہ کتبت بالقلم میں ہے لیکن پہلا معنی تعظیم کے لیے زیادہ مناسب ہے اور دوسرا دنیا کی مدد سے منہ موڑنے کے لیے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ فعل خدا کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور اسم کو لفظ جلالت (اللہ) کی طرف نسبت دینا اور دوسرے اسماء باری کی طرف نسبت نہ دینا اس وجہ سے ہے کہ دیگر اسماء کچھ معانی اور صفات پر دلالت کرتے ہیں (لیکن خدا کا یہ نام اللہ اس کے تمام کمالات اور صفات کو جامع ہے) اور اسم سے تبرک لینے یا اس سے مدد لینے میں مسمّٰی اور اس ذات کے لیے کمال تعظیم ہے تو اس سے ذات اور اسم کا متحد ہونے کو نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان کا ایک دوسرے کی طرف مضاف ہونا ان کے جدا جدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

و" الرَّحْمَنِ" وَالرَّحِيمِ " اسْمَانِ بُنِيَا لِلْمُبَالَغَةِ مِنْ رَحِمَ، كَالْغَضْبَانِ مِنْ " غَضِبَ " وَالْعَلِيمِ مِنْ " عَلِمَ "، وَالْأَوَّلُ أَبْلَغُ؛ لِأَنَّ زِيَادَةَ اللَّفْظِ تَدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْمَعْنَى، وَمُخْتَصٌّ بِهِ تَعَالَى، لَا لِأَنَّهُ مِنْ الصِّفَاتِ الْغَالِبَةِ؛ لِأَنَّهُ يَقْتَضِي جَوَازَ اسْتِعْمَالِهِ فِي غَيْرِهِ تَعَالَى بِحَسَبِ الْوَضْعِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ، بَلْ لِأَنَّ مَعْنَاهُ الْمُنْعِمُ الْحَقِيقِيُّ، الْبَالِغُ فِي الرَّحْمَةِ غَايَتُهَا.وَتَعْقِيبُهُ بِالرَّحِيمِ مِنْ قَبِيلِ التَّتْمِيمِ، فَإِنَّهُ لَمَّا دَلَّ عَلَى جَلَائِلِ النِّعَمِ وَأُصُولِهَا ذَكَرَ الرَّحِيمَ؛ لِيَتَنَاوَلَ مَا خَرَجَ مِنْهَا.

الرحمٰن اور الرحیم دو اسم ہیں جو رحم کے مادہ سے مبالغہ اور معنی کی زیادتی کو سمجھانے کے لیے بنائے گئے ہیں جیسے غضب کے مادہ سے غضبان اور علم کے مادہ سے علیم ہے اور پھر رحمان میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ لفظوں کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے اور یہ لفظ صرف خدا

عبد الرؤوف اص ۲۳۴، مصطلحات نحویۃ؛ علی حسن مطر، بحث ظرف، کلیات ابوالبقاء فصل ظاء،) اس سے ظاہر ہوا اگر باء کو ملابست کی بنائی تو اس کا متعلق فعل عام اور واجب الحذف ہوگا اور اگر استعانت کی قرار دیں تو متعلق خاص ہوگا۔

کے ساتھ خاص ہے نہ اس لیے کہ وہ غالت صفات میں سے ہے کیونکہ لغت کے معنی کے اعتبار سے اس کا غیر خدا کے لیے استعمال ہونے کے جواز کا تقاضا کرتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی وہ حقیقی نعمت دینے والا ہے جو رحمت کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہو (اور غیر خدا میں کوئی ایسا نہیں ہے) اور رحمٰن کے بعد رحیم کو ذکر کرنا اس مطلب کی تکمیل کے لیے ہے کیونکہ رحمٰن سے عظیم اور جلیل القدر نعمتوں کو سمجھا جاتا ہے تو رحیم کو ذکر کیا تاکہ جو باقی نعمتیں ہو وہ اس میں داخل ہو جائیں [۴]۔

حمد خدا تعالیٰ کا بیان

(اللَّهَ أَحْمَدُ) جَمَعَ بَيْنَ التَّسْمِيَةِ وَالتَّحْمِيدِ فِی الابْتِدَاءِ جَرْيًا عَلَى قَضِيَّةِ الْأَمْرِ فِی كُلِّ أَمْرٍ ذِی بَالٍ، فَإِنَّ الابْتِدَاءَ يُعْتَبَرُ فِی الْعُرْفِ مُمْتَدًّا مِنْ حَيْنِ الْأَخْذِ فِی التَّصْنِيفِ إِلَى الشُّرُوعِ فِی الْمَقْصُودِ، فَيُقَارِنُهُ التَّسْمِيَةُ وَالتَّحْمِيدُ وَنَحْوُهُمَا،

---

[۴]۔ طبرسی نے مجمع البیان سورہ فاتحہ کی تفسیر کی ابتداء میں ابوسعید خدری کی نبی اکرم ﷺ سے یہ روایت نقل کی؛ عیسی بن مریم نے فرمایا؛ رحمٰن دنیا میں رحمٰن ہے اور رحیم آخرت میں رحیم ہے اور بعض تابعین سے نقل کیا کہ رحمٰن تمام مخلوق پر رحمت کرنے والا ہے اور رحیم فقط مومنین پر رحمت کرنے والا ہے یعنی دنیا میں وہ مومن و کافر اور نیکن و بد سب کو خلق کرتا اور انہیں رزق اور روزی دیتا ہے لیکن صرف مومنین سے رحیم ہونا یہ ہے کہ ان کو توفیق دیتا اور آخرت میں انہیں بخشے گا اور جنت دے گا، اور علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان کے شروع میں اس بات کو پورے قرآن کی آیات کے مطالعہ سے ثابت کیا کہ رحمٰن جہاں بھی آیا، وہاں اس کی رحمت عمومی کا ذکر ہوا جو مومن و کافر سب کو اس دنیا میں شامل ہے لیکن رحیم صرف رحمت دائمی اور مستقل کے طور پر آیا جو صرف مومنین کے لیے جیسے فرمایا؛ وہ مومنین کے لیے رووف اور رحیم ہے (توبہ، ۱۱۸۷) اور یہی مطلب امام صادقؑ سے چند روایات میں روائی تفاسیر میں منقول ہے جیسے معانی الاخبار، توحید صدوق اور تفسیر قمی و عیاشی سے تفسیر البرہان میں اس کو نقل کیا ہے؛ فرمایا؛ « و الرحمن بجميع خلقه، و الرحيم بالمؤمنين خاصة» ح۱ ذیل تفسیر بسملہ. قلت: الرحمن؟ قال: «بجميع العالم.«قلت: الرحيم؟ قال: «بالمؤمنين خاصة». ح۳، الرحمن الذی يرحم يبسط الرزق علينا، الرحيم بنا فی أدياننا، و دنيانا، و آخرتنا، خفف علينا الدين، و جعله سهلا خفيفا، و هو يرحمنا بتمييزنا من أعدائه ،ح۸۔

وَلِهَذَا يُقَدَّرُ الْفِعْلُ الْمَحْذُوفُ فِي أَوَائِلِ التَّصَانِيفِ " أَبْتَدِئُ" سَوَاءٌ أُعْتُبِرَ الظَّرْفُ مُسْتَقِرًّا أَمْ لَغْوًا؛ لِأَنَّ فِيهِ امْتِثَالًا لِلْحَدِيثِ لَفْظًا وَمَعْنًى، وَفِي تَقْدِيرِ غَيْرِهِ مَعْنًى فَقَطْ.

اللہ کی میں حمد بیان کرتا ہوں، مصنف نے ابتداء میں تسمیہ یعنی بسملہ اور حمد خدا میں اس لیے جمع کی تا کہ اس حدیث کے مطلب پر عمل کرلیں جس میں ہے؛ہر عظیم اوراہم کام جس خدا کے نام اور حمد کے ساتھ شروع نہ ہو وہ دم بریدہ اور ناقص رہتا ہے [۵]،اور ابتداء عرف میں تصنیف کے درپے ہونے سے لیکر مقصود کو شروع کرنے تک پھیلے ہوئے وسیع مفہوم کے لیے ہوتی ہے تو اس کو بسملہ اور حمد خدا اور تمجید خدا و نبی اور آپ کی آل پر درود کے ساتھ ملا دیا ہے اسی لیے تصنیفوں کے شروع میں ابتداء کرنے کا فعل محذوف فرض کیا جاتا ہے چاہے ظرف مستقر ہو یا لغو کیونکہ اس میں لفظ اور معنی دونوں لحاظ سے حدیث کی اطاعت ہوتی ہے اور دوسرے افعال کو فرض کرنے سے صرف معنی حدیث کی اطاعت ہوتی ہے۔

وَقَدَّمَ التَّسْمِيَةَ؛ اقْتِفَاءً لِمَا نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ، وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ أُولُو الْأَلْبَابِ وَابْتَدَأَ فِي اللَّفْظِ بِاسْمِ اللَّهِ؛ لِمُنَاسَبَةِ مَرْتَبَتِهِ فِي الْوُجُودِ الْعَيْنِيِّ؛ لِأَنَّهُ الْأَوَّلُ فِيهِ، فَنَاسَبَ كَوْنَ اللَّفْظِيِّ وَنَحْوِهِ كَذَلِكَ، وَقَدَّمَ مَا هُوَ الْأَهَمُّ وَإِنْ كَانَ حَقُّهُ التَّأْخِيرَ بِاعْتِبَارِ

---

[۵]۔یہ روایت عامہ کی اسناد سے نقل ہوئی ہے جسے ابوہریرہ اور کعب نے نقل کیا ہے جیسے ؛کل أمر ذی بال لا یبدأ فیه بالحمد (لله)أقطع ،حدیث إبی ہریرہ:ابن ماجہ (۶۱۰/۱،ن ۱۸۹۴) بیہقی (۲۰۸/۳،ن۵۵۵۹) ابن حبان (۱۷۳/۱،ن۱) دارقطنی (۲۲۹/۱)،حدیث عبد اللہ بن کعب عن إبیہ :طبرانی (۷۲/۱۹ ،ن۱۴۱) جامع الاحادیث سیوطی ح ۱۵۵۸۲-۱۵۵۸۵،اور صرف ابوہریرہ کی سند سے بسملہ کے بارے میں اسی طرح منقول ہے؛ ۱۵۵۸۴– کل أمر ذی بال لا یبدأ فیه ببسم الله الرحمن الرحیم أقطع؛ عظیم آبادی (۱۲۷/۱۳) اور کہا یہ حدیث حسن ہے اور شیعہ سندوں میں صرف تفسیر منسوب بہ امام عسکریؑ میں بسم اللہ کے بارے میں اسی طرح منقول ہے اور حمد خدا کے بارے میں یہ منقول نہیں ہے۔

الْمَعْمُولِيَّة، لِلتَّنْبِيه عَلَى إفَادَة الْحَصْرِ عَلَى طَرِيقَة { إِيَّاكَ نَعْبُدُ [۶]}، ونُسب الْحَمْدُ إِلَيْه تَعَالَى بِاعْتِبَارِ لَفْظَة " اللَّه " لِأَنَّهُ اسْمٌ لِلذَّات الْمُقَدَّسَة، بخلَاف بَاقِي أَسْمَائِه تَعَالَى؛ لِأَنَّهَا صِفَاتٌ كَمَا مَرَّ، ولِهَذَا يُحْمَلُ عَلَيْه، ولَا يُحْمَلُ عَلَى شَيْءٍ مِنْهَا.وَنِسْبَةُ الْحَمْد إِلَى الذَّات بِاعْتِبَارِ وَصْف، تُشْعِرُ بِعلِّيَّته، وَجَعَلَ جُمْلَةَ الْحَمْد فعْلِيَّةً لِتَجَدُّده حَالًا فَحَالًا بِحَسَب تَجَدُّد الْمَحْمُود عَلَيْه، وَهِيَ خَبَرِيَّةٌ لَفْظًا، إِنْشَائِيَّةٌ مَعْنًى لِلثَّنَاءِ عَلَى اللَّه تَعَالَى بِصِفَات كَمَاله، ونُعُوت جَلَاله، وَمَا ذُكرَ فَرْدٌ مِنْ أَفْرَاده .

اور بسملہ کو اس لیے حمد سے پہلے ذکر کیا کہ قرآن کریم کے طریقے کی پیروی ہو جائے اور اسی پر صاحب عقل و دانش متفق ہیں اور لفظ میں نام خدا سے ابتداء کی (جب احمد اللہ کہا ہے) کیونکہ ذات خدا کا مرتبہ وجود عینی میں اسی سے سزاوار ہے کیونکہ وہ وجود میں سب سے پہلے ہے تو مرتبہ لفظی و کتبی بھی اسی طرح مقدم ہونا چاہیے،اور جو اہم تھا اس کو مقدم کر دیا اگرچہ اس کے معمول و مفعول ہونے کے لحاظ سے اسے موخر ہونا چاہیے تھا تا کہ بیان کرے کہ اس سے حصر سمجھی جائے جیسے قرآن میں ہے ایاک نعبد (ہم صرف سے تیری عبادت کرتے ہیں)، اور حمد و ثناء کی خدا تعالی کی طرف نسبت دی لفظ اللہ کے لحاظ سے کیونکہ وہ ذات خداوند کے لیے نام ہے بخلاف دیگر اسماء کے کہ وہ اس کی صفات ہیں جیسے ابتداء بحث میں گزر چکا ہے اسی لیے لفظ اللہ کے لیے خبر وغیرہ لائی جاسکتی ہے لیکن دیگر اسماء کے لیے ایسا نہیں ہوتا اور حمد کی ذات خدا کی طرف نسبت اس کی صفات کے لحاظ سے ہے جو اس فعل کی علیت اور سبب کو بھی بیان کرتی ہے یعنی خدا کی اس لیے حمد کی گئی کہ وہ تمام صفات کمالیہ کو رکھتا ہے اور حمد

[۶]۔ سورہ حمد، آیت ۵

کے جملے کو فعلیہ قرار دیا تاکہ ہر حال میں اس حمد کے باقی رہنے کو بیان کرے جب کوئی دوسری نعمت ملے جس پر حمد کی جاتی ہے اور یہ جملہ لفظوں میں خبریہ ہے لیکن معنی ثناء کے لحاظ سے انشائیہ ہے ثناء تو خدا کی تمام صفات و کمالات کے لحاظ سے ہوتی ہے اگرچہ یہاں ان میں سے بعض افراد حمد کو بیان کیا۔

وَلَمَّا كَانَ الْمَحْمُودُ مُخْتَاراً مُسْتَحِقًّا لِلْحَمْدِ عَلَى الْإِطْلَاقِ أَخْطَرَ الْحَمْدُ عَلَى الْمَدْحِ وَالشُّكْرِ (اسْتِتْمَامًا لِنَعْتِه) نُصِبَ عَلَى الْمَفْعُولِ لَهُ، تَنْبِيهًا عَلَى كَوْنِه مِنْ غَايَاتِ الْحَمْدِ، وَالْمُرَادُ بِه هُنَا الشُّكْرُ؛ لِأَنَّهُ رَأْسُهُ وَأَظْهَرُ أَفْرَادِه، وَهُوَ نَاظِرٌ إِلَى قَوْلِه تَعَالَى { لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ[۷]} لِأَنَّ الِاسْتِتْمَامَ طَلَبُ التَّمَامِ، وَهُوَ مُسْتَلْزِمٌ الزِّيَادَةَ،وَذَلِكَ بَاعِثٌ عَلَى رَجَاءِ الْمَزِيدِ، وَهَذِهِ اللَّفْظَةُ مَأْخُوذَةٌ مِنْ كَلَامِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي بَعْضِ خُطَبِه .و"النِّعْمَةُ" هِيَ الْمَنْفَعَةُ الْوَاصِلَةُ إِلَى الْغَيْرِ عَلَى جِهَةِ الْإِحْسَانِ إِلَيْه، وَهِيَ مُوجِبَةٌ لِلشُّكْرِ الْمُسْتَلْزِمِ لِلْمَزِيدِ، وَوَحَّدَهَا لِلتَّنْبِيهِ عَلَى أَنَّ نِعَمَ اللَّه تَعَالَى أَعْظَمُ مِنْ أَنْ تُسْتَتَمَّ عَلَى عَبْدٍ، فَإِنَّ فَيْضَهُ غَيْرُ مُتَنَاهٍ كَمًّا وَلَا كَيْفًا، وَفِيهَا يُتَصَوَّرُ طَلَبُ تَمَامِ النِّعْمَةِ الَّتِي تَصِلُ إِلَى الْقَوَابِلِ بِحَسَبِ اسْتِعْدَادِهِمْ .

---

[۷] ۔ سورت ابراہیم، آیت ۷۔

اور چونکہ وہ ذات جس کی حمد و ثناء بیان کی جارہی ہے وہ صاحب اختیار ہے اور ہر قسم کی حمد کی مستحق ہے تو مدح و شکر کی بجائے یہاں لفظ حمد کو استعمال کیا[۸]،اس کی تعریف کی تکمیل کے لیے، یہ لفظ استتماما مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یہ بیان کرنے کے لیے کہ یہ تکمیل حمد کی انتہاء بلندی ہے اور یہاں اس سے مراد شکر ہے کیونکہ حمد شکر کی اصل ہے اور اس کے واضح مصادیق میں سے ہے اور اس میں آیت [اگر تم شکر کرو گے تو میں اپنی نعمتوں کو تم پر زیادہ کروں گا] کی طرف بھی توجہ کی گئی ہے، کیونکہ تکمیل کی طلب یعنی نعمتوں کے اضافے کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ مزید نعمتوں کی امید کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور یہ لفظ استتمام امام علی کے بعض خطبوں سے اخذ کیا گیا ہے[۹]،اور نعمت وہ فائدہ ہے جو کسی دوسرے کی طرف سے احسان کے طور پر کسی کو پہنچتا ہے اور وہ شکر کرنے کا موجب ہوتا ہے جس سے

---

[۸]۔ کیونکہ مدح اختیاری اور غیر اختیاری دونوں قسم کے افعال خیر پر ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے ؛مدحت اللولو علی صفائہ؛ میں نے ہیرے کی چمک دمک کی تعریف کی لیکن یہا لفظ حمد استعمال نہیں ہوتا اور شکر کسی احسان اور نعمت کے بدلے میں ہوتا ہے حالانکہ خدا بہر صورت حمد و ثناء کا مستحق ہے۔

[۹]۔ نہج البلاغہ میں خطبہ ۲ میں ہے ؛احمده استتماما لنعمته و استسلاما لعزته و استعصاما من معصيته؛ گویا شارح بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مصنف کا یہ فصیح و بلیغ خطبہ امام علیؑ کے کلام سے اقتباس اور ان کی پیروی میں ہے اور یہ کوئی پہلی بار نہیں بلکہ بڑے بڑے نامور ادباء نے بھی یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے فصاحت و بلاغت امام علی کے کلام سے اخذ کی جیسا کہ نہج البلاغہ پڑھنے والوں کے اعترافات موجود ہیں ؛ دور عباسی کے یگانہ روزگار کاتب عبدالحمید بن یحییٰ م ۱۳۲ھ کا بیان ہے حفظت سبعين خطبة من خطبه ففاضت ثم فاضت، میں نے امام علی کے ستر خطبے یاد کئے تو ان کے فیوض و برکات چشمے کی طرح ابلنے لگے ابن مقفع م ۱۴۲ھ کہا کرتے تھے شربت من الخطب من ريا و لم اضبط لها رويا ففاضت ثم فاضت، میں نے آپ کے خطبوں کے چشموں سے سیراب ہو کر پیا اور اسے کسی ایک طریقہ پر محدود نہیں کیا تو اس کی برکات بڑھتی چلی گئیں، ابن نباتہ م ۳۷۴ھ نے بھی کہا میں نے خطابت کا ایک خزانہ محفوظ کیا جس سے جتنا زیادہ کام لیا پھر بھی اس میں برکت بڑھتی جاتی ہے میں نے امام علی کے مواعظ کی سو فصلیں یاد کیں (شرح نہج البلاغہ حدیدی، ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسینؒ، ص ۲۷)۔

مزید احسان کی امید ہوتی ہے اور مصنف نے نعمت کا لفظ مفرد کے طور پر لایا تاکہ بیان کرے کہ خدا کی نعمتیں اتنی عظیم ہیں کہ اس کے بندوں میں اتنا وسیع ظرف ہی نہیں کہ ان کی نعمتوں میں سے کسی کو بطور کامل لے سکیں کیونکہ اس کا فیض و کرم کمیت و کیفیت کے لحاظ سے غیر محدود ہے اور اس سے تصور ملتا ہے کہ وہ کسی نعمت کی تکمیل کو اپنی استعداد اور ظرفیت کے مطابق ہی چاہتے ہیں۔

(وَالْحَمْدُ فَضْلُهُ) أَشَارَ إِلَى الْعَجْزِ عَنْ الْقِيَامِ بِحَقِّ النِّعْمَةِ؛ لِأَنَّ الْحَمْدَ إِذَا كَانَ مِنْ جُمْلَةِ فَضْلِهِ فَيَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ حَمْدًا وَشُكْرًا فَلَا يَنْقَضِي مَا يَسْتَحِقُّهُ مِنْ الْمَحَامِدِ؛ لِعَدَمِ تَنَاهِي نِعَمِهِ.وَاللَّامُ فِي " الْحَمْدِ " يَجُوزُ كَوْنُهُ لِلْعَهْدِ الذِّكْرِيِّ وَهُوَ الْمَحْمُودُ بِهِ أَوَّلًا، وَلِلذِّهْنِيِّ الصَّادِرِ عَنْهُ، أَوْ عَنْ جَمِيعِ الْحَامِدِينَ، وَلِلِاسْتِغْرَاقِ لِانْتِهَائِهِ مُطْلَقًا إِلَيْهِ بِوَاسِطَةٍ أَوْ بِدُونِهَا فَتُكَوِّنُ كُلَّ قَطْرَةٍ مِنْ قَطَرَاتِ بِحَارِ فَضْلِهِ، وَلَمْحَةً مِنْ لَمَحَاتِ جُودِهِ، وَالْجِنْسُ وَهُوَ رَاجِعٌ إِلَى السَّابِقِ بِاعْتِبَارٍ .

اور حمد بھی خدا کا فضل ہے اس سے مصنف نے اشارہ کیا کہ وہ نعمت کے کسی حق کو ادا کرنے سے عاجز ہیں کیونکہ خود حمد خدا کرنا بھی اس کے فضل و کرم سے ہے تو اس پر ایک اور حمد کرنا ضروری ہو گی تو کسی جگہ اس کا سلسلہ نہیں رکے گا جہاں اس کے احسان کا سلسلہ ختم ہو جائے کیونکہ اس کی نعمتیں لامحدود ہیں اور الحمد میں الف لام ہو سکتا ہے عہد ذکری کی ہو یعنی جو حمد پہلے کی گئی ہے اور ممکن ہے عہد ذہنی ہو جو وہ خود کر رہے ہیں یا تمام حمد کرنے والوں کی حمد و ثناء کو ذہن میں لائے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ الف لام استغراق کی ہو کیونکہ تمام تعریفیں بالآخر اسی کی ذات پر ختم ہوتی ہیں چاہے بغیر واسطہ کے ہوں یا کسی واسطے سے ہوں

[۱] کیونکہ ہر قطرہ اسی کے فضل و کرم کے بحر بیکراں کا حصہ ہے اور ہر بوند و کرن اسی کے جود و سخاء کا ٹکڑا ہے اور ان سب کا مجموعہ اسی خدا کے فیض سے جاری ہے۔

---

[۱]۔ الف لام کی اقسام اور ان کے احکام کو تفصیل سے ادبیات کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہم نے بھی اسے شرح مغنی الادیب میں ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہاں ملاحظہ ہو ؛ الف لام تعریف جسے حرف تعریف کہا جاتا ہے اس کی دو نوعیں ہیں۔ عہدیہ ،جنسیہ اور ان میں ہر ایک کی تین قسمیں ہیں۔*ال عہدیہ کی تین اقسام* ؛

۱۔ عہد ذکری؛عہدیہ کا مدخول اگر معہود ذکری ہو یعنی جو پہلے ذکر ہو چکا ہو،اس کا معیار یہ ہے کہ اس الف لام کی جگہ اس کے مدخول کے ساتھ ضمیر لوٹائی جاسکتی ہے جیسے اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ (نور ۳۵)؛اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہو اس میں ایک چراغ رکھا ہو چراغ شیشے کی فانوس میں ہو فانوس گویا موتیوں کا چمکتا ہوا تارا ہو۔اس میں المصباح ال کا مدخول معہود ذکری ہے پہلے مصباح کا ذکر ہو چکا اسی طرح الزجاجۃ بھی ہے ۔ ۲۔عہد ذھنی ؛یعنی ال کا مدخول ذھن میں موجود ہو جیسے لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ (فتح ۱۸)الشجرۃ پہ الف لام اس درخت کی طرف اشارہ کرتی ہے جو کہ مسلم ذھنوں میں موجود و معلوم ہے کہ یہ بیعت رضوان جس درخت کے نیچے کی گئی وہ مراد ہے معنٰی یہ ہے کہ خدا راضی ہو گیا ان مومنین سے جب انہوں نے درخت کے نیچے تیری بیعت کی کہ وہ اب جنگ سے بھاگیں گے نہیں (مگر بیعت رضوان کے بعد خیبر میں پھر بھاگ کھڑے ہوئے اور خدا کی رضا مشروط ہے کہ ایمان کامل ، عمل صالح اور خاتمہ بالخیر پہ انسان ہو وگرنہ یہ رضا اہل بیت کو ستانے والوں اور اپنے عہد و پیمان سے پھر جانے والوں کو شامل نہیں ہو گی. ۳۔عہد حضوری ؛یعنی الف لام کا مدخول خارج میں حاضر و موجود ہو جیسے الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (مائدہ ۳)اس آیت میں الیوم کی الف لام شاہد مثال ہے کہ وہ دن نزول آیت کے وقت حاضر تھا اور سب جانتے تھے کہ غدیر کے اجتماع والا دن محمد مصطفیٰ ﷺ کے جانشین کے اعلان کا دن ہی ایسا دن ہے جس دن اللہ کی نعمات کامل ہوئیں دین مکمل ہوا اور ولایت علیؑ والا اسلام پسندیدہ ٹھہرا، اس سے پہلے آیت میں کیا خوب کہا ہے الیوم یئس الذین کفروا من دینکم؛آج کافر تمہارے دین کو خراب کرنے سے مایوس ہو گئے کیونکہ آج محافظ دین کا اعلان ہو چکا ہے

ال جنسیہ کی تین اقسام ؛۱۔استغراق افراد؛یعنی جس ماہیت پہ داخل ہوتی ہے اس کے تمام افراد کیلئے حکم کو ثابت کرتی ہے اسے استغراق افراد کی الف لام کہتے ہیں اسکی جگہ پہ حقیقتاً کلّ کو رکھا جاسکتا ہے جیسے سورہ عصر میں ہے؛وَالْعَصْرِ،إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ، إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ،ترجمہ؛۔قسم ہے زمانے کی

(وَإِيَّاهُ أَشْكُرُ) عَلَى سَبِيلِ مَا تَقَدَّمَ مِنْ التَّرْكِيبِ الْمُفِيدِ لِانْحِصَارِ الشُّكْرِ فِيهِ، لِرُجُوعِ النِّعَمِ كُلِّهَا إِلَيْهِ، وَإِنْ قِيلَ لِلْعَبْدِ فِعْلٌ اخْتِيَارِيٌّ؛ لِأَنَّ آلَاتَهُ وَأَسْبَابَهُ الَّتِي يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى الْفِعْلِ لَا بُدَّ أَنْ يَنْتَهِيَ إِلَيْهِ، فَهُوَ الْحَقِيقُ بِجَمِيعِ أَفْرَادِ الشُّكْرِ، وَأَرْدَفَ الْحَمْدَ بِالشُّكْرِ مَعَ أَنَّهُ لَامِحٌ لَهُ أَوَّلًا لِلتَّنْبِيهِ عَلَيْهِ بِالْخُصُوصِيَّةِ، وَلَمَحُ تَمَامِ الْآيَةِ (اسْتِسْلَامًا) أَيْ: انْقِيَادًا (لِعِزَّتِهِ) وَهِيَ غَايَةٌ أُخْرَى لِلشُّكْرِ كَمَا مَرَّ، فَإِنَّ الْعَبْدَ يَسْتَعِدُّ بِكَمَالِ الشُّكْرِ لِمَعْرِفَةِ الْمَشْكُورِ، وَهِيَ مُسْتَلْزِمَةٌ لِلِانْقِيَادِ لِعِزَّتِهِ، وَالْخُضُوعِ لِعَظَمَتِهِ، وَهُوَ نَاظِرٌ إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى { وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ[١١] }، وَلِمَا تَشْتَمِلُ عَلَيْهِ الْآيَةُ مِنْ التَّخْوِيفِ الْمَانِعِ مِنْ مُقَابَلَةِ نِعْمَةِ اللَّهِ بِالْكُفْرَانِ، فَقَدْ جَمَعَ صَدْرَهَا وَعَجُزَهَا بَيْنَ رُتْبَتَيْ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ، وَقَدَّمَ الرَّجَاءَ لِأَنَّهُ سَوْطُ النَّفْسِ النَّاطِقَةِ الْمُحَرِّكُ لَهَا نَحْوَ الطِّمَاحِ، وَالْخَوْفُ زِمَامُهَا الْعَاطِفُ بِهَا عَنْ الْجِمَاحِ-

---

انسان یقیناً خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اور جو ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے ہیں اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ ۲۔استغراق خصائص افراد؛ یعنی جس ماھیت پہ داخل ہوتی ہے اسکے افراد کی تمام خصوصیات کے ثابت ہونے پہ دلالت کرتی ہے اور کلّ مجازاً اس کی جگہ پہ آتا ہے جیسے زید الرجلُ علماً یعنی الکامل فی ہذہ الصفۃ یعنی زید علم والی صفت میں کامل ہے۔ ۳۔تعریف ماھیت؛ یہ ایسی الف لام ہے جس کی جگہ پہ کلّ نہ حقیقتاً آتا ہے اور نہ مجازاً جیسے انبیاء ۳۰؛ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُون اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا اور امام حسنؑ کا قول تحف العقول میں ہے؛ اللُّوْمُ انْ لا تشكرَ النعمة؛ پست فطرتی یہ ہے کہ انسان نعمت کا شکر نہ کرے۔

[١١]۔ سورہ ابراہیم، آیت ۷۔

اور فقط اسی کا شکر کرتا ہوں اسی میں بھی سابقہ طریقے سے شکر کو اسی کی ذات کے لیے منحصر کرنے کی ترکیب لائی گئی کیونکہ سب نعمتیں تو اس کی طرف لوٹتی ہیں اگرچہ بندگان خدا کے لیے فعل اختیاری ہوتا ہے لیکن اس کے تمام اسباب اور آلات جن کے ذریعے انسان اس فعل کو انجام دیتا ہے وہ خدا کی عطا ہی ہوتے ہیں تو شکر کی تمام قسمیں اسی کے شایان شان ہیں اور حمد کے شکر کو ذکر کیا حالانکہ پہلے بھی حمد کے ذیل میں اس کی طرف اشارہ کر چکے تھے تاکہ بیان کریں کہ شکر کو خصوصی طور پر ادا کرنا لازم ہے تاکہ آیت کے تمام حصے کی پیروی ہو تاکہ اس کی عزت و قدرت کی سامنے سر تسلیم خم ہو اور وہ شکر کی دوسری وجہ ہے بندہ کمال شکر سے اپنے محسن و منعم کی معرفت کی استعداد پیدا کرتا ہے اور اس سے اس کی عزت و قدرت کے سامنے خضوع پیدا ہوتا ہے اور مصنف اس سے اس آیت کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں؛ اور اگر تم نے ناشکری کی تو میرا عذاب شدید ہے، کیونکہ اس آیت میں خوف دلایا گیا ہے جس سے خدا کی نعمت کی ناشکری سے بچاو ہو سکتا ہے پس اس آیت کی ابتداء اور انتہاء میں خوف اور رجاء وامید کے دونوں رتبوں کو جمع کر دیا اور امید کے رتبے کو مقدم کیا کیونکہ وہ نفس ناطقہ کو بلند مرتبہ منزلوں کی طرف حرکت دینے والا تازیانہ ہے اور خوف اس کی وہ لگام ہے جس کے ذریعے اسے نافرمانی سے روکا جاتا ہے۔

(وَالشُّكْرُ طُولُهُ) أَيْ مِنْ جُمْلَةِ فَضْلِهِ الْوَاسِعِ، وَمَنِّهِ السَّابِغِ، فَإِنَّ كُلَّ مَا نَتَعَاطَاهُ مِنْ أَفَعَالِنَا مُسْتَنِدٌ إِلَى جَوَارِحِنَا وَقُدْرَتِنَا وَإِرَادَتِنَا، وَسَائِرِ أَسْبَابِ حَرَكَاتِنَا، وَهِيَ بِأَسْرِهَا مُسْتَنِدَةٌ إِلَى جُودِهِ، وَمُسْتَفَادَةٌ مِنْ نِعَمِهِ، وَكَذَلِكَ مَا يَصْدُرُ عَنَّا مِنَ الشُّكْرِ، وَسَائِرِ الْعِبَادَاتِ نِعْمَةٌ مِنْهُ، فَكَيْفَ تُقَابَلُ نِعْمَتُهُ بِنِعْمَةٍ، وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ هَذَا الْخَاطِرَ خَطَرَ لِدَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَكَذَا لِمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ:" يَا رَبِّ كَيْفَ أَشْكُرُكَ وَأَنَا لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَشْكُرَكَ إِلَّا بِنِعْمَةٍ ثَانِيَةٍ مِنْ نِعَمِكَ،"

وَفِی رِوَایَةٍ أُخْرَی" وَشُکْرِی لَکَ نِعْمَةٌ أُخْرَی تُوجِبُ عَلَیَّ الشُّکْرَ لَکَ"، فَأَوْحَی اللَّهُ تَعَالَی إِلَیْهِ" وَإِذَا عَرَفْتَ هَذَا فَقَدْ شَکَرْتَنِی" وَفِی خَبَرٍ آخَرَ" إِذَا عَرَفْتَ أَنَّ النِّعَمَ مِنِّی فَقَدْ رَضِیتِ بِذَلِکَ مِنْکَ شُکْرًا".

اور شکر بھی خدا کے وسیع فضل و کرم سے ہے کیونکہ ہم جتنے بھی اپنے اعضاء و جوارح اور اپنی قدرت اور ارادے سے افعال انجام دیتے ہیں وہ سب کی سب اسی کے جود و سخا اور اسی کی دی ہوئی طاقت سے ہوتی ہیں اس کی نعمتوں سے بھرپور ہوتی ہیں اور اسی طرح ہم جو اس کا شکر کرتے ہیں اور جتنی بھی اس کی عبادت کرتے ہیں وہ اس کی نعمت ہے تو اس کی کسی نعمت کو اس کی دوسری نعمت کے ساتھ کیسے بدلہ دیا جاسکتا ہے، بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت داود اور اسی طرح حضرت موسی نبی کے ذہن میں آیا تو وہ کہنے لگے؛ اے میرے رب میں کیسے تیرا شکر کر سکتا ہوں کیونکہ میں تیرا شکر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا مگر یہ کہ تیری کسی دوسری نعمت میں تصرف کروں؟؟ اور دوسری روایت میں ہے کہ میری طرف سے تیرا شکر کرنا بھی دوسری نعمت ہے جس سے مجھ پر واجب ہوتا ہے کہ تیرا شکر کروں تو خدا تعالی نے ان کو وحی کی؛ جب تو نے یہ جان لیا تو تم نے میرا شکر کر لیا اور دوسری روایت میں ہے جب تو نے یہ جان لیا کہ تمام نعمتیں میری طرف سے ہیں تو میں اس کے ذریعے راضی ہوا کہ اسی کو تجھ سے شکر شمار کروں [۲]۔

---

[۲]۔ اس روایت کو جامع السعادات میں نراقی نے نقل کیا ہے اور احیاء العلوم غزالی ج۴ ص۸۵ ط دار معرفت بیروت اور محجۃ بیضاء فیض کاشانی ج۷ ص۱۵۱ ط موسسہ نشر اسلامی قم میں اس طرح منقول ہے اور جو روایت کافی شریف ۲ ص۹۸ میں کلینی نے نقل کی وہ امام صادقؑ سے منقول ہے؛ عن علی، عن ابیہ، عن ابن ابی عمیر، عن ابی عبداللہ صاحب السابری فیما أعلم أو غیره عن أبی عبد الله (علیه السلام) قال: أوحی الله عزوجل إلی موسی (علیه السلام) یا موسی اشکرنی حق شکری فقال: یا رب فکیف أشکرک حق شکرک ولیس من شکر أشکرک به إلا وأنت

(حَمْداً وَشُكْراً كَثيراً كَمَا هُوَ أَهْلُهُ)، يُمْكِنُ كَوْنُ الْكَاف فى هَذَا التَّرْكيب زَائدَةً مثْلُهَا فى { لَيْسَ كَمثْله شَیْءٌ [١٣]} لأَنَّ الْغَرَضَ حَمْدُهُ بمَا هُوَ أَهْلُه، لَا بحَمْد يُشَابهُ الْحَمْدَ الَّذى هُوَ أَهْلُهُ، وَمَا مَوْصُولَةٌ، وَ " وَهُوَ أَهْلُهُ " صلَتُهَا وَعَائدُهَا، وَالتَّقْديرُ : الْحَمْدُ وَالشُّكْرُ الَّذى هُوَ أَهْلُهُ مَعَ مُنَافرَة تَنْكيرهمَا لجَعْل الْمَوْصُول صفَةً لَهُمَا، أَوْ نَكرَةً مَوْصُوفَةً بَدَلًا منْ " حَمْداً وَشُكْراً " لئَلَّا يَلْزَمَ التَّكْرَارُ وَقَدْ تُجْعَلُ مَا أَيْضًا زَائدَةً، وَالتَّقْديرُ : حَمْداً وَشُكْراً هُوَ أَهْلُه.وَيُمْكنُ كَوْنُ الْكَاف حَرْفَ تَشْبيه، اعْتبَاراً بأَنَّ الْحَمْدَ الَّذى هُوَ أَهْلُهُ لَا يَقْدرُ عَلَيْه هَذَا الْحَامدُ وَلَا غَيْرُهُ، بَلْ لَا يَقْدرُ عَلَيْه إلَّا اللَّهُ تَعَالَى، كَمَا أَشَارَ إلَيْه النَّبىُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْه وَآله بقَوْله:{ لَا أُحْصى ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسكَ[١٤]}، وَفى التَّشْبيه حينَئذ سُؤَالٌ أَنْ يُلْحقَهُ اللَّهُ تَعَالَى بذَلكَ الْفَرْد الْكَامل منَ الْحَمْد، تَفَضُّلًا منْهُ تَعَالَى، مَثَلُهُ فى قَوْلهمْ" حَمْداً وَشُكْراً ملْءَ السَّمَاوَات وَالْأَرْض، وَحَمْداً يَفُوقُ حَمْدَ الْحَامدينَ " وَنَحْوَ ذَلكَ.وَاخْتَارَ الْحَمْدَ بهَذه الْكَلمَة لمَا رُوىَ عَنْ النَّبىِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْه وَآله { مَنْ قَالَ :

أنعمت به علی ؟ قال: یا موسی الان شکرتنی حین علمت أن ذلک منی خدا نے حضرت موسیٰ کو وحی کہ اے موسیٰ میرے شکر کا حق ادا کیجیے، کہنے لگے :اے میرے پروردگار! میں تیرے شکر کا حق کیسے ادا کر سکتا ہوں کیونکہ میں جو بھی تیرا شکر کروں گا وہ تیری نعمت کے صدقے ہوگا؟؟ فرمایا؛ اے موسیٰ! جب تو نے یہ جان لیا تو تم نے میرا شکر ادا کیا، دیکھئے؛ بحار الانوار، ج٦٨ ص٥٥ و١٤ ص٤٠۔

[١٣]۔ سورہ شوریٰ، آیت ١١۔

[١٤]۔ مستدرک الوسائل محدث نوری، باب ٤٣، ابواب ذکر ح٢۔

الْحَمْدُ لِلَّه كَمَا هُوَ أَهْلُهُ " شَغَلَ كِتَابَ السَّمَاءِ، فَيَقُولُونَ : اللَّهُمَّ إِنَّا لَا نَعْلَمُ الْغَيْبَ، فَيَقُولُ تَعَالَى : اُكْتُبُوهَا كَمَا قَالَهَا عَبْدِي وَعَلَيَّ ثَوَابُهَا } .

بہت زیادہ حمد اور شکر جیسا وہ اس کا سزاوار ہے ممکن ہے اس عبارت میں کاف زائدہ ہو جیسے اس آیت میں ہے؛ اس کی مانند کوئی نہیں ہے کیونکہ غرض تو اس کی حمد کرنا ہے اس چیز کے ساتھ جس کا سزاوار ہے نہ ایسی حمد جو اس حمد و ثناء کے مشابہہ ہو جس کا وہ سزاوار ہے اور ما موصولہ ہو اور ھو اھلہ اس کا صلہ اور اس موصولہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہو اصل میں عبارت یوں ہو؛ حمد و شکر کہ جس کا وہ اہل و سزاوار ہے تو اس صورت میں حمد و شکر کو نکرہ لانا اچھا نہیں کیونکہ ان کی صفت اسم موصول ہے جو معرفہ ہوتا ہے (اور صفت و موصوف میں اس لحاظ سے مطابقت ہونا چاہیے) یا حمد و شکر کے بدلے میں نکرہ موصوفہ قرار دیں تو بھی اچھا نہیں تاکہ تکرار لازم نہ آئے اور کبھی ما کو زائدہ بھی کرتے ہیں اور اصل یہ فرض کرتے ہیں؛ حمدا و شکرا ھو اھلہ، اور ممکن ہے کہ کاف تشبیہ کے لیے ہو اس لحاظ سے کہ جس حمد کا خدا سزاوار ہے تو کوئی حمد کرنے والا اس کا حق ادا نہیں کر سکتا بلکہ اس پر سوائے خدا کے کوئی طاقت نہیں رکھتا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا؛ میں تیری ثناء نہیں کر سکتا جیسی تو نے اپنی ثناء کی ہے، تو اس وقت تشبیہ دینے میں تعریف کرنے والے کی طرف سے ایک سوال اور طلب موجود ہے کہ خدا اپنے فضل سے اس کی حمد کو اس کامل حمد سے ملا دے اسی طرح ان کے قول میں ہے؛ ایسی حمد و شکر جو آسمانوں اور زمین کو پر کر دے اور ایسی حمد جو حمد کرنے والوں کی حمد سے بالا ہو، اور مصنف نے اس لفظ کے ساتھ حمد کو اختیار کیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے؛ جس نے کہا؛ خدا کی ویسی حمد جیسا وہ سزاوار ہے تو

آسمانوں کے لکھنے والوں مشغول ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں؛خدا ہم غیب تو نہیں جانتے تو خدا فرماتا ہے؛ایسے لکھ دو جیسا میرے بندے نے کہااور اس کے ثواب کو مجھ پہ چھوڑ دو[۱۵]۔

خدا تعالی سے دعاء

(وَأَسْأَلُهُ تُسَهِّلُ مَا) أَيْ الشَّيْءَ، وَهُوَ الْعِلْمُ الَّذِي (يَلْزَمُ حَمْلُهُ وَتَعْلِيمُ مَا لَا يَسَعُ) أَيْ لَا يَجُوزُ (جَهْلُهُ) وَهُوَ الْعِلْمُ الشَّرْعِيُّ الْوَاجِبُ.(وَأَسْتَعِينُهُ عَلَى الْقِيَامِ جَمِيعًا بِمَا يُبْقِي أَجْرَهُ) عَلَى الدَّوَامِ؛ لِأَنَّ ثَوَابَهُ فِي الْجَنَّةِ { أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا[۱۶] }،(وَيَحْسُنُ فِي الْمَلَأِ الْأَعْلَى ذِكْرُهُ).أَصْلُ الْمَلَأِ : الْأَشْرَافُ وَالرُّؤَسَاءُ الَّذِينَ يَرْجِعُ إلَى قَوْلِهِمْ، وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالَى:{أَلَمْ تَرَ إلَى الْمَلَأِ مِنْ بَنِي إسْرَائِيلَ[۱۷] }، وَقِيلَ لَهُمْ ذَلِكَ لِأَنَّهُمْ مَلَأٌ بِالرَّأْيِ وَالْغِنَا، أَوْ أَنَّهُمْ يَمْلَئُونَ الْعَيْنَ وَالْقَلْبَ، وَالْمُرَادُ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَى الْمَلَائِكَةُ، (وَتُرْجَى مَثُوبَتُهُ وَذُخْرُهُ)، وَفِي كُلِّ ذَلِكَ إشَارَةٌ إلَى التَّرْغِيبِ فِيمَا هُوَ بِصَدَدِهِ مِنْ تَصْنِيفِ الْعِلْمِ الشَّرْعِيِّ وَتَحْقِيقِهِ وَبَذْلِ الْجَهْدِ فِي تَعْلِيمِهِ .

اور میں خدا سے سوال کرتا ہوں اس علم کے آسان ہونے کہ جس کا حاصل کرنا ضروری ہے اور اس چیز کے سکھانے کا جس سے ناآشنائی جائز نہیں ہے اور ہو شرعیت کے واجبات کا علم ہے اور میں خدا سے مدد مانگتا ہوں اس کام کے کرنے کی جس کا اجر ہمیشہ باقی رہے کیونکہ اس کا

[۱۵]۔اسے زید شحّام نے امام صادقؑ سے نقل کیا، دیکھئے؛ وسائل، باب ۲۰ابواب ذکر ح۱، ثواب الأعمال، ص۲۸، عن محمد بن موسی بن المتوکل، عن علی بن الحسین السعد آبادی، عن احمد بن ابی عبداللہ، عن علی بن الحکم، عن سیف بن عمیرۃ، عن زید الشحام۔

[۱۶]۔رعد، آیت ۳۵۔

[۱۷]۔سورہ بقرہ، آیت ۲۴۶۔

ثواب جنت میں ہوگا جس کے کھانے اور سایہ ہمیشہ رہیں گے اور جس کا ذکر عرش بریں کے رہنے والوں میں اچھا ہو، ملآ کا اصل لغت میں معنی وہ شریف زادے اور رئیس لوگ ہیں جن کی باتوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اسی سے آیت میں ہے؛ کیا آپ نے بنی اسرائیل کے اشراف کو نہیں دیکھا، ان کو یہ اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ رائے اور مالدار ہونے کے لحاظ سے بھر پور ہیں یا اس لیے کہ ان کو دیکھنے سے آنکھیں اور دل بھر جاتے ہیں اور یہاں ملآ اعلی سے مراد ملائکہ ہیں اور اس کام کے ثواب اور ذخیرے کی امید رکھی جائے ان سب عبارتوں میں اس چیز کی طرف ترغیب دلائی ہے جس چیز کے وہ درپے ہیں وہ شریعت کے علم کو وہ لکھنا اور اس کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں اور اس کی تعلیم میں کوشش کرنا چاہتے ہیں۔

توحید باری تعالی کی گواہی

(وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) تَصْرِيحٌ بِمَا قَدْ دَلَّ عَلَيْهِ الْحَمْدُ السَّابِقُ، بِالالْتِزَامِ مِنْ التَّوْحِيدِ، وَخَصَّ هَذِهِ الْكَلِمَةَ؛ لِأَنَّهَا أَعْلَى كَلِمَةٍ، وَأَشْرَفُ لَفْظَةٍ نُطِقَ بِهَا فِي التَّوْحِيدِ، مُنْطَبِقَةً عَلَى جَمِيعِ مَرَاتِبِهِ، و" لَا " فِيهَا هِيَ النَّافِيَةُ لِلْجِنْسِ و"إِلَهَ" اسْمُهَا، قِيلَ:وَالْخَبَرُ مَحْذُوفٌ تَقْدِيرُهُ" مَوْجُودٌ"، وَيُضَعَّفُ بِأَنَّهُ لَا يَنْفِي إمْكَانَ إِلَهٍ مَعْبُودٍ بِالْحَقِّ غَيْرَهُ تَعَالَى؛ لِأَنَّ الْإِمْكَانَ أَعَمُّ مِنْ الْوُجُودِ، وَقِيلَ :" مُمْكِنٌ " وَفِيهِ أَنَّهُ لَا يَقْتَضِي وُجُودَهُ بِالْفِعْلِ وَقِيلَ " مُسْتَحِقٌّ لِلْعِبَادَةِ " وَفِيهِ أَنَّهُ لَا يَدُلُّ عَلَى نَفْيِ التَّعَدُّدِ مُطْلَقًا.وَذَهَبَ الْمُحَقِّقُونَ إلَى عَدَمِ الِاحْتِيَاجِ إلَى الْخَبَرِ وَأَنَّ " إِلَّا اللَّهُ " مُبْتَدَأٌ وَخَبَرُهُ " لَا إِلَهَ "، إذْ كَانَ الْأَصْلُ " اللَّهُ إِلَهٌ "، فَلَمَّا أُرِيدَ الْحَصْرُ زِيدَ " لَا وَإِلَّا " وَمَعْنَاهُ " اللَّهُ إِلَهٌ، وَمَعْبُودٌ بِالْحَقِّ لَا غَيْرُهُ " أَوْ أَنَّهَا نُقِلَتْ شَرْعًا إلَى نَفْيِ الْإِمْكَانِ وَالْوُجُودِ عَنْ إلَهٍ سِوَى اللَّهِ، مَعَ الدَّلَالَةِ

عَلَى وُجُودِهِ تَعَالَى وَإِنْ لَمْ تَدُلَّ عَلَيْهِ لُغَةً .(وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ) تَأْكِيدٌ لِمَا قَدْ أُسْتُفِيدَ مِنْ التَّوْحِيدِ الْخَالِصِ، حَسُنَ ذِكْرُهُ فِي هَذَا الْمَقَامِ لِمَزِيدِ الاهْتِمَامِ .

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں، اس عبارت میں اس کی تصریح کی ہے جس پر سابقہ حمد دلالت کرتی تھی کیونکہ وہ توحید کا لازمہ ہے اور اس کلمے کو خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا کیونکہ یہ بلند ترین کلمہ ہے[18] اور بہت عظیم لفظ ہے جس کے ساتھ توحید کو بیان کیا جاتا ہے اور توحید کے تمام مراتب کو حاوی ہے اور اس میں لا نفی جنس کے لیے ہے اور الہ اس کا اسم ہے اور ایک قول ہے کہ اس کی خبر محذوف ہے جس کی اصل موجود ہے، اور اس نظریئے کو ردّ کیا گیا کہ موجود کو محذوف ماننے سے خداوند متعال کے علاوہ کسی دوسرے معبود کے امکان کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ امکان وجود سے عام تر ہوتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی خبر ممکن محذوف مانی جائے اس میں اشکال یہ ہے کہ اس سے خداوند متعال کا فعلا موجود ہونا ثابت نہ ہوگا اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس کی خبر مستحق للعبادۃ محذوف ہو اس میں مشکل یہ ہے کہ کسی طرح بھی خدا کے متعدد ہونے کی نفی نہیں کرتا (اس طرح یہ صورتیں صحیح نہیں ہیں) تو محققین کا کہنا یہ ہے کہ اس میں خبر کو محذوق ماننے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور (الا اللہ) مبتداء ہے اور اس کی خبر (لا الہ) ہے کیونکہ اصل میں اللہ الہ ہے جب اس کی حصر کرنا چاہی تو لا اور الا کو اضافہ کر دیا اور اس کا معنی ہے اللہ تعالی معبود بر حق ہے اور اس کے سوا کوئی

---

[18] کلمہ توحید کا اعتراف کرنے سے جنت واجب ہوتی ہے جب اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے جیسا کہ امام رضاؑ سے منقول حدیث سلسلہ ذھب میں ہے ؛ اللہ تعالی نے فرمایا ؛کلمة لا اله الا الله حصنی من دخل فی حصنی امن من عذابی ، پھر کچھ دیر کے بعد عماری کا پردہ ہٹایا اور فرمایا ؛لکن بشرطها و شروطها وانا من شروطها، کلمہ لا الہ الا اللہ خدا کا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ عذاب سے نجات پا گیا لیکن اس کی شرائط ہیں اور امام بھی ان کی شرائط میں سے ہے،اس روایت کو انس اور امام علیؑ سے عامہ نے بھی عذاب سے امان تک نقل کیا، جامع الاحادیث سیوطی، ح۱۴۹۸۸، اور کلمہ لا الہ الا اللہ کے جامع احکام ہم متواتر الاخبار میں ذکر کر چکے۔

معبود نہیں، یا یہ کلمہ شرعا منقول ہے تاکہ اللہ تعالی کے علاوہ ہر شی سے معبود ہونے کے امکان اور وجود کو نفی کرے اور ساتھ اللہ تعالی کے وجود پر دلالت کرے اگرچہ لغت کے اعتبار سے یہ دلالت نہیں کرتا ہے، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، یہ جملہ سابقہ کلمے کی تاکید ہے کیونکہ اس سے توحید خالص سمجھی جاتی تھی بہرحال اس مقام پر مزید اہتمام کی خاطر اس کو ذکر کرنا مناسب ہے۔

رسالت مصطفیؐ کی گواہی

(وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا نَبِیٌّ أَرْسَلَهُ) قَرَنَ الشَّهَادَةَ بِالرِّسَالَةِ بِشَهَادَةِ التَّوْحِيدِ؛ لِأَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ الْبَابِ لَهَا، وَقَدْ شَرَّفَ اللَّهُ نَبِيَّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ بِكَوْنِهِ لَا يُذْكَرُ إِلَّا وَيُذْكَرُ مَعَهُ، وَذَكَرَ الشَّهَادَتَيْنِ فِی الْخُطْبَةِ لِمَا رُوِیَ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ:{ مِنْ أَنَّ كُلَّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَشَهُّدٌ فَهِیَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ }.وَ" مُحَمَّدٌ "، عَلَمٌ مَنْقُولٌ مِنْ اسْمِ مَفْعُولِ الْمُضَعَّفِ، وَسُمِّیَ بِهِ نَبِيُّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ إلْهَامًا مِنْ اللَّهِ تَعَالَى؛ وَتَفَاؤُلًا بِأَنَّهُ يَكْثُرُ حَمْدُ الْخَلْقِ لَهُ لِكَثْرَةِ خِصَالِهِ الْحَمِيدَةِ .وَقَدْ قِيلَ لِجَدِّهِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ – وَقَدْ سَمَّاهُ فِی يَوْمِ سَابِعِ وِلَادَتِهِ لِمَوْتِ أَبِيهِ قَبْلَهَا–: لِمَ سَمَّيْت ابْنَک مُحَمَّدًا وَلَيْسَ مِنْ أَسْمَاءِ آبَائِک وَلَا قَوْمِکَ ؟ فَقَالَ:" رَجَوْتُ أَنْ يُحْمَدَ فِی السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ " وَقَدْ حَقَّقَ اللَّهُ رَجَاءَهُ-

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی ہیں جنہیں خدا تعالی نے رسول بنا کر بھیجا، مصنف نے توحید کی گواہی کے ساتھ رسالت کی گواہی کو ملا دیا کیونکہ یہ گواہی، توحید کے لیے باب ہے اور خدا تعالی نے ہمارے نبی پاکؐ کو یہ شرف بخشا کہ آپ کا ذکر بھی خدا کے ذکر

کے ساتھ ہوتا ہے اور خطبہ میں ان دونوں شہادتوں کو ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ آپ سے منقول ہے: ہر خطبہ جس میں گواہی نہ ہو وہ جذام لگے ہاتھ کی طرح ہے[19]۔

اور محمد باب تفعیل سے اسم مفعول سے نقل ہو کر آپ کی ذات پاک کا نام بن گیا ہے اور یہ نام ہمارے نبی کا اس لیے پڑا کہ اللہ تعالی نے آپ کے جد امجد کے دل میں اس کا الہام فرمایا اور انہوں نے اس سے نیک شگون لیا کہ آپکی پسندیدہ صفات کی کثرت کی وجہ سے مخلوق آپ کی کثرت سے تعریف کرے گی اور آپ کے جد امجد عبد المطلب سے کہا گیا؛ جب انہوں نے آپ کی ولادت کے ساتویں دن آپ کا یہ نام رکھا اور آپ کی ولادت سے قبل آپ کے والد گرامی کی وفات ہو چکی تھی: آپ نے اپنے بیٹے کا نام محمد کیوں رکھا حالانکہ یہ نام نہ آپ کے آباء و اجداد میں سے کسی کا ہے اور نہ آپکی قوم میں یہ نام موجود ہے؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے امید ہے کہ آسمان و زمین میں ان کی تعریف کی جائے گی[20]، اور اللہ تعالی نے ان کی اس امید کو سچ کر دکھایا۔

---

[19]۔ صاحب مدارک اور مفتاح الکرامہ نے نماز جمعہ کے خطبے کی شرائط میں تصریح کی کہ توحید کی گواہی کے واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اہل سنت کی سندوں سے وارد ہے، اسے ابوہریرہ کی سند سے انہوں نے نقل کیا ہے، دیکھئے: إبو داود (۲۶۱/۴ ،ن۴۸۴۱) ، بیہقی (۲۰۹/۳ ، ن۵۵۶۰). ابن إبی شیبہ (۳۳۹/۵ ،ن۲۶۶۸۱) ،إحمد (۳۰۲/۲ ،ن ۸۰۰۵) ، بخاری ،تاریخ (۲۲۹/۷)ترمذی (۴۱۴/۳ ،ن۱۱۰۶)اور کہا: حسن صحیح غریب . ابن حبان (۳۶/۷ ،ن۲۷۹۶)۔

[20]۔عن ابن عباس قال:لما ولد النبی– صلى الله عليه وسلم – عق عنه عبد المطلب بكبش وسماه محمداً فقيل له يا أبا الحارث ما حملک على ان سميته محمداً ولم تسمه باسم آبائه قال أردت أن يحمده الله فی السماء ويحمده الناس فی الأرض (کنز العمال ۳۵۵۲۰،تاریخ دمشق ،ابن عساکر ۳۲/۳،جامع الاحادیث سیوطی،ح ۳۹۱۰۷،سیرۃ نبوی ابن کثیر،اص۲۱۰، سبل الہدی والرشاد، فی سیرۃ خیر العباد، محمد بن یوسف شامی،اص۳۶۰،از بیہقی،خصائص کبری سیوطی،ج۱ص ۱۳۳)۔

وَ" النَّبِیءُ " بِالْهَمْزِ مِنْ النَّبَأ وَهُوَ الْخَبَرُ؛ لِأَنَّ النَّبِیَّ مُخْبِرٌ عَنْ اللَّهِ تَعَالَی، وَبِلَا هَمْزٍ وَهُوَ الْأَكْثَرُ إمَّا تَخْفِيفًا مِنْ الْمَهْمُوزِ بِقَلْبِ هَمْزَتِهِ يَاءً،أَوْ أَنَّ أَصْلَهُ مِنْ النَّبْوَةِ بِفَتْحِ النُّونِ وَسُكُونِ الْبَاءِ أَیْ الرِّفْعَةِ؛ لِأَنَّ النَّبِیَّ مَرْفُوعُ الرُّتْبَةِ عَلَی غَيْرِهِ مِنْ الْخَلْقِ، وَنَبَّهَ بِقَوْلِهِ"أَرْسَلَهُ"عَلَی جَمْعِهِ بَيْنَ النُّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ وَالْأَوَّلُ أَعَمُّ مُطْلَقًا؛ لِأَنَّهُ إنْسَانٌ أُوحِیَ إلَيْهِ بِشَرْعٍ وَإِنْ لَمْ يُؤْمَرْ بِتَبْلِيغِهِ، فَإِنْ أُمِرَ بِذَلِکَ فَرَسُولٌ أَيْضًا، أَوْ أُمِرَ بِتَبْلِيغِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ كِتَابٌ أَوْ نُسَخٌ لِبَعْضِ شَرْعِ مَنْ قَبْلَهُ كَيُوشَعَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَإِنْ كَانَ لَهُ ذَلِکَ فَرَسُولٌ أَيْضًا.وَقِيلَ هُمَا بِمَعْنًی وَاحِدٍ، وَهُوَ مَعْنَی الرَّسُولِ عَلَی الْأَوَّلِ(عَلَی الْعَالَمِينَ) جَمْعُ "الْعَالَمِ"، وَهُوَ اسْمٌ لِمَا يُعْلَمُ بِهِ كَالْخَاتَمِ، وَالْقَالَبِ غَلَبَ فِيمَا يُعْلَمُ بِهِ الصَّانِعُ، وَهُوَ كُلُّ مَا سِوَاهُ مِنْ الْجَوَاهِرِ وَالْأَعْرَاضِ، فَإِنَّهَا لِإِمْكَانِهَا وَافْتِقَارِهَا إلَی مُؤَثِّرٍ وَاجِبٍ لِذَاتِهِ تَدُلُّ عَلَی وُجُودِهِ، وَجَمَعَهُ لِيَشْمَلَ مَا تَحْتَهُ مِنْ الْأَجْنَاسِ الْمُخْتَلِفَةِ، وَغُلِّبَ الْعُقَلَاءُ مِنْهُمْ، فَجَمَعَهُ بِالْيَاءِ وَالنُّونِ كَسَائِرِ أَوْصَافِهِمْ.وَقِيلَ: اسْمٌ وُضِعَ لِذَوِی الْعِلْمِ مِنْ الْمَلَائِكَةِ وَالثَّقَلَيْنِ، وَتَنَاوُلُهُ لِغَيْرِهِمْ عَلَی سَبِيلِ الِاسْتِتْبَاعِ، وَقِيلَ : الْمُرَادُ بِهِ النَّاسُ هَاهُنَا، فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ " عَالَمٌ أَصْغَرُ"، مِنْ حَيْثُ إنَّهُ يَشْتَمِلُ عَلَی نَظَائِرَ مَا فِی " الْعَالَمِ الْأَكْبَرِ "،مِنْ الْجَوَاهِرِ وَالْأَعْرَاضِ الَّتِی يُعْلَمُ بِهَا الصَّانِعُ، كَمَا يُعْلَمُ بِمَا أَبْدَعَهُ فِی الْعَالَمِ الْأَكْبَرِ(اصْطَفَاهُ) أَیْ اخْتَارَهُ (وَفَضَّلَهُ) عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

اور نبی آخر میں ہمزہ کے ساتھ ہو تو نبا سے مشتق ہے جس کا معنی خبر دینا ہے کیونکہ نبی اللہ تعالی کی طرف سے خبر دینے والا ہوتا ہے اور اگر ہمزہ کے بغیر ہو جو کہ اکثر ہے یا تو اسی ہمزہ سے یاء میں تبدیلی ہوئی ہے یا اس کی اصل نبوۃ ہے جس کا معنی رفعت و بلندی ہے کیونکہ نبی کا درجہ دیگر مخلوق سے بلند ہوتا ہے اور مصنف نے نبی کے بعد رسول بنائے جانے کا ذکر کر دیا تاکہ آپ کی نبوت اور رسالت دونوں کو بیان کرے کیونکہ نبوت رسالت کی نسبت سے عام تر معنی رکھتی ہے کیونکہ نبی وہ انسان ہے جس کی طرف کسی شریعت کی وحی ہوئی ہو لیکن اس کی تبلیغ کا انہیں حکم نہ دیا گیا لیکن رسول وہ ہے جسے اس کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو یا نبی وہ ہے جسے تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو لیکن وہ سابقہ شریعتوں کو نسخ نہ کرتا ہو یا ان کو کتاب نہ دی گئی ہو جیسے حضرت یوشع اور اگر ان کو کتاب دی گئی ہو یا سابقہ شریعت کو نسخ کرے تو رسول بھی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ نبی اور رسول دونوں کا معنی ایک ہے جو پہلی صورت میں رسول کا معنی تھا۔ خدا نے انہیں عالمین کے لیے نبی بنا کر بھیجا یہ عالمین عالم کی جمع ہے اور وہ ہر اس چیز کا نام ہے جس کے ذریعے کسی چیز کو جانا جائے جیسے خاتم اور قالب تو عالم کا لفظ ان چیزوں کے لیے غالب نام ہے جن کے ذریعے اس کائنات کے خالق کو جانا جاتا ہے اور ذات خداوند کے علاوہ تمام جواہر اور عرض اس میں شامل ہیں کیونکہ وہ سب ممکن الوجود ہیں اور ایک موثر واجب الوجود کے محتاج ہیں اور اس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی جمع اس لیے لائے تاکہ اس کے ذیل میں مختلف قسم کی اجناس سب شامل ہو جائیں اور ان میں سے بھی عقل والی اشیاء کے لیے یہ لفظ زیادہ بولا جاتا ہے تو اس کی جمع مذکر سالم بنانا دیگر مشتقات کی جمع کی طرح ہے، اور ایک قول ہے کہ عالم ملائکہ اور ثقلین میں سے علم رکھنے والی چیزوں کے لیے نام بنایا گیا ہے اور دیگر چیزوں کو یہ انہی کی پیروی میں شامل ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد لوگ ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک چھوٹا عالم ہے کیونکہ اس میں بڑے عالم (بڑی کائنات) کے نظام کی مانند چیزیں جیسے جوہر و عرض پائی جاتی ہیں جن کے ذریعے اس کائنات

کے خالق کی پہچان ہو جیسا کہ بڑی کائنات کی موجودات سے اس کو پہچانا جاتا ہے، اور اللہ تعالی نے انہیں تمام عالمین سے انتخاب کیا اور انہیں ان سب پر فضیلت دی ہے۔

نبی اکرمؐ اور آپ کی آلؑ پر درود

(صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ) مِنْ الصَّلَاةِ الْمَأْمُورِ بِهَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى:{ صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا[۲۱] } وَأَصْلُهَا الدُّعَاءُ، لَكِنَّهَا مِنْهُ تَعَالَى مَجَازٌ فِي الرَّحْمَةِ.وَغَايَةُ السُّؤَالِ بِهَا عَائِدٌ إلَى الْمُصَلِّي؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ أَعْطَى نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ مِنْ الْمَنْزِلَةِ وَالزُّلْفَى لَدَيْهِ مَا لَا تُؤَثِّرُ فِيهِ صَلَاةُ مُصَلٍّ، كَمَا نَطَقَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ " وَصَرَّحَ بِهِ الْعُلَمَاءُ الْأَخْيَارُ، وَكَانَ يَنْبَغِي اتِّبَاعُهَا بِالسَّلَامِ عَمَلًا بِظَاهِرِ الْأَمْرِ، وَإِنَّمَا تَرَكَهُ لِلتَّنْبِيهِ عَلَى عَدَمِ تَحَتُّمِ إرَادَتِهِ مِنْ الْآيَةِ، لِجَوَازِ كَوْنِ الْمُرَادِ بِهِ الِانْقِيَادَ، بِخِلَافِ الصَّلَاةِ .

اور اللہ تعالی کی آپ پر رحمت ہو، اس درود کے بھیجنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے آیت میں؛ تم ان پر درود بھیجو اور سلام بھی، اس میں صلوات دعا کے معنی میں ہے لیکن اللہ تعالی کی طرف سے ہو تو یہ رحمت کے معنی میں مجازا استعمال ہوا ہے[۲۲] اور جو رحمت بھیجنے کا سوال کیا تو اس کی غرض

[۲۱]۔ سورہ احزاب، ۵۶۔ اس آیت کی تفسیر میں متواتر روایات نبوی موجود ہیں کہ صحابہ نے آپ سے پوچھا مولا ہم آپ پر سلام کرنا جانتے ہیں، آپ پر صلوات کیسے پڑھیں؟ تو فرمایا؛ کہو؛ اللھم صلّ علی محمد وآل محمد۔۔ جس کی تفصیل اور اسناد ہم نے متواتر الاخبار میں ذکر کی ہے؛ روایت کرنے والے صحابہ ۱) کعب بن عجرۃ (۲) ابی حمید ساعدی (۳) ابی سعید (۴) ابی مسعود انصاری (۵) طلحہ بن عبید اللہ (۶) زید بن خارجہ (۷) بریدہ (۸) ابی ہریرہ (۹) سہل بن سعد (۱۰) رویفع بن ثابت (۱۱) جابر (۱۲) ابن عباس (۱۳) نعمان ابن ابی عیاش. اور اتنا تو امام شافعی نے بھی کہہ دیا؛ اے اہل بیت! تمہاری فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ جو شخص نماز میں نبیؐ کے ساتھ آپ لوگوں پر درود نہ بھیجے اس کی نماز ہی نہیں ہے۔

[۲۲]۔ مشہور علماء کا کہنا ہے کہ صلوات خدا کی طرف سے رحمت اور دیگر مخلوقات کی طرف سے رحمت کا سوال ہے اور ملائکہ کی طرف سے استغفار اور مومنین کی طرف سے دعاء ہے، شارح نے اس تعریف کو چھوڑ دیا تا کہ ایک لفظ کا ان سب معانی کے

خود درود بھیجنے والے کو پہنچتی ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اپنے نبی پاک ﷺ کو اپنے پاس اتنا قرب و منزلت دی ہے کہ اس میں کسی درود بھیجنے والے کا درود اثر نہیں کر سکتا جیسا کہ روایات میں اس کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور علماء ابرار نے اس کی تصریح کی ہے اور آیت کے ظاہر معنی پر عمل کرتے ہوئے درود کے ساتھ سلام بھی بھیجنا چاہیے تھا لیکن انہوں نے سلام کو چھوڑ دیا تاکہ بیان کریں کہ آیت میں اس کو مراد لینا حتمی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس سے مراد آپ کی اطاعت ہو بخلاف درود کے کہ اس کا وہی ایک ہی معنی ہے۔

(وَعَلَى آلِه) وَهُمْ عِنْدَنَا" عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَالْحَسَنَان"، وَيُطْلَقُ تَغْلِيبًا عَلَى بَاقِي الْأَئِمَّة عَلَيْهِمْ السَّلَامُ، وَنَبَّهَ عَلَى اخْتِصَاصِهِمْ عَلَيْهِمْ السَّلَامْ بِهَذَا الاسْمِ بِقَوْلِه:(الَّذِينَ حَفِظُوا مَا حَمَلَهُ)-بِالتَّخْفِيف-مِنْ أَحْكَامِ الدِّين،(وَعَقَلُوا عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِه مَا عَنْ جِبْرِيلَ عَقَلَهُ)، وَلَا يُتَوَهَّمُ مُسَاوَاتُهُمْ لَهُ بِذَلِكَ فِي الْفَضِيلَة؛ لِاخْتِصَاصِه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِه عَنْهُمْ بِمَزَايَا أُخَرَ تَصِيرُ بِهَا نِسْبَتُهُمْ إِلَيْهِ كَنِسْبَةِ غَيْرِهِمْ عَلَيْهِمْ السَّلَامُ مِنْ الرَّعِيَّة إِلَيْهِمْ؛ لِأَنَّهُمْ عَلَيْهِمْ السَّلَامُ فِي وَقْتِه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِه مِنْ جُمْلَة رَعِيَّتِه، ثُمَّ نَبَّهَ عَلَى مَا أَوْجَبَ

لیے مشترک ہونا اور ہر ایک کے لیے وضع ہونا لازم نہ ہو اور مجاز اشتراک سے بہتر ہے لیکن اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیت میں ہے؛وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ،الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّه وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُون،أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (بقرہ ۱۵۵۔۱۵۷) اور صبر کرنے والوں کو بشارت دو جو مصیبت کے وقت کہتے ہیں ہم خدا کے لیے ہیں اور اس کی طرف لوٹنے والے ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور وہ ہدایت پر ہیں، اس آیت میں رحمت کو صلوات پر عطف کیا گیا اور وہ دونوں کے مختلف ہونے پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ بات ہر صورت میں ضروری نہیں ہوتی کیونکہ بعض اوقات مترادفات کو بھی آپس میں عطف کیا جاتا ہے جیسے آیت میں ہے؛انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ ، اور دوسری جگہ فرمایا؛لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا (طہ ۱۰۷)۔

فَضِيلَتَهُمْ، وَتَخْصِيصَهُمْ بِالذِّكْرِ بَعْدَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِه بِقَوْلِه (حَتَّى قَرَنَ) الظَّاهِرُ عَوْدُ الضَّمِيرِ الْمُسْتَكِنِ إلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِه؛ لِأَنَّهُ قَرَنَ (بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مُحْكَمِ الْكِتَابِ) فِي قَوْلِه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِه:{ إنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إنْ تَمَسَّكْتُمْ بِه لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللَّهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي}- الْحَدِيثَ، وَيُمْكِنُ عَوْدُهُ إلَى اللَّهِ تَعَالَى؛ لِأَنَّ إخْبَارَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِه بِذَلِكَ مُسْتَنِدٌ إلَى الْوَحْيِ الْإِلَهِيِّ؛ لِأَنَّهُ { مَا يَنْطِقُ عَنْ الْهَوَى إنْ هُوَ إلَّا وَحْيٌ يُوحَى[۲۳]} وَهُوَ الظَّاهِرُ مِنْ قَوْلِه:(وَجَعَلَهُمْ قُدْوَةً لِأُولِي الْأَلْبَابِ) فَإِنَّ الْجَاعِلَ ذَلِكَ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى، مَعَ جَوَازِ أَنْ يُرَادَ بِه النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِه أَيْضًا،وَ " الْأَلْبَابِ " الْعُقُولُ، وَخَصَّ ذَوِيهِمْ لِأَنَّهُمْ الْمُنْتَفِعُونَ بِالْعِبَرِ، الْمُقْتَفُونَ لِسَدِيدِ الْأَثَرِ (صَلَاةً دَائِمَةً بِدَوَامِ الْأَحْقَابِ) جَمْعُ "حُقُبٍ" بِضَمِّ الْحَاءِ وَالْقَافِ، وَهُوَ الدَّهْرُ، وَمِنْهُ قَوْلُه تَعَالَى: { أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا } أَيْ دَائِمَةً بِدَوَامِ الدُّهُورِ.وَأَمَّا " الْحُقْبُ " بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُونِ الْقَافِ- وَهُوَ ثَمَانُونَ سَنَةً- فَجَمْعُهُ " حِقَابٌ " بِالْكَسْرِ، مِثْلُ قُفٍّ وَقِفَافٍ نَصَّ عَلَيْهِ الْجَوْهَرِيُّ .

اور خدا تعالیٰ کی رحمت ہو ان کی آل پاک پر اور وہ ہمارے نزدیک حضرت علی و فاطمہ اور امام حسن و حسین (علیہم السلام) ہیں، اور باقی ائمہ کرامؑ پر یہ لفظ غلبہ استعمال کی وجہ سے بولا جاتا ہے اور ان کے اس نام کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ بھی بیان کی؛ وہ آل جنہوں نے دین کے ان احکام کی حفاظت کی جو ان کے ذمے تھے اور نبی پاک ﷺ سے ان چیزوں کو سمجھا جو آپ

۲۳۔ سورہ نجم، آیت ۳۔۴۔

کے پاس جبرئیل لائے تھے اس سے ہر گز یہ خیال نہ کیا جائے کہ وہ فضیلت میں نبی اکرم ﷺ کے مساوی ہوگئے کیونکہ نبی پاک کو بعض دیگر ایسے امتیازات حاصل تھے جن کے ذریعے ان کی نسبت آپ سے ایسے ہے جیسے رعیت کو ان سے ہے کیونکہ وہ ذوات نبی پاکؐ کے زمانے میں آپ کی رعیت اور امت میں شامل ہیں پھر مصنف نے بیان کیا جو چیز ان کی فضیلت کا موجب ہوئی اور نبی پاکؐ کے بعد ان کو خصوصی طور پر ذکر کرنے کا موجب ہوئی؛ حتی اس نے ان کے اور قرآن کے محکمات کو آپس میں ملا دیا اس میں ہو سکتا ہے ضمیر نبی پاکؐ کی طرف لوٹے یعنی انہوں نے آل پاک اور قرآن کو ملا کر بیان کیا جب حدیث ثقلین ارشاد فرمائی؛ میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک ان کو تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ اللہ تعالی کی کتاب اور میری عترت اہل بیت ہیں[۲۴]، اور ممکن ہے کہ یہ

---

[۲۴]- حدیث ثقلین نبی اکرم ﷺ کے ان متواتر فرامین میں سے ہے جن کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ہم نے اس کی مفصل سندیں متواتر الاخبار عن النبی المختارؐ میں نقل کیں اسے ۲۰ سے زائد صحابہ سے کثیر سندوں سے نقل کیا گیا ہے ؛ ۱-ابو ایوب انصاری کی روایت؛ جس میں ۱۷ صحابہ نے اس کی گواہی دی؛استجلاب ارتقاء الغرف سخاوی، ج۱ص۳۴۸ح۳۷، جواہر العقدین سمہودی، ج۲ص۸۰۔ ۲۔جابر انصاری کی روایت؛ترمذی جامع کبیر ج۶ص۱۲۴۱(۳۷۸۶) باب۳۱کتاب مناقب، طبرانی، معجم کبیر ج۳ص۶۶ نمبر ۲۶۸۰، کنزالعمال، ج۱ص۱۷۲ح۸۷۰و ح۹۵۱۔ ۳۔جبیر بن مطعم کی روایت؛السنۃ ابن ابی عاصم، ج۲ص۹۷۴ح۱۰۵۶ باب۲۱۶، مودۃ فی القربی ہمدانی، مودت دوم، ۴۔حذیفہ بن اسید کی روایت؛ جواہر العقدین سمہودی، ج۲ص۸۳، نوادر الاصول حکیم ترمذی، ج۱ص۶۸، اصل ۵۰ اعتصام بالکتاب و العترۃ، معجم کبیر طبرانی ج۳ص۱۸۰ نمبر۳۰۵۲، تاریخ دمشق، ج۴۲ص۲۲۰ترجمہ امام علی ۴۹۳۳،اور طبری سے کنزالعمال ج۵ص۲۸۹ح۱۲۹۱۱، ترمذی جامع کبیر ج۶ص۱۲۴۱(۳۷۸۶) باب۳۱کتاب مناقب۔ ۵۔ابو ذر غفاری کی روایت؛ استجلاب ارتقاء الغرف سخاوی، ج۱ص۳۵۹ح۸۷، جواہر العقدین سمہودی، ج۲ص۸۶، زین الفتی عاصمی، ج۱ص۲۷۰فصل ۵، عیون الاخبار ابوالمعالی حسینی، ق ۳۹، المعرفہ و التاریخ بسوی، ج۱ص۵۳۸، کفایۃ الطالب گنجی شافعی ،ص۶۷ باب۶، ترمذی جامع کبیر ج۶ص۱۲۴۱(۳۷۸۶) باب۳۱کتاب مناقب۔ ۶۔ابو رافع خادم نبی اکرمؐ ؛استجلاب ارتقاء الغرف سخاوی، ج۱ص۳۶۰(۸۸)جواہر العقدین سمہودی، ج۲ص۸۔ ۷۔زید بن ان؛ ترمذی جامع کبیر ج۶ص۱۲۵۱(۳۷۸۸) باب۳۱کتاب مناقب، المعرفہ و التاریخ بسوی، ج۱ص۵۳۷، الشریعہ آجری، ج۵ ص۲۲۲۱(۱۷۰۶)السنّہ ابن ابی عاصم، ج۲ص۱۰۲۵(۱۵۹۹)، مستدرک صحیحین حاکم نیشاپوری، ج۳ص۱۰۹ (۴۹۷۶/۱۷۴)، انساب

ضمیر اللہ تعالی کی ذات کی طرف لوٹے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے خدا کے حکم سے ہی اہل بیت کو یہ مقام دیا کیونکہ آیت میں ہے؛ وہ خواہشات نفسانی سے بات نہیں کرتے بلکہ وہ تو ان کی طرف وحی ہوتی ہے اور یہی چیز بعد والے جملے سے ظاہر ہے کہ وہ خدا کا حکم تھا؛ اور اللہ تعالی نے ان کو صاحبان عقل و دانش کے لیے پیشوا بنایا تو بنانے والی اللہ تعالی کی ذات ہے اس کے باوجود نبی پاک ﷺ کو بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور الباب عقل کے معنی میں ہے اور یہاں صاحبان عقل کو خصوصی ذکر کیا کیونکہ وہی ہیں جو عبرتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور محکم فرامین کی پیروی کرتے ہیں، ایسی دائمی صلوات جو احقاب کے دوام کی طرح ہمیشہ رہے، احقاب، حقب [حاء اور قاف کی پیش کے ساتھ] کی جمع ہے اور وہ زمانے کے معنی میں ہے اور اسی معنی میں قرآن میں ہے؛ یا ہمیشہ چلتا رہوں[۲۵]، اور حقب [حاء پر پیش اور قاف کے سکون

الاشراف بلاذری، ج ۲ ص ۳۵۶ ترجمہ امام علیؑ، سنن کبری نسائی، ج ۷ ص ۳۱۰ (۸۰۹۲) باب فضائل علیؑ، خصائص امام علیؑ از نسائی، ص ۱۱۲ ح ۸۷، تاریخ دمشق ابن عساکر ج ۴۲ ص ۲۱۶ ترجمہ امام علی، معجم کبیر طبرانی، ج ۳ ص ۶۶ (۲۶۸۱) مسند احمد، ج ۴ ص ۳۷۱ (۱۹۳۱۳) صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۷۴ (۳۶/۲۴۰۸) صحیح ابن خزیمہ، ج ۴ ص ۶۲ (۲۳۵۷) باب ۳۴۸ سنن کبری بیہقی، ج ۱۰ ص ۱۱۳ کتاب آداب القاضی، ج ۲ ص ۱۴۸ کتاب الصلاۃ باب بیان اہل بیت نبیؐ، ج ۷ ص ۳۰ کتاب الصدقات باب بیان آل محمد، وغیرہ دیگر کثیر مصادر۔ ۸۔ زید بن ثابت کی حدیث؛ مسند احمد، ج ۵ ص ۱۸۹ (۲۱۶۵۴ و ۲۱۵۷۸)، المعرفۃ و التاریخ بسوی، ج ۱ ص ۵۳۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۶ ص ۳۱۳ (۳۱۶۷۰)، السنّہ ابی ابی عاصم ج ۲ ص ۱۰۲۱ (۱۵۹۳) باب ۲۳۸، معجم کبیر طبرانی، ج ۵ ص ۱۵۳ (۴۹۲۱) مسند عبد بن حمید، ص ۱۰۷ (۲۴۰)۔ ۹۔ ابو سعید خدری، مسند احمد، ج ۳ ص ۱۴ (۱۱۱۰۴)، المعرفۃ والتاریخ بسوی، ج ۱ ص ۵۳۸، معجم کبیر طبرانی، ج ۳ ص ۶۵ (۲۶۷۹) مسند ابی جعد، ص ۳۹۷ (۲۷۱۱)، مسند ابی یعلی ج ۲ ص ۲۹۷ (۱۰۲۱)، الشریعہ آجری، ج ۵ ص ۲۲۱۷ (۱۷۰۲)، مناقب امام علی ابن مغازلی، ص ۲۳۵ (۲۸۲ و ۲۸۳)، الطبقات الکبری ابن سعد، ج ۲ ص ۱۵۰ ذکر ما قرب لرسول اللہ من اجلہ، ترمذی جامع کبیر ج ۶ ص ۱۲۴ (۳۷۸۶) باب ۳۱ کتاب مناقب، فضائل صحابہ ابن حنبل، ج ۱ ص ۱۷۱ (۱۷۰)، تاریخ دمشق، ج ۵۴ ص ۹۲ ترجمہ محمد بن عبدالرحمٰن (۶۶۲۰) فرائد السمطین ج ۲ ص ۱۴۶، (۴۴۰)، مسند ابی یعلی ج ۲ ص ۳۷۶ (۱۱۴۰۔۱۲۶)، السنّۃ ابن ابی عاصم، ۲ ص ۱۰۲۴ (۱۵۹۸ باب ۲۳۸)۔ ۱۰۔ ام سلمی، استجلاب ارتقاء الغرف سخاوی، ج ۱ ص ۳۶۳ (۹۲) جواہر العقدین سمہودی، ج ۲ ص ۸۸۔ اور باقی سندیں اور ان کی تفصیل ہم نے متواتر الاخبار میں ذکر کی ہے۔

[۲۵]۔ کہف، آیت ۶۰۔

کے ساتھ] وہ ۸۰ سال کے معنی میں ہوتا ہے اور اس کی جمع حقاب ہے جیسے قفّ سے قفاف ہے اس کو جوہری نے صحاح اللغۃ میں تصریح کی ہے۔

(أَمَّا بَعْدُ) الْحَمْدُ وَالصَّلَاةُ،وَ "أَمَّا" كَلِمَةٌ فِيهَا مَعْنَى الشَّرْطِ، وَلِهَذَا كَانَتْ الْفَاءُ لَازِمَةً فِي جَوَابِهَا، وَالتَّقْدِيرُ " مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ فَهُوَ كَذَا " فَوَقَعَتْ كَلِمَةُ " أَمَّا " مَوْقِعَ اسْمٍ هُوَ الْمُبْتَدَأُ، وَفِعْلٍ هُوَ الشَّرْطُ، وَتَضَمَّنَتْ مَعْنَاهُمَا فَلَزِمَهَا لُصُوقُ الاسْمِ اللَّازِمِ لِلْمُبْتَدَأِ لِلْأَوَّلِ إبْقَاءً لَهُ بِحَسَبِ الْإِمْكَانِ، وَلَزِمَهَا الْفَاءُ لِلثَّانِي، وَ " بَعْدُ " ظَرْفُ زَمَانٍ، وَكَثِيراً مَا يُحْذَفُ مِنْهُ الْمُضَافُ إلَيْهِ وَيُنْوَى مَعْنَاهُ، مَبْنِيٌّ عَلَى الضَّمِّ .

پس حمد و ثناء اور درود وسلام کے بعد ! امّا ایسا لفظ ہے جس میں شرط کا معنی ہے اسی لیے اس کے جواب میں فاء لازمی ہے اصل میں اس طرح ہے؛ مھما یکن من شیء بعد الحمد والصلاۃ فھو کذا، یعنی حمد و درود کے بعد جو بھی ہے تو وہ یہ ہے، تو کلمہ امّا، کان کے اسم [جو مبتداء ہے] کی جگہ آ گیا اور فعل شرط ہے اور اس میں ابتداء اور شرط دونوں کا معنی پایا جاتا ہے تو اسم کا اما کے ساتھ چپکا ہوا ہونا لازمی ہے جو مبتداء کو لازم ہوتا ہے تاکہ ممکنہ حد تک اسے باقی رکھا جائے اور یہ ابتدائیت کے معنی کی وجہ سے ہے اور شرطیت کے معنی کی وجہ سے فاء کا ہونا بھی لازم یہ ہے، اور بعد ظرف زمان ہے اور اس سے مضاف الیہ کثرت سے حذف ہو جاتا ہے اور اس کا معنی ذہن میں ہوتا ہے اس لیے یہ ضمّہ پر مبنی ہے۔

لمعہ دمشقیہ کا سبب تصنیف

(فَهَذِهِ) إشَارَةٌ إلَى الْعِبَارَاتِ الذِّهْنِيَّةِ الَّتِي يُرِيدُ كِتَابَتَهَا، إنْ كَانَ وَضَعَ الْخُطْبَةَ قَبْلَ التَّصْنِيفِ، أَوْ كَتَبَهَا إنْ كَانَ بَعْدَهُ، نَزَّلَهَا مَنْزِلَةَ الشَّخْصِ الْمُشَاهَدِ

الْمَحْسُوسِ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ بِ"هَذِه" الْمَوْضُوعِ لِلْمُشَارِ إِلَيْهِ الْمَحْسُوسِ (اللُّمْعَةُ) بِضَمِّ اللَّامِ، وَهِيَ لُغَةٌ : بِالْبُقْعَةِ مِنْ الْأَرْضِ ذَاتِ الْكَلَإِ إِذَا يَبِسَتْ وَصَارَ لَهَا بَيَاضٌ، وَأَصْلُهُ مِنْ " اللَّمَعَانِ " وَهُوَ الْإِضَاءَةُ وَالْبَرِيقُ؛ لِأَنَّ الْبُقْعَةَ مِنْ الْأَرْضِ ذَاتِ الْكَلَإِ الْمَذْكُورِ كَأَنَّهَا تُضِيءُ دُونَ سَائِرِ الْبِقَاعِ، وَعُدِّيَ ذَلِكَ إِلَى مَحَاسِنِ الْكَلَامِ وَبَلِيغِهِ؛ لِاسْتِنَارَةِ الْأَذْهَانِ بِهِ، وَلِتَمَيُّزِهِ عَنْ سَائِرِ الْكَلَامِ، فَكَأَنَّهُ فِي نَفْسِهِ ذُو ضِيَاءٍ وَنُورٍ (الدِّمَشْقِيَّةُ) بِكَسْرِ الدَّالِ وَفَتْحِ الْمِيمِ، نَسَبَهَا إِلَى "دِمَشْقَ" الْمَدِينَةِ الْمَعْرُوفَةِ؛ لِأَنَّهُ صَنَّفَهَا بِهَا فِي بَعْضِ أَوْقَاتِ إِقَامَتِهِ بِهَا (فِي فِقْهِ الْإِمَامِيَّةِ) الِاثْنَيْ عَشْرِيَّةَ أَيَّدَهُمْ اللَّهُ تَعَالَى (إِجَابَةً) مَنْصُوبٌ عَلَى الْمَفْعُولِ لِأَجْلِهِ، وَالْعَامِلُ مَحْذُوفٌ، أَيْ صَنَّفْتُهَا إِجَابَةً (لِالْتِمَاسِ) وَهُوَ طَلَبُ الْمُسَاوِي مِنْ مِثْلِهِ وَلَوْ بِالادِّعَاءِ، كَمَا فِي أَبْوَابِ الْخَطَّاطِ (بَعْضِ الدَّيَّانِينَ) أَيْ الْمُطِيعِينَ لِلَّهِ فِي أَمْرِهِ وَنَهْيِهِ .

پس یہ لمعہ دمشقیہ ہے، یہ ان ذہنی عبارتوں کی طرف اشارہ ہے جن کو مصنف لکھنا چاہتے تھے اگر انہوں نے کتاب لکھنے سے پہلے خطبہ لکھا ہو اور اگر خطبہ کتاب لکھنے کے بعد لکھا ہو تو سامنے کی تحریر کی طرف اشارہ ہے اور انہوں نے ذہنی عبارتوں یا تحریر کو مشاہدہ ہونے والے محسوس شخص کی طرف قرار دیا اور اس کی طرف ھذہ کے ساتھ اشارہ کیا جسے محسوس و مادی اشیاء کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بنایا گیا ہے، لمعہ لغت میں زمین کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو گھاس سے بھری ہوئی ہو جب وہ خشک ہو جائے اور خس و خاشاک بن کر سفید ہو جائے اور اصل میں یہ لمعان سے ہے جس کا معنی روشنی ہے کیونکہ ایسی زمین بھی دیگر ٹکڑوں کی نسبت روشن ہوتی ہے اور اسی سے خوبصورت اور بلیغ کلام کو بھی لمعہ کہا جانے لگا کیونکہ اذہان

اور عقلیں اس سے روشن ہوتی ہیں اور وہ دیگر کلاموں سے ممتاز ہوتی ہے گویا وہ خود روشن اور نور ہے، دِمَشقیہ، یہ مشہور و معروف شہر دِمَشق کی طرف نسبت ہے کیونکہ مصنف نے وہاں پر اپنی رہائش کے دوران اسے لکھا تھا، یہ کتاب شیعہ امامیہ اثنا عشریہ [خدا ان کی تائید و نصرت فرمائے] کی فقہ اور شرعی احکام کے متعلق ہے اور یہ بعض دیندار حضرات کی التماس پر لکھی گئی، اجابۃ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل محذوف ہے یعنی صنفتھا اجابۃ میں نے اسے لکھا ان کے ان التماس کے جواب کی خاطر، اور التماس دو مساوی افراد میں سے ایک کے دوسرے سے کسی کام کو طلب کرنا ہوتا ہے اگرچہ وہ برابری کے مدعی ہو جیسا کہ خطابت کے ابواب میں ہوتا ہے اور بعض دینداروں سے مراد وہ شخص جو خدا کے امر و نہی کی اطاعت کرتا ہو۔

وَهَذَا الْبَعْضُ هُوَ شَمْسُ الدِّينِ مُحَمَّدٌ الْآوِيُّ مِنْ أَصْحَابِ السُّلْطَانِ عَلِيِّ بْنِ مُؤَيَّد مَلِک خُرَاسَانَ وَمَا وَلَاهَا فِي ذَلِکَ الْوَقْتِ، إِلَى أَنْ اسْتَوْلَى عَلَى بِلَادِهِ " تَيْمُورْلَنْک " فَصَارَ مَعَهُ قَسْراً إِلَى أَنْ تُوُفِّيَ فِي حُدُودِ سَنَةِ خَمْسٍ وَتِسْعِينَ وَسَبْعِمائَةٍ بَعْدَ أَنْ اُسْتُشْهِدَ الْمُصَنِّفُ قَدَّسَ رُوحَهُ بِتِسْعِ سِنِينَ، وَكَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُصَنِّفِ قَدَّسَ سِرَّهُ مَوَدَّةٌ وَمُكَاتَبَةٌ عَلَى الْبُعْدِ إِلَى الْعِرَاقِ، ثُمَّ إِلَى الشَّامِ، وَطَلَبَ مِنْهُ أَخِيراً التَّوَجُّهَ إِلَى بِلَادِهِ فِي مُكَاتَبَةٍ شَرِيفَةٍ أَكْثَرَ فِيهَا مِنْ التَّلَطُّفِ وَالتَّعْظِيمِ وَالْحَثِّ لِلْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى ذَلِکَ، فَأَبَى وَاعْتَذَرَ إِلَيْهِ، وَصَنَّفَ لَهُ هَذَا الْكِتَابَ بِدِمَشْقَ فِي سَبْعَةِ أَيَّامٍ لَا غَيْرُ، عَلَى مَا نَقَلَهُ عَنْهُ وَلَدُهُ الْمَبْرُورُ أَبُو طَالِبٍ مُحَمَّدٌ، وَأَخَذَ شَمْسُ الدِّينِ الْآوِيُّ نُسْخَةَ الْأَصْلِ، وَلَمْ يَتَمَكَّنْ أَحَدٌ مِنْ نَسْخِهَا مِنْهُ لِضَنَّتِهِ بِهَا، وَإِنَّمَا نَسَخَهَا بَعْضُ الطَّلَبَةِ وَهِيَ فِي يَدِ الرَّسُولِ

تَعْظِيمًا لَهَا، وَسَافَرَ بِهَا قَبْلَ الْمُقَابَلَةِ فَوَقَعَ فِيهَا بِسَبَبِ ذَلِکَ خَلَلٌ، ثُمَّ أَصْلَحَهُ الْمُصَنِّفُ بَعْدَ ذَلِکَ بِمَا يُنَاسِبُ الْمَقَامَ، وَرُبَّمَا كَانَ مُغَايِرًا لِلْأَصْلِ بِحَسَبِ اللَّفْظِ، وَذَلِکَ فِي سَنَةِ اثْنَيْنِ وَثَمَانِينَ وَسَبْعِمائَةٍ .وَنُقِلَ عَنْ الْمُصَنِّفِ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ مَجْلِسَهُ بِدِمَشْقَ ذَلِکَ الْوَقْتَ مَا كَانَ يَخْلُو غَالِبًا مِنْ عُلَمَاءِ الْجُمْهُورِ لِخُلْطَتِهِ بِهِمْ وَصُحْبَتِهِ لَهُمْ، قَالَ " فَلَمَّا شَرَعْتُ فِي تَصْنِيفِ هَذَا الْكِتَابِ كُنْتُ أَخَافُ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنْهُمْ فَيَرَاهُ، فَمَا دَخَلَ عَلَيَّ أَحَدٌ مُنْذُ شَرَعْتُ فِي تَصْنِيفِهِ إِلَى أَنْ فَرَغْتُ مِنْهُ، وَكَانَ ذَلِکَ مِنْ خَفِيِّ الْأَلْطَافِ " وَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ كَرَامَاتِهِ قَدَّسَ اللَّهُ رُوحَهُ وَنَوَّرَ ضَرِيحَهُ .

اور وہ بعض متدین شمس الدین محمد آوی ہے جو سلطان علی بن موید [خراسان واس کے نواحی علاقوں کے بادشاہ] کے دوستوں میں سے تھے یہاں تک کہ ان علاقوں پر تیمور لنگ نے حملہ کیا تو وہ اس کے ساتھ مجبور ہو گئے حتی ۷۹۵ھ کو فوت ہوئے جبکہ مصنف نو سال پہلے شہید ہو چکے تھے۔

شمس الدین آوی اور مصنف کے درمیان باہمی دوستی اور دور سے عراق پھر شام کی طرف خط وکتابت ہوتی رہتی تھی اور آخر میں آوی نے ایک خط میں ان سے التماس کی کہ وہ انکے شہر چلے آئیں اس خط میں بہت تعظیم اور تاکید کی[۲۶] لیکن مصنفؒ نے اس کو قبول نہ کیا اور عذر خواہی کی اور ان کے لیے یہ کتاب دمشق میں صرف سات دنوں میں لکھی جیسا کہ ان کے بیٹے ابو طالب محمد نے ان سے نقل کیا اور شمس الدین آوی نے اصل نسخہ لے لیا اور کوئی بھی اس سے

[۲۶] ۔اس خط کا متن ہم نے اس کتاب کی بحث نماز کی شرح کے مقدمے میں ذکر کیا جہاں ہم نے شہیدین کے حالات زندگی کو ذکر کیا ہے۔

نسخہ نہ بنا سکا کیونکہ وہ کسی کو دینے سے کتراتے تھے اور بعض طلبہ نے اس کا ایک نسخہ اس وقت بنالیا تھا جب پیام لے جانے والا اسے لے کر جانا چاہتا تھا اور اس سے اس کی غرض اس کتاب کی عظمت کا پاس تھا اور مقابلے سے پہلے وہ اسے لے کر چلا گیا تو اس سبب سے اس میں کچھ نقص پیدا ہوئے پھر اس کے بعد مصنف نے جو مناسب سمجھا اس کی اصلاح کی ہو سکا ہے لفظ کے لحاظ سے وہ اصل نسخہ سے مختلف ہو اور یہ ۷۸۲ھ کا واقعہ ہے۔

اور مصنفؒ نے منقول ہے کہ اس وقت ان کی محفل دمشق میں کبھی بھی اہل سنت کے علماء سے خالی نہیں رہتی تھی چونکہ وہ ان کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے اور ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے تو ان کا بیان ہے کہ جب میں اس کتاب کو لکھنا شروع کیا تو مجھے خوف تھا کہ ان میں سے کوئی آنہ جائے اور اسے دیکھ لے تو اس کے شروع سے لیکر اختتام تک ان میں سے کوئی نہیں آیا اور یہ خدا تعالی کے مخفی لطف و کرم کا نتیجہ ہے، اور یہ مصنف کی بعض کرامات میں سے خدا تعالی ان کی روح کو پاکیزہ اور ان کی ضریح کو منور قرار دے۔

(وَحَسْبُنَا اللَّهُ)، أَيْ مُحَسِّبُنَا وَكَافِينَا.(وَنِعْمَ الْمُعِينُ) عَطْفٌ لَهُ عَلَى جُمْلَةِ " حَسْبُنَا اللَّهُ " بِتَقْدِيرِ الْمَعْطُوفَةِ خَبَرِيَّةً، بِتَقْدِيرِ الْمُبْتَدَإِ مَعَ مَا يُوجِبُهُ، أَيْ " مَقُولٌ فِي حَقِّهِ ذَلِكَ " أَوْ بِتَقْدِيرِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهَا إنْشَائِيَّةً، أَوْ عَلَى خَبَرِ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهَا خَاصَّةً فَتَقَعُ الْجُمْلَةُ الْإِنْشَائِيَّةُ خَبَرَ الْمُبْتَدَإِ، فَيَكُونُ عَطْفَ مُفْرَدٍ مُتَعَلِّقُهُ جُمْلَةٌ إنْشَائِيَّةٌ، أَوْ يُقَالُ : إنَّ الْجُمْلَةَ الَّتِي لَهَا مَحَلٌّ مِنْ الْإِعْرَابِ لَا حَرَجَ فِي عَطْفِهَا كَذَلِكَ، أَوْ تُجْعَلُ الْوَاوُ مُعْتَرِضَةً لَا عَاطِفَةً، مَعَ أَنَّ جَمَاعَةً مِنْ النُّحَاةِ أَجَازُوا عَطْفَ الْإِنْشَائِيَّةِ عَلَى الْخَبَرِيَّةِ وَبِالْعَكْسِ، وَاسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِ بِآيَاتٍ قُرْآنِيَّةٍ، وَشَوَاهِدَ شِعْرِيَّةٍ .

اور اللہ تعالی کی ذات ہمارے لیے کافی ہے اور وہی مددگار ہے یہ یا تو سابقہ جملے حسبنا اللہ پر عطف ہے جب جملہ معطوفہ کو جملہ خبریہ مانا جائے یعنی اصل میں اس سے پہلے ایک مبتداء فرض کریں یعنی جس کے بارے میں یہ قول بیان ہوا یا جملہ معطوف علیہ کو انشائی مان لیں یا یہ جملہ معطوف علیہ کی خبر پر عطف ہو تو جملہ انشائیہ مبتداء کی خبر ہو گا تو یہ ایسے مفرد کا عطف ہو گا جس کا متعلق جملہ انشائیہ ہے یا یہ کہا جائے کہ جس جملے کا محلّ اعراب ہوتا ہے اس کا اس طرح عطف کرنے میں حرج نہیں ہے یا واو کو معترضہ قرار دیں اصلا اس کو عاطفہ ہی نہ مانیں حالانکہ علم نحو کے ماہرین کی ایک جماعت نے جملہ انشائیہ کے جملہ خبریہ پر عطف کرنے اور اس کے بر عکس عطف کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور اس پر قرآن مجید کی آیات اور عرب کے اشعار سے شواہد ذکر کئے ہیں[۲۷]۔

[۲۷]۔ ابن ہشام مغنی میں بحث عطف کے آخر میں فرماتے ہیں جملہ خبریہ کا جملہ انشائیہ پر عطف یا اس کے بر عکس عطف کو علماء علم بیان نے اور نحویوں میں سے ابن مالک نے کتاب تسہیل کی مفعول معہ کی بحث میں اور ابن عصفور نے شرح ایضاح میں اسے ممنوع قرار دیا اور اس قول کو اکثر نحویوں کی طرف نسبت دیا لیکن ابن عصفور کا شاگرد صفار اور ایک جماعت اس کے جائز ہونے کی قائل ہے اور اس کی دلیل یہ آیت دی ہے؛ نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (صفّ، آیت نمبر ۱۰۔۱۱) جملہ انشائیہ بشر المومنین کا عطف جملہ خبریہ پر ہے اور اس کے بعد زمخشری کا اس پر اشکال نقل کیا ہے، ابوحیان نے کہا سیبویہ نے جائز قرار دیا؛ جاءنی زید و من عمرو العاقلان جب العاقلان ایک مبتداء محذوف کی خبر ہو تو من عمرو کا عطف جملہ خبریہ پر ہو گا اور اس کی تائیدی شعر ہے ؛ ِان شفائی عبرۃ مھراقۃ ۔ وھل عند رسم دارس من معوّل کہ جملہ استفہامیہ انشائیہ کا خبریہ پر عطف ہے اور صفار نے یہ بھی دلیل دی؛ و قائلۃ خولان فانکح فتاتھم کہ سیبویہ کے نزدیک اس کی اصل ھذہ خولان ہے اور جملہ انکح انشائیہ کا خبریہ پر عطف ہے اور اس سے بھیً واضح تر سورہ کوثر ہے؛ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (کوثر ۱۔۲) اور حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (آل عمران ۱۷۳) بھی اسی کی دلیل ہے اور باقی ماہرین فنّ نحو کی تاویلیں تو ہر طرف ختم ہی نہیں ہوتیں۔

(وَهِيَ مَبْنِيَّةٌ) أَيْ مُرَتَّبَةٌ، أَوْ مَا هُوَ أَعَمُّ مِنْ التَّرْتِيبِ (عَلَى كُتُبٍ) بِضَمِّ التَّاءِ وَسُكُونِهَا جَمْعُ كِتَابٍ، وَهُوَ فِعَالٌ مِنْ " الْكَتْبِ " بِالْفَتْحِ وَهُوَ الْجَمْعُ، سُمِّيَ بِهِ الْمَكْتُوبُ الْمَخْصُوصُ لِجَمْعِهِ الْمَسَائِلَ الْمُتَكَثِّرَةَ، وَالْكِتَابُ أَيْضًا مَصْدَرٌ مَزِيدٌ مُشْتَقٌّ مِنْ الْمُجَرَّدِ لِمُوَافَقَتِهِ لَهُ فِي حُرُوفِهِ الْأَصْلِيَّةِ وَمَعْنَاهُ .

اور یہ لمعہ چند کتابوں کی ترتیب سے لکھی گئی ہے، کتب کتاب کی جمع ہے اور وہ کتب سے فعال کے وزن پر جمع ہے، اور مخصوص تحریر کو کتاب کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس میں بہت سے مسائل جمع ہوتے ہیں اور کتاب مصدر مزید فیہ بھی ہے جو مجرد سے مشتق ہے کیونکہ وہ حروف اصلی اور اس کے معنی میں اس کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔

مقدمہ کتاب طہارت

۱۔ طہارت کی تعریف

كِتَابُ الطَّهَارَةِ (الطَّهَارَةُ)مَصْدَرُ"طَهُرَ" بِضَمِّ الْعَيْنِ وَفَتْحِهَا، وَالاسْمُ الطُّهْرُ بِالضَّمِّ (وَهِيَ لُغَةً النَّظَافَة) وَالنَّزَاهَةُ مِنْ الْأَدْنَاسِ (وَشَرْعًا)-بِنَاءً عَلَى ثُبُوتِ الْحَقَائِقِ الشَّرْعِيَّةِ- (اسْتِعْمَالُ طَهُورٍ مَشْرُوطٌ بِالنِّيَّة) فَالاسْتِعْمَالُ بِمَنْزِلَةِ الْجِنْسِ، وَالطَّهُورُ مُبَالَغَةٌ فِي الطَّاهِرِ، وَالْمُرَادُ مِنْهُ هُنَا، الطَّاهِرُ فِي نَفْسِهِ الْمُطَهِّرُ لِغَيْرِهِ " جُعِلَ بِحَسَبِ الاسْتِعْمَالِ مُتَعَدِّيًا وَإِنْ كَانَ بِحَسَبِ الْوَضْعِ اللُّغَوِيِّ لَازِمًا، كَالْأَكُولِ، وَخَرَجَ بِقَوْلِهِ : " مَشْرُوطٌ بِالنِّيَّة " إزَالَةُ النَّجَاسَةِ عَنْ الثَّوْبِ وَالْبَدَنِ وَغَيْرِهِمَا، فَإِنَّ النِّيَّةَ لَيْسَتْ شَرْطًا فِي تَحَقُّقِهِ، وَإِنْ اُشْتُرِطَتْ فِي كَمَالِهِ، وَفِي تَرَتُّبِ الثَّوَابِ عَلَى فِعْلِه-

کتاب طہارت [1]؛ طہارت طَہُر کا مصدر ہے اس کی عین الفعل میں ضمّہ اور فتحہ دونوں جائز ہیں اور اسم مصدر طُہْر ہے [1]، لغت کے اعتبار سے طہارت گندگی اور میل کچیل سے نظافت اور

---

[1]۔ مصنف نے اس بحث کا عنوان کتاب الطہارت دیا اور کتاب اصل لغت میں کسی چیز کو دوسر چیز کے ساتھ جمع کرنے کو کہتے ہیں جیسا مقاییس اللغۃ میں کہا: (کتب) الکاف والتاء والباء إصلٌ صحیح واحد یدلُّ علی جمع شيءٍ إلی شيء. من ذلک الكِتَابُ والکتابۃ؛ اور کتاب ان مسائل کا مجموعہ ہے جو جنس میں متحد اور نوع میں مختلف ہیں اور مقصد ان مسائل کا مجموعہ ہے جو نوع میں متحد اور صنف میں مختلف ہیں اور مطلب وہ صنف میں متحد اور شخصا مختلف مسائل کا مجموعہ ہوتا ہے (غایۃ المراد شہید اول) اور حق یہ ہے کہ یہ امور اصطلاح اور اعتبارات ہیں ان میں مناقشے سزاوار نہیں ہے (مدارک اور جواہر الکلام)۔

صفائی کا نام ہے [۲]، اور شرعی اعتبار سے اس بناء پر کہ الفاظ شرعی میں حقیقت شرعی ثابت ہو [۳]، طہارت کی تعریف یہ ہے کہ طہور یعنی پانی و مٹی کا استعمال کرنا جس میں نیت بھی کی گئی ہو

---

[۱] ۔ مصدر طہارت اور طہر اسم مصدر ہے ان میں بہت سی بحثیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مصدر اور اسم مصدر میں کیا فرق ہے اس میں چند فرق بیان ہوئے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ مصدر وہ ہے جو کسی کام کے کرنے یا کسی حالت کے حاصل ہونے پر دلالت ہے اور اسم مصدر وہ ہے جو مصدر کا حاصل ہوتا ہے جیسے اغتسال غسل کرنے کو کہتے ہیں اور غسل حاصل مصدر ہے اور دوسری بحث یہ ہے کہ اصل اشتقاق مصدر ہے یا فعل ؟ جیسا کہ کوفیوں اور بصریوں کا اختلاف ہے لیکن علم اصول میں محققین نے اس بحث کو کچھ دقیق سوچا ہے کیونکہ مختلف الفاظ کے لیے اصل وہ ہوگا جس کی اپنی کوئی شکل و صورت نہ ہو بلکہ محض ایک ایسے مادے کی طرح ہو جو ہر قسم کی صورتوں کو قبول کرے اور تمام مشتقات میں وہ اصل محفوظ رہے اور وہ مصدر تو نہیں ہو سکتا کیونکہ مصدر کے اپنے مخصوص اوزان اور صورتیں ہیں جو مختلف الفاظ میں محفوظ نہیں رہتیں بلکہ ضرب یضرب ضارب مضروب وغیرہ الفاظ کی اصل (ض۔ر۔ب) ہے اور جہاں تک فعل کے معنی کی بات ہے تو اس کی حقیقت بھی اس سے کہیں زیادہ دقیق ہے جتنا عام ادبی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے فعل کا معنی حرفی ہے وہ کوئی مستقل معنی نہیں رکھتا ہے اس کے معنی میں زمانہ داخل نہیں کیونکہ وہ تو مستقل معنی ہے بلکہ زمانہ اس کے معنی کا لازمہ ہے اور اس کی تحقیق کی علم اصول کے متاخرین اصولیوں نے پیش کی ہے (تفصیل کفایہ خراسانی، فوائد الاصول نائینی اور مصباح الاصول خوئی)۔

[۲] ۔ طہارت کا لغوی معنی ہر قسم کی گندگی اور ناپاکی سے پاکی اور پاکیزگی ہے اور گناہوں اور بد خلقی سے بھی استعارہ ہے اسی لیے اللہ تعالی نے اہل بیت کی پاکی کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا؛ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً (احزاب ۳۳)، بس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہل بیت تم کو ہر برائی سے دور رکھے اور ایسا پاک اور پاکیزہ رکھے جیسا پاک رکھنے کا حق ہے۔

[۳] ۔ اولا تو حقیقت شرعیہ اور متشرعہ کی بحث ایک علمی بحث و مناقشہ ہے اس کا عملی کوئی ثمرہ اور فائدہ نہیں، کیونکہ جتنی احادیث نبوی ہم تک پہنچی ہیں وہ ائمہ معصومینؑ کے واسطے سے پہنچی ہیں اور اس وقت تو یقینا وہ الفاظ شرعی معانی میں حقیقت ہو چکے تھے اور جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے تو اس کا خلاصہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے؛ اکثر اصولیوں کا نظریہ ہے کہ الفاظ عبادات مانند صلاۃ، صوم، زکاۃ، حجؔ یہ عرب کے ہاں اسلام سے پہلے بھی اپنے لغوی معانی میں حقیقت کے طور پہ استعمال ہوتے تھے۔ انکے بالترتیب معانی دعاء، امساک (رکنا)، نمو پانا، قصد کرنا تھے۔ اسکو وہ حقیقت لغویہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جبکہ انہی الفاظ کے ائمہ صادقینؑ کے زمانے اور اس سے ذرا پہلے کے دور تک خاص شرعی معانی پیدا ہو چکے تھے۔ اس طرح کہ جب بھی یہ صلاۃ، صوم، زکاۃ، حجؔ استعمال کیئے جاتے تو ان سے شرعی معانی ہی سمجھے جاتے۔ لیکن اختلاف ان الفاظ کے ان شرعی معانی میں نقل ہونے اور ان معانی میں حقیقت ہونے کی کیفیت میں ہے کہ یہ کس طرح اپنے سابقہ لغوی معانی سے ان شرعی

معانی میں حقیقت ہو گئے ؟اس میں دو قول ہیں؛ ا۔عصر نبوت میں حقیقت شرعیہ ثابت ہے۔۲۔عصر نبوت کے بعد حقیقت متشرعہ ثابت ہے۔

اول کا معنی ہے کہ یہ الفاظ نبی اکرمؐ کے زمانے میں اپنے لغوی معانی سے شرعی معانی کی طرف وضع تعیینی یا تعینی سے نقل ہو گئے اور انہی شرعی معانی میں حقیقت ہو کے رہ گئے کیونکہ یہ الفاظ مسلمانوں میں بہت استعمال ہوتے تھے۔خصوصاً نماز وصلاۃ ایسے الفاظ تو روزانہ پانچ مرتبہ ادا کیئے جاتے تھے اور محل آذان سے سنے جاتے تھے۔بہت بعید ہے کہ یہ نئے معانی شرعیہ میں حقیقت نہ ہوئے ہوں،

حقیقت متشرعہ کا معنی یہ ہے کہ ان الفاظ کا نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نئے معانی شرعیہ میں وضع ہو جانا اور حقیقت ہو جانا یا وضع تعیینی سے ہوگا یا تعینی۔اول تعیینی ثابت نہیں اگرایسا ہوتا تو ہماری طرف نقل کیا جاتا کہ نبی اکرم ﷺ نے فلاں تاریخ کو صحابہ کی میٹنگ بلائی اور ان لفاظ کو نئے معانی کیلئے وضع فرمایا جب ایسی کوئی شنید نہیں تو وضع تعیینی ثابت نہیں،اور اگر وضع تعینی ہو تو اس میں اتنا زیادہ استعمال نئے میں شرط ہے یہ الفاظ اپنے سابقہ لغوی معانی کو چھوڑ کر نئے شرعی معانی میں حقیقت ہو جائیں لیکن نبوت کا زمانہ بہت کم ہے ؟ قول اوّل: الفاظ شرعی کے شرعی معانی حقیقت شرعیہ سے ثابت ہیں کیونکہ نبوت کا زمانہ ہر گز کم نہیں ۲۳ سال ان الفاظ کے معانی کی وضاحت ہوئی ان کو انکے شرعی معانی میں استعمال کیا گیا تو وضع تعینی ثابت ہو گئی تھی۔ بھلا جس زمانے میں ہدایت بشر کیلئے نسخہ کیمیا قرآن نازل ہو جاتا ہے جس میں اسلامی حکومت قائم ہو جاتی ہے جس میں شریعت کی تکمیل ہو جاتی ہے اس میں ان کے الفاظ کو بھی شرعی معانی میں نقل کیا جا سکتا ہے۔پس اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان لسان شرع میں آنے والے الفاظ سے ان کے شرعی معانی سمجھے اور انکی حقیقت شرعیہ ثابت سمجھے۔

قول دوم: دیگر محققین کا نظریہ یہ ہے کہ الفاظ کی شرعی معانی میں نقل یا وضع تعیینی کے ساتھ ہوگی یا وضع تعینی کے ساتھ،تو وضع تعیینی ثابت نہیں ہے کیونکہ اگرایسا ہوتا تو اسکو روایات متواترہ یا کم از کم اخبار احاد میں ہی نقل کیا جاتا لیکن ایسی کوئی خبر نہیں ہے اور وضع تعینی زمان امام علیؑ کے زمانے تک اور آپ کے بعد معصومینؑ کی احادیث میں ثابت ہے کیونکہ الفاظ اس عرصے طویل میں معانی جدید میں کثرت سے استعمال ہو چکے تھے اور ان میں حقیقت کی حد تک پہنچ گئے تھے،اور زمان پیامبر اکرم ﷺ کی نسبت گمان ہے کہ الفاظ نئے معانی کی طرف حقیقت کی حد تک پہنچ گئے ہوں لیکن اس باب میں گمان کافی نہیں لیکن ہمارے لئے خاص مشکل نہیں ہے کیونکہ پیامبر اکرم ﷺ کی اخبار ہمارے معصومینؑ کے توسط سے پہنچی ہیں اور اس دور میں یقیناً یہ الفاظ نقل ہو چکے تھے اور الفاظ قرآن میں بھی مشکل نہیں کیونکہ وہ غالباً قرائن کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں بلکہ بعض الفاظ جیسے نماز، روزہ،حج اور زکاۃ کا پیامبر اکرم ﷺ کے زمانے میں کثرت استعمال کی وجہ سے حقیقت بن جانا بھی صحیح ہے۔

[1]،اس تعریف میں استعمال، جنس کی جگہ پر ہے [2]اور طہور طاہر میں مبالغہ ہے اور یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو خود پاک ہو اور دوسری چیزوں کو پاک کرتی ہو تو طہور استعمال کے لحاظ سے متعدی قرار دیا گیا ہے اگرچہ لغوی اعتبار سے لازم تھا مانند اکول کے، اور نیت کی شرط ہونے سے طہارت کی تعریف سے کپڑے و بدن وغیرہ سے ظاہری نجاست کو پاک کرنا خارج ہو جائیں گے کیونکہ ان میں نیت شرط نہیں ہے اگرچہ اس کے کمال اور اس کے انجام دینے پر ثواب ملنے میں نیت کرنا شرط ہے،

تعریف کی تحلیل

وَبَقِيَتْ الطَّهَارَاتُ الثَّلَاثُ مُنْدَرِجَةً فِي التَّعْرِيفِ، وَاجِبَةً وَمَنْدُوبَةً، وَمُبِيحَةً وَغَيْرَ مُبِيحَةٍ، إِنْ أُرِيدَ بِالطَّهُورِ مُطْلَقُ الْمَاءِ وَالْأَرْضِ كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ وَحِينَئِذٍ فَفِيهِ اخْتِيَارُ أَنَّ الْمُرَادَ مِنْهَا مَا هُوَ أَعَمُّ مِنْ الْمُبِيحِ لِلصَّلَاةِ وَهُوَ خِلَافُ اصْطِلَاحِ الْأَكْثَرِينَ وَمِنْهُمْ الْمُصَنِّفُ فِي غَيْرِ هَذَا الْكِتَابِ، أَوْ يُنْتَقَضُ فِي طَرْدِهِ بِالْغُسْلِ الْمَنْدُوبِ، وَالْوُضُوءِ غَيْرِ الرَّافِعِ مِنْهُ، وَالتَّيَمُّمِ بَدَلًا مِنْهُمَا إِنْ قِيلَ بِهِ، وَيَنْتَقِضُ فِي طَرْدِهِ أَيْضًا بِأَبْعَاضِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ الثَّلَاثَةِ مُطْلَقًا، فَإِنَّهُ اسْتِعْمَالٌ لِلطَّهُورِ

---

[1]۔ طہارت کی تعریف علماء نے مختلف کی ہے شیخ ابو علی نے شرح نہایہ میں کہا ہے؛ طہارت نجاستوں اور حدث سے پاکی ہے اور اکثر نے اسے اس رفع حدث سے خاص کیا جو نماز کو مباح کرے، صرف ظاہری نجاست کو دور کرنے کو طہارت نہیں کہا، اسی لیے شیخ طوسی نے نہایہ اور علامہ حلی نے منتہی میں کہا؛ شریعت میں طہارت اس کو کہتے ہیں جس کے ذریعے نماز مباح ہو پھر اس مباح کی قید کے ساتھ طہارت کو واجب اور مستحب میں تقسیم کیا ہے اور مستحب کی اقسام میں بعض وہ ہیں جو نماز کو مباح نہیں کرتیں جیسے حیض والی عورت کا وضو کرنا اور اسی وجہ سے تعریفوں میں اشکالات اور بحثیں طول پکڑ گئی ہیں حالانکہ پہلے طہارت کی حد معین ہونی چاہیے۔

[2]۔ علم منطق کی اصطلاح میں تعریف میں جنس و فصل کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہی مراد ہیں۔

مَشْرُوطٌ بِالنِّيَّةِ مَعَ أَنَّهُ لَا يُسَمَّى طَهَارَةً، وبِمَا لَوْ نَذَرَ تَطْهِيرَ الثَّوْبِ وَنَحْوِهِ مِنْ النَّجَاسَةِ نَاوِيًا، فَإِنَّ النَّذْرَ مُنْعَقِدٌ لِرُجْحَانِه، وَمَعَ ذَلكَ فَهُوَ مِنْ أَجْوَدِ التَّعْرِيفَاتِ، لِكَثْرَةِ مَا يَرِدُ عَلَيْهَا مِنْ النُّقُوضِ فِي هَذَا الْبَابِ-

اگر تعریف میں طہور سے مراد مطلق پانی اور مٹی مراد لیا جائے جیسا کہ ظاہر بھی یہی ہے تو اس تعریف میں تین طہارتیں وضو، غسل اور تیمّم داخل ہونگی چاہے واجب ہوں یا مستحب، نماز کو مباح کرنے والی ہوں یا نہ، لیکن اس وقت اس میں اشکال یہ ہوگا کہ طہارت سے مراد ان کو بھی شامل ہے جو نماز کو مباح کرنے والی نہیں اور یہ اکثر علماء کی اصطلاح کے خلاف ہے اور خود شہید اول بھی اپنی دیگر کتابوں میں اس کو قبول نہیں کرتے اور طہارت فقط اس کو قرار دیتے ہیں جو نماز کو مباح کرے اور دوسرا اشکال یہ ہے کہ یہ تعریف مانع اغیار نہیں ہے یعنی ایسی چیزوں کو خارج نہیں کرتی جو طہارت نہیں ہیں جیسے مستحب غسل، وہ وضو جو حدث کو دور نہیں کرتا اور ان دونوں کے بدلے میں غسل اگر کے جواز کے قائل ہوں اور مزید یہ تعریف مانع اغیار نہیں ہے کیونکہ ان تینوں وضو، غسل اور تیمّم کے بعض حصوں کو شامل ہے ان میں نیت کے ساتھ پانی یا مٹی کا استعمال ہے حالانکہ اسے طہارت نہیں کہتے اور اگر کسی نے کپڑے وغیرہ کو نیت کر کے نجاست سے پاک کرنے نذر کی ہو تو اس کی نذر راجح ہونے کی وجہ سے صحیح ہے تو یہ بھی طہارت کی اس تعریف میں داخل ہو جائے گی، پھر بھی یہ تعریف بہترین تعریفوں میں سے ہے کیونکہ طہارت کی دیگر تعریفوں پہ اس سے بھی زیادہ اشکالات وارد ہوتے ہیں۔

طہور کی تعیین

(وَالطَّهُورُ) بِفَتْحِ الطَّاءِ (هُوَ الْمَاءُ وَالتُّرَابُ) (قَالَ اللَّهُ تَعَالَى) : { وَأَنْزَلْنَا مِنْ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا[1] } وَهُوَ دَلِيلُ طَهُورِيَّةِ الْمَاءِ .وَالْمُرَادُ بِالسَّمَاءِ هُنَا جِهَةُ الْعُلُوِّ، (وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ :جُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا) وَهُوَ دَلِيلُ طَهُورِيَّةِ التُّرَابِ، وَكَانَ الْأَوْلَى إبْدَالُهُ بِلَفْظِ " الْأَرْضِ" كَمَا يَقْتَضِيهِ الْخَبَرُ، خُصُوصًا عَلَى مَذْهَبِهِ مِنْ جَوَازِ التَّيَمُّمِ بِغَيْرِ التُّرَابِ مِنْ أَصْنَافِ الْأَرْضِ .

اور طہور سے مراد پانی اور مٹی ہے اور اللہ تعالی نے فرمایا ہے؛اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیاہے، یہ آیت پانی کے پاک کرنے والا ہونے کی دلیل ہے اور اس آیت میں آسمان سے مراد بلندی کی سمت ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرے لیے زمین کو سجدے کی جگہ اور پاک کرنے والی قرار دیا گیا ہے[2] اور یہ فرمان زمین کے پاک کرنے والا

---

[1]۔ انفال ۴۸۔

[2]۔ نبی اکرم ﷺ سے متواتر روایات میں یہ حدیث نقل ہوئی جیسا کہ امام علیؑ[بزار (۲۵۱/۲،ن۶۵۶)ہیثمی (۲۵۸/۸)]، ابوذر[طیالسی (ص ۶۴ن ۴۷۲) ، واحمد (۱۴۷/۵ ،ن ۲۱۳۵۲)، ہیثمی (۲۵۹/۸) اور کہا: رجالہ رجال الصحیح. (۳۷۱/۱۰) :رواہ البزار باسنادین حسنین. دارمی (۲۹۵/۲ ،ن۲۴۶۷) ،ابن حبان (۳۷۵/۱۴ ،ن ۶۴۶۲) حاکم (۴۶۰/۲ ،ن۳۵۸۷) اور کہا؛ صحیح علی شرط الشیخین]، جابر[اس کی روایت کو متن و منابع کے ساتھ یہاں ذکر کیا جائے گا]، ابن عباس[احمد (۳۰۱/۱،ن ۲۷۴۲)ہیثمی (۲۵۸/۸)اور کا: رجال احمد رجال الصحیح غیر یزید بن ابی زیاد، وہو حسن الحدیث. حکیم (۱۲۸/۳) عبد بن حمید (ص ۲۱۵،ن ۶۴۳) ،بزار سے کشف الأستار (۱۶۶/۴،ن ۳۴۶۰) ، طبرانی (۶۱/۱۱ ،ن ۱۱۰۴۷) .] ،ابو امامہ[احمد (۲۵۶/۵ ،ن ۲۲۲۶۳) ہیثمی (۲۵۹/۸)اور کہا: رجالہ ثقات. بیہقی (۲۱۲/۱ ،ن ۹۶۰)]، سائب بن یزید[طبرانی (۱۵۴/۷ ،ن ۶۶۷۴) ہیثمی (۲۵۹/۸)]،شعیب حکیم بن عمرو کا دادا[احمد (۲۲۲/۲ ،ن ۷۰۶۸). منذری (۲۳۳/۴)اور کہا: إسنادہ صحیح . ہیثمی (۳۶۷/۱۰)اور کہا: رجالہ ثقات] اور ابوہریرہ[السنن الماثورۃ شافعی (۲۴۲/۱،ن ۱۸۵) ، حمیدی (۴۲۱/۲ ،ن ۹۴۵) ، طبرانی،الأوسط (۲۶۹/۷ ،ن ۷۴۷۱)]اور ابی بن کعب[حکیم (۱۲۵/۳)] اسے روایت کرتے ہیں جابر کی روایت

ہونے کی دلیل ہے، شہید اول کی عبارت میں بہتر یہ تھا کہ مٹی کی جگہ زمین کو لایا جائے جیسا کہ روایت نبوی کا یہی تقاضا ہے خصوصا جبکہ خود شہید بھی مٹی کے علاوہ زمین کی دوسری اقسام پر تیمّم کو جائز سمجھتے ہیں۔

پانی کے احکام

فَالْمَاءُ بِقَوْلٍ مُطْلَقٍ (مُطَهِّرٌ مِنْ الْحَدَثِ)، وَهُوَ الْأَثَرُ الْحَاصِلُ لِلْمُكَلَّفِ وَشَبَهِهِ عِنْدَ عُرُوضِ أَحَدِ أَسْبَابِ الْوُضُوءِ، وَالْغُسْلُ، الْمَانِعِ مِنْ الصَّلَاةِ، الْمُتَوَقِّفِ رَفْعُهُ عَلَى النِّيَّةِ، (وَالْخُبْثُ) وَهُوَ النَّجَسُ- بِفَتْحِ الْجِيمِ- مَصْدَرُ قَوْلِكَ" نَجِسَ الشَّيْءُ" بِالْكَسْرِ يَنْجُسُ فَهُوَ نَجِسٌ بِالْكَسْرِ (وَيَنْجُسُ) الْمَاءُ مُطْلَقًا (بِالتَّغَيُّرِ بِالنَّجَاسَةِ) فِي أَحَدِ أَوْصَافِهِ الثَّلَاثَةِ:- اللَّوْنِ، وَالطَّعْمِ، وَالرِّيحِ - دُونَ غَيْرِهَا مِنْ الْأَوْصَافِ وَاحْتَرَزَ بِتَغَيُّرِهِ بِالنَّجَاسَةِ عَمَّا لَوْ تَغَيَّرَ بِالْمُتَنَجِّسِ خَاصَّةً، فَإِنَّهُ لَا

ملاحظہ ہو، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛ مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں ا۔ مجھے ایک ماہ کے فاصلے تک رعب کے ذریعے مدد کی گئی، ۲۔ میرے لیے زمین کو جائے سجدہ اور پاک قرار دی گئی، تو میری امت کے شخص کو نماز کا وقت حاصل ہو تو وہ نماز پڑھے، ۳۔ میرے لیے غنیمت کو حلال کیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھی، ۴۔ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا، ۵۔ پہلے زمانوں میں نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور مجھے تمام انسانیت کے لیے مبعوث کیا گیا؛إعطیت خمسًا لم یعطھن إحد من الأنبیاء قبلی نصرت بالرعب مسیرۃ شھر وجعلت لی الأرض مسجدًا وطھورًا فأیما رجل من إمتی إدرکتہ الصلاۃ فلیصل وإحلت لی الغنائم ولم تحل لأحد قبلی وإعطیت الشفاعۃ وکان النبی یبعث إلی قومہ خاصۃ وبعثت إلی الناس عامۃ ؛دارمی (۱/۳۷۴،ن۱۳۸۹)، عبد بن حمید (ص ۳۴۹،ن ۱۱۵۴) بخاری (۱/۱۲۸،ن ۳۲۸)، مسلم (۱/۳۷۰،ن۵۲۱)، نسائی (۱/۲۰۹،ن ۴۳۲) ،إبو عوانہ (۱/۳۳۰،ن ۱۱۷۳) ،ابن حبان (۱۴/۳۰۸،ن۶۳۹۸) . کافی ۲ ص ۱۴ ح۱، وسائل، ج۱ص۱۷ ح۱۸ ابوب مقدمہ عبادات باب۱،وح اباب ۷ إبواب التیمم، الفقیہ ۱ : ۱۵۵| ۷۲۴، الخصال : ۲۹۲ح ۵۶۔

يَنْجُسُ بِذَلِكَ، كَمَا لَوْ تَغَيَّرَ طَعْمُهُ بِالدِّبْسِ الْمُتَنَجِّسِ مِنْ غَيْرِ أَنْ تُؤَثِّرَ نَجَاسَتُهُ فِيهِ. وَالْمُعْتَبَرُ مِنَ التَّغَيُّرِ الْحِسِّيِّ لَا التَّقْدِيرِيِّ عَلَى الْأَقْوَى-

۱۔ پس مطلق پانی حدث سے پاک کرتا ہے اور حدث وہ اثر ہے جو بالغ اور غیر بالغ انسان کو ان اسباب کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے جن کی وجہ سے وضو یا غسل واجب ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے نماز وغیرہ ایسے کام نہیں کیے جاسکتے جن میں طہارت شرط ہے اور اس کا زائل ہونا نیت قربت کے ساتھ وضو و غسل یا تیمّم کرنے پر موقوف ہے اور مطلق پانی خبث سے بھی پاکی عطا کرتا ہے اور خبث وہ نجاست ظاہری ہے نَجَس نجس الشیء ینجس فھو نجس کا مصدر ہے۔

۲۔ اور پانی اپنی تمام قسموں کے ساتھ نجس ہو جاتا ہے جب نجاست کی وجہ سے اس کے تین اوصاف؛ رنگ، بو اور ذائقہ میں سے کوئی ایک بدل جائے لیکن دیگر اوصاف کے بدل جانے سے نجس نہیں ہوتا۔

اور اس کے نجاست سے تبدیل ہونے کو بیان کر کے اس صورت سے پرہیز کیا جب نجس شدہ چیز کی کوئی صفت پانی میں پیدا ہو جائے لیکن نجاست کا اثر نہ ہو تو اس وقت پانی اس تبدیلی سے نجس نہ ہوگا جیسے اگر اس کا ذائقہ نجس شدہ شیرے کی وجہ سے میٹھا ہو جائے لیکن اس کی نجاست اس پانی میں اثر نہ کرے اور تغیر و تبدیلی حسی معتبر ہے نہ تقدیری تبدیلی اس کو نجس کرے گی یہ قوی تر قول کی بناء پر ہے[1]۔

---

[1] حسی تبدیلی سے مراد فعلی تغیر ہے مشہور نے اس کے معتبر ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ روایات میں جو عنوان تغیر کہا گیا اس سے مراد دیگر عناوین کی طرح فعلی طور پر موجود ہونا ہے لیکن علامہ حلی اور محقق ثانی نے تغیر تقدیری کو کافی سمجھا کیونکہ اس میں تغیر حقیقی ہوتا ہے لیکن وہ کسی مانع کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ حدائق اص ۱۸۲ میں اسے نسبت دی کہ متاخرین نے اسی کا یقین کیا ہے [المنتہی ۱: ۸، القواعد ۱: ۴ حکایت کی المدارک ۱: ۲۹ و مفتاح الکرامۃ ۱: ٦۷ میں المختلف سے اور المقابس: ۵۷ میں کہا کہ یہ نسبت سہو ہے، الایضاح ۱: ١٦. جامع المقاصد ۱: ۱۱۸. الحدائق ۱: ۱۸۳ میں اس سے حکایت کی، الحبل المتین بہائی: ۱۰٦، اور مفتاح الکرامۃ ۱: ٦۷ میں مجمع الفوائد سے حکایت کی] اور روایات کے پانی کے نجس ہونے کے لیے معیار

نجس پانی کے پاک ہونے کا طریقہ

(وَيَطْهُرُ بِزَوَالِهِ) أَيْ زَوَالِ التَّغَيُّرِ وَلَوْ بِنَفْسِهِ أَوْ بِعِلَاجٍ (إِنْ كَانَ) الْمَاءُ (جَارِيًا) وَهُوَ النَّابِعُ مِنْ الْأَرْضِ مُطْلَقًا غَيْرَ الْبِئْرِ عَلَى الْمَشْهُورِ.وَاعْتَبَرَ الْمُصَنِّفُ فِي الدُّرُوسِ فِيهِ دَوَامَ نَبْعِهِ، وَجَعَلَهُ الْعَلَّامَةُ وَجَمَاعَةٌ كَغَيْرِهِ، فِي انْفِعَالِ بِمُجَرَّدِ الْمُلَاقَاةِ مَعَ قِلَّتِهِ، وَالدَّلِيلُ النَّقْلِيُّ يُعَضِّدُهُ، وَعَدَمُ طُهْرِهِ بِزَوَالِ التَّغَيُّرِ مُطْلَقًا، بَلْ بِمَا نَبَّهَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ : (أَوْ لَاقَى كُرًّا).وَالْمُرَادُ أَنَّ غَيْرَ الْجَارِي لَا بُدَّ فِي طُهْرِهِ مَعَ زَوَالِ التَّغَيُّرِ مِنْ مُلَاقَاتِهِ كُرًّا طَاهِرًا بَعْدَ زَوَالِ التَّغَيُّرِ، أَوْ مَعَهُ، وَإِنْ كَانَ إِطْلَاقُ الْعِبَارَةِ قَدْ يَتَنَاوَلُ مَا لَيْسَ بِمُرَادٍ وَهُوَ طُهْرُهُ مَعَ زَوَالِ التَّغَيُّرِ، وَمُلَاقَاتِهِ الْكُرَّ كَيْفَ اتَّفَقَ، وَكَذَا الْجَارِي عَلَى الْقَوْلِ الْآخَرِ .وَلَوْ تَغَيَّرَ بَعْضُ الْمَاءِ وَكَانَ الْبَاقِي كُرًّا طَهُرَ الْمُتَغَيِّرُ بِزَوَالِهِ أَيْضًا كَالْجَارِي عِنْدَهُ، وَيُمْكِنُ دُخُولُهُ فِي قَوْلِهِ " لَاقَى كُرًّا " لِصِدْقِ مُلَاقَاتِهِ لِلْبَاقِي وَنَبَّهَ بِقَوْلِهِ " لَاقَى كُرًّا " عَلَى أَنَّهُ لَا يَشْتَرِطُ فِي طُهْرِهِ بِهِ وُقُوعُهُ عَلَيْهِ دُفْعَةً كَمَا هُوَ الْمَشْهُورُ بَيْنَ الْمُتَأَخِّرِينَ، بَلْ تَكْفِي مُلَاقَاتُهُ لَهُ مُطْلَقًا، لِصَيْرُورَتِهِمَا بِالْمُلَاقَاةِ مَاءً وَاحِدًا، وَلِأَنَّ الدَّفْعَةَ لَا يَتَحَقَّقُ لَهَا مَعْنًى، لِتَعَذُّرِ الْحَقِيقِيَّةِ، وَعَدَمِ الدَّلِيلِ عَلَى الْعُرْفِيَّةِ، وَكَذَا لَا يُعْتَبَرُ

تغیر کو دیکھتے ہوئے تغیر حسی معتبر ہے کیونکہ جب اس میں تبدیلی ظاہر نہیں ہوئی تو شارع کے نزدیک اس کو نجس نہیں کہا جاسکتا ہے چونکہ اس نے نجس ہونے کے لیے تبدیلی کا عنوان قرار دیا ہے اور اگر یہ استبعاد کیا جائے جائے کہ اس میں نجاست زیادہ مقدار میں گرے تو کہا جائے گا کہ اگر سے تبدیلی حاصل ہو جائے تو نجس ہے۔

مُمَازَجَتُهُ لَهُ، بَلْ يَكْفِي مُطْلَقُ الْمُلَاقَاةِ لِأَنَّ مُمَازَجَةَ جَمِيعِ الْأَجْزَاءِ لَا تَتَّفِقُ، وَاعْتِبَارُ بَعْضِهَا دُونَ بَعْضٍ تَحَكُّمٌ، وَالِاتِّحَادُ مَعَ الْمُلَاقَاةِ حَاصِلٌ.

وَيَشْمَلُ إِطْلَاقَ الْمُلَاقَاةِ مَا لَوْ تَسَاوَى سَطْحَاهُمَا وَاخْتَلَفَ، مَعَ عُلُوِّ الْمُطَهِّرِ عَلَى النَّجِسِ وَعَدَمِهِ، وَالْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَرَى الِاجْتِزَاءَ بِالْإِطْلَاقِ فِي بَاقِي كُتُبِهِ، بَلْ يَعْتَبِرُ الدَّفْعَةَ، وَالْمُمَازَجَةَ، وَعُلُوَّ الْمُطَهِّرِ، أَوْ مُسَاوَاتَهُ، وَاعْتِبَارُ الْأَخِيرِ ظَاهِرٌ دُونَ الْأَوَّلَيْنِ إِلَّا مَعَ عَدَمِ صِدْقِ الْوَحْدَةِ عُرْفًا.

اور جب پانی کی تبدیلی زائل ہو جائے چاہے خود یا کسی مصنوعی طریقے سے تو وہ پاک ہو جاتا ہے اگر پانی جاری ہو[1] اور جاری پانی وہ ہے جو زمین سے ابلتا ہے بطور مطلق چاہے وہ جاری ہو یا نہ ہو اور وہ کنویں کا پانی بھی نہیں ہوتا، یہی مشہور ہے اور مصنف نے دروس میں جاری پانی کے پاک ہونے کے لیے اس کا ہمیشہ جاری ہونے کو معتبر سمجھا ہے اور علامہ حلی اور دوسری ایک جماعت نے اسے دوسرے پانیوں کی طرح قرار دیا ہے کہ اگر وہ قلیل ہو تو نجاست کے ملنے کے ساتھ ہی نجس ہو جائے گا اور دلیل نقل (روایت) بھی اسی بات کی تائید کرتی ہے[2]

[1]۔ جاری پانی کے تغیر کے زائل ہونے سے پاک ہونے کی دلیل ابن بزیع کی صحیح روایت میں وہ علت ہے جو اس نے امام رضاؑ سے نقل کی فرمایا؛ کنویں کا پانی واسع ہوتا ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی مگر اس کی بو یا ذائقہ تبدیل ہو جائے تو اس سے اتنا پانی نکالا جائے کہ اس سے بدبو ختم ہو جائے اور اس کا ذائقہ اچھا ہو جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اپنا منبع ہوتا ہے (وسائل ۱۳ ابواب ماء مطلق ح ۱۲)

[2]۔ علامہ حلی نے اکثر کتابوں میں اور شہید ثانی نے مسالک اور روض الجنان میں جاری پانی کے زوال تغیر سے پاک ہونے کے لیے اس کے کر ہونے کی شرط رکھی ہے اور اس کی دلیل وہ دی ہے کہ اگر وہ قلیل ہو گا تو جو روایات قلیل پانی کے نجس ملنے سے نجس ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ جاری قلیل کو بھی شامل ہیں جسے ابن مسلم کی صحیح روایت کہ امام صادقؑ نے فرمایا ؛جب پانی کر کی حد تک ہو تو اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی (وسائل ۹ ابواب ماء مطلق ح ۱) تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ قلیل ہو تو

اور اگر جاری پانی قلیل ہو تو وہ زوال تغیر سے پاک نہ ہو گا چاہے خود تبدیلی زائل ہو یا کسی طریقے سے بلکہ وہ پاک ہو جس کو مصنف نے ان لفظوں میں بیان کیا؛ یا وہ کر پانی سے ملے ،اور اسے جاری پانی کے زوال تغیر سے پاک ہونے پو عطف کرنے سے مراد یہ ہے کہ غیر جاری پانی کے پاک ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تغیر کے زائل ہونے کے بعد یا اس کے ساتھ پاک کر پانی سے بھی ملے اگرچہ ان کی عبارت کا وسیع مفہوم اس صورت کو بھی شامل ہو جاتا ہے جو مراد نہیں ہے وہ یہ کہ وہ تبدیلی کے ختم ہونے اور کر کے ملنے سے سے پاک ہو جائے وہ کرّاس سے جیسے بھی ملے [اگر کر تبدیلی کے زائل ہونے سے پہلے ملے اور بعد میں تبدیلی زائل ہو تو وہ پاک نہ ہو گا] اسی طرح جاری پانی دوسرے قول (علامہ حلی) کی بناء پر [کہ قلیل جاری پانی اگر تبدیلی سے پہلے کر سے ملے تو وہ بھی پاک نہ ہو گا]۔

اور اگر پانی کا کچھ حصہ تبدیل ہو اور اس کا باقی حصہ کر کی مقدار تک ہو تو تبدیلی کے زائل ہونے سے وہ نجس شدہ پانی پاک ہو جائے گا جیسے جاری ان (مصنف) کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے (جیسے جاری زوال تغیر سے پاک ہو جاتا تھا یہ پانی کر سے متصل ہونے سے پاک ہو جائے گا) اور اس پانی کا جس کا کچھ حصہ نجس ہوا اور باقی کر ہے ان کے اس قول میں داخل ہونا ممکن ہے؛ وہ کر سے ملے کیونکہ باقی پانی کی کر سے ملاقات ہو رہی ہے اور مصنف نے کر سے ملنے کو بیان کر کے بتادیا کہ اس کے کر سے پاک ہونے میں شرط نہیں کہ کر اس قلیل پانی پر یک دفعہ پڑے جیسا کہ متاخرین میں مشہور ہے بلکہ کر کا اس سے بطور مطلق ملنا کافی ہے (چاہے دفعۃ ہو یا نہ) کیونکہ دونوں مل کر ایک پانی بن جائیں گے اور اس لیے بھی کہ یک دفعہ کا دقیق معنی یہاں حاصل نہیں ہوتا کیونکہ دفعہ حقیقی تو متعذر ہے (کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کر پانی

نجاست ملتے ہی نجس ہو گا اور وہ جاری پانی کو بھی شامل ہے لیکن مشہور اور قوی تر نظریہ وہی ہے کہ جاری قلیل ہو تو وہ نجاست سے اوصاف کے نہ بدلنے سے نجس نہ گا کیونکہ اس کا اپنا منبع ہوتا ہے جیسے کہ ابن بزیع نے امام رضا سے نقل کیا ہے۔

کے تمام اجزاء ایک دفعہ قلیل پانی کے تمام اجزاء سے مل جائیں) اور دفعہ عرفی کے معتبر ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے (کیونکہ کسی روایت میں لفظ دفعہ موجود نہیں ہے بلکہ دو پانیوں کا ملکر ایک ہوجانا کافی ہے) اور اسی طرح یہ بھی معتبر نہیں کہ کر اس قلیل سے مکمل طور پر گھل مل جائے بلکہ ان دونوں کا ملنا کافی ہے کیونکہ تمام اجزاء کا ایکدوسرے سے ملنا حاصل نہیں ہوسکتا اور بعض اجزاء کے دوسرے بعض سے ملنے کو معتبر قرار دینا بلادلیل ہے اور دو پانیوں کے ملنے سے ملاقات کا معنی تو حاصل ہوجاتا ہے۔

اور دو پانیوں کے ملنے کا وسیع مفہوم اس صورت کو شامل ہے جب دونوں کی سطح برابر ہو یا مختلف ہو اور پاک پانی (کرّ) نجس پانی سے بلند ہو یا نہ، حالانکہ مصنف نے دوسری کتابوں میں اس وسیع مفہوم کو کافی نہیں سمجھا بلکہ ان میں ایک دفعہ، تمام اجزاء کا گھل مل جانا، کر پانی کا بلند یا مساوی ہونا معتبر قرار دیا ہے، آخری چیز کا معتبر ہونا تو ظاہر ہے لیکن پہلی دو باتیں معتبر نہیں ہیں مگر اس وقت جب عرف کے لحاظ سے دو کامل کر ایک ہوجانا ایک دفعہ اور تمام اجزاء کے ملنے پر موقوف ہو[1]۔

کرّ پانی کی مقدار

(وَالْكُرُّ) الْمُعْتَبَرُ فِي الطَّهَارَةِ وَعَدَمِ الِانْفِعَالِ بِالْمُلَاقَاةِ هُوَ : (أَلْفٌ وَمِائَتَا رِطْلٍ) بِكَسْرِ الرَّاءِ عَلَى الْأَفْصَحِ، وَفَتْحِهَا عَلَى قِلَّةٍ (بِالْعِرَاقِيِّ)، وَقَدْرُهُ مِائَةٌ وَثَلَاثُونَ دِرْهَمًا عَلَى الْمَشْهُورِ فِيهِمَا، وَبِالْمِسَاحَةِ مَا بَلَغَ مُكَسَّرُهُ اثْنَيْنِ

---

[1]۔ جب دو پانیوں کا باہم ملنا نجس کے پاک ہونے کے لیے کافی ہے تو اس سے ایک کے اوپر نیچے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ اس کو شرط قرار دیا جاسکتا ہے مگر یہ کہ عرفا دونوں کا ایک ہونا اس پر موقوف ہو تو شارع کا آخری کو علیحدہ طور پر معتبر فرار دینا صحیح نہیں ہے۔

وَأَرْبَعِينَ شِبْراً وَسَبْعَةَ أَثْمَانِ شِبْرٍ مُسْتَوِ الْخِلْقَةِ عَلَى الْمَشْهُورِ، وَالْمُخْتَارُ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ، وَفِي الاكْتِفَاءِ بِسَبْعَةٍ وَعِشْرِينَ قَوْلٌ قَوِيٌّ .

وہ کر پانی جو پاک ہونے کے لیے اور نجاست کے ملنے سے نجس ہونے کے لیے معتبر ہے وہ وزن کے اعتبار سے ۱۲۰۰ رطل عراقی ہے رطل کو فصیح تر لغت میں راء کی کسرہ سے اور قلیل لغت کی بناء پر راء کی فتحہ کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں اور رطل عراقی کی مقدار میں مشہور قول یہ ہے کہ وہ ۱۳۰ درہم کے برابر ہوتا ہے اور کر کی مساحت کے مطابق مقدار وہ ہے جس کی حاصل ضرب ۴۲ بالشت اور ایک بالشت کے آٹھ میں سے ساتویں حصے تک ہو اور بالشت وہ معتدل خلقت والے شخص کے مراد ہیں یہ مشہور قول ہے اور مصنف نے اسے اختیار کیا ہے اور ۲۷ بالشت کے کافی ہونے کا قوی قول موجود ہے۔

قلیل و کنویں کے پانی کا حکم

(وَيَنْجُسُ) الْمَاءُ (الْقَلِيلُ) وَهُوَ مَا دُونَ الْكُرِّ، (وَالْبِئْرُ) وَهُوَ مَجْمَعُ مَاءٍ نَابِعٍ مِنْ الْأَرْضِ لَا يَتَعَدَّاهَا غَالِبًا، وَلَا يَخْرُجُ عَنْ مُسَمَّاهَا عُرْفًا (بِالْمُلَاقَاةِ) عَلَى الْمَشْهُورِ فِيهِمَا، بَلْ كَادَ يَكُونُ إِجْمَاعًا، (وَيَطْهُرُ الْقَلِيلُ بِمَا ذُكِرَ) وَهُوَ مُلَاقَاتُهُ الْكُرَّ عَلَى الْوَجْهِ السَّابِقِ.وَكَذَا يَطْهُرُ بِمُلَاقَاةِ الْجَارِي مُسَاوِيًا لَهُ أَوْ عَالِيًا عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كُرًّا عِنْدَ الْمُصَنِّفِ وَمَنْ يَقُولُ بِمَقَالَتِهِ فِيهِ، وَبِوُقُوعِ الْغَيْثِ عَلَيْهِ إِجْمَاعًا .

قلیل پانی وہ پانی جو کر کی مقدار سے کم ہو اور کنوین کا پانی وہ جو پانی جو زمین سے ابلتا ہو لیکن غالبا اس سے تجاوز نہ کرتا ہو (جاری نہ ہوتا ہو) اور عرفا کنویں کے عنوان سے خارج نہ ہوتا ہو، یہ دونوں پانی مشہور قول کی بناء پر نجاست کے ملنے سے نجس ہو جاتے ہیں بلکہ شاید یہ

اجماع ہو[1]، اور قلیل پانی سابقہ ذکر شدہ طریقے سے پاک ہوتا ہے اور وہ اس کا سابقہ طریقے سے کر سے ملنا ہے اور اسی طرح جاری پانی سے ملنے سے بھی پاک ہو جاتا ہے جو اس کے

---

[1]۔قلیل پانی کا نجاست کی ملاقات سے نجس ہونا معتبر دلیلوں سے ثابت ہے جیسے ابن مسلم کی صحیح روایت کہ امام صادقؑ نے فرمایا؛ جب پانی کر کی حد تک ہو تو اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی (وسائل ۹ ابواب ماء مطلق ح۱) تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ قلیل ہو تو نجاست ملتے ہی نجس ہوگا، لیکن کنویں کے پانی کے نجاست کی ملاقات سے نجس ہونے کا مسئلہ اختلافی ہے مشہور قدماء اس کے نجس ہونے کے قائل تھے اور ان کی دلیلیں وہ کثیر روایات ہیں جن میں کنویں سے پانی کی مختلف مقداریں نکالنے کا حکم دیا گیا جب اس میں مختلف نجاستیں گریں، لیکن دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ جب تک نجاست گرنے سے اس کے اوصاف ثلاثہ میں تبدیلی نہ ہو وہ نجس نہ ہوگا اسے ابن ابی عقیل، حسین بن عضائری، علامہ حلی، اور ان کے استاد مفید الدین بن جہم، اور علامہ حلی کے فرزند فخر المحققین نے اختیار کیا اور مشہور متاخرین نے اسی کی تائید کی اور اس کی دلیل وہ معتبر روایات ہیں جو اس مطلب پر صریح دلالت کرتی ہیں؛ ابن بزیع کی صحیح روایت جو اس نے امام رضاؑ سے نقل کی فرمایا؛ کنویں کا پانی واسع ہوتا ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی مگر اس کی بو یا ذائقہ تبدیل ہو جائے تو اس سے اتنا پانی نکالا جائے کہ اس سے بدبو ختم ہو جائے اور اس کا ذائقہ اچھا ہو جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اپنا منبع ہوتا ہے (وسائل ۱۳ ابواب ماء مطلق ح ۱۲) اور صحیح معاویہ بن عمار میں ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے سنا فرمایا؛ نہ کپڑا دھویا جائے اور نہ نماز دوبارہ پڑھی جائے اس سے جو نجاست کنویں میں گری ہو (اور وہ پانی کپڑے یا بدن پر لگا ہو) مگر یہ کہ اس میں بدبو پیدا ہو جائے تو کپڑا دھویا جائے اور نماز دوبارہ پڑھی جائے اور کنویں سے پانی بھی نکالا جائے۔ اس بناء پر کہ کنویں کے پانی کا اپنا منبع ہوتا ہے اسے قلیل پانی کی طرح قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ مشہور متقدمین کا نظریہ صحیح ہے جسے شہید ثانی نے یہاں اختیار کیا ہے اور اس پر اجماع کا عندیہ دیا ہے بھلا جب معتبر روایات میں اس کے نجس نہ ہونے کی تصریح ہے تو ان روایات کا راہ حل دیکھا جائے جن میں مختلف مقداریں نکالنے کا حکم دیا گیا تو اسے سے مراد استحبابی حکم لیا ہے اس میں مشہور متاخرین تو یہی کہتے ہیں کہ ان مقداروں کا نکالنا مستحب ہے لیکن علامہ حلی نے منتہی میں ان مقداروں کو نکالنا تعبداً واجب قرار دیا ہے اگرچہ پانی پاک ہی رہے گا اور ایک قول یہ ہے کہ کنویں کا پانی اگر کر کی مقدار تک ہو تو وہ پاک ہوگا ورنہ نجاست کے ملنے سے نجس ہو جائے گا اسے متقدمین میں سے محمد بن محمد بصری نے اختیار کیا اور موثق عمار کو دلیل بنایا کہ امام صادقؑ سے کنویں کے پانی کے بارے پوچھا گیا جس میں خشک یا گیلے گند کی پوٹلی گر جائے فرمایا؛ نہ اس میں کوئی حرج نہیں جب اس میں آب کثیر موجود ہو (وسائل ۱۴ ۱۱ ابواب ماء مطلق ح۱۵) لیکن چونکہ لفظ کثیر کے لیے کوئی شرعی اصطلاح ثابت نہیں اس لیے اس سے مراد کر لینا صحیح نہیں، لیکن متاخرین سے بھی متاخرین علماء و فقہاء کا کہنا ہے کہ نجاست کے ملنے سے کنویں کا پانی نجس نہ ہوگا اور جو اس سے پانی نکالنے کا حکم دیا گیا وہ ارشادی حکم ہے یعنی وہ اس کراہت طبیعت کو دور کرنے کے لیے ہے جو نجاست گرنے سے حاصل ہوتی ہے اس سے وجوب یا استحباب بھی ڈول نکالنے کا ثابت نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ڈول نکالنے کی مقداروں میں شدت سے اختلاف پایا جاتا ہے

مساوی یا بلند سطح پر ہو اگرچہ مصنف اور اس شخص کے نزدیک جو ان کے نظریئے کا قائل ہے، کر کی مقدار تک نہ ہو[1] اور اسی طرح اس پر بارش برسنے سے بھی پاک ہو جاتا ہے اس میں تمام علماء کا اتفاق ہے[2]۔

کنویں کے مطہرات

(وَ) يَطْهُرُ (الْبِئْرُ) بِمُطَهِّرٍ غَيْرِهِ مُطْلَقًا، (وَبِنَزْحِ جَمِيعِهِ لِلْبَعِيرِ) وَهُوَ مِنْ الْإِبِلِ بِمَنْزِلَةِ الْإِنْسَانِ يَشْمَلُ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى، الصَّغِيرَ وَالْكَبِيرَ.وَالْمُرَادُ مِنْ نَجَاسَتِهِ الْمُسْتَنِدَةِ إلَى مَوْتِهِ، (وَ) كَذَا (الثَّوْرُ) قِيلَ : هُوَ ذَكَرُ الْبَقَرِ، وَالْأَوْلَى اعْتِبَارُ إطْلَاقِ اسْمِهِ عُرْفًا مَعَ ذَلِكَ،(وَالْخَمْرُ) قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ،(وَالْمُسْكِرُ الْمَائِعُ) بِالْأَصَالَةِ، (وَدَمُ الْحَدَثِ) وَهُوَ الدِّمَاءُ الثَّلَاثَةُ عَلَى الْمَشْهُورِ(وَالْفُقَاعُ) بِضَمِّ الْفَاءِ، وَأَلْحَقَ بِهِ الْمُصَنِّفُ فِي الذِّكْرَى عَصِيرَ الْعِنَبِ بَعْدَ اشْتِدَادِهِ بِالْغَلَيَانِ قَبْلَ

،اور اسی وجہ سے توضیح المسائل اور جدید کتب فتاوی میں فقہاء نے اس بحث کو سرے سے حذف کر دیا ہے اور اس سے شرح لمعہ کی یہ بحث اور اس جیسی دیگر کئی طویل ابحاث جو دور حاضر میں مبتلا بہ نہیں ہیں ان کے متعلق رائے قائم کی جاسکتی ہے جیسے بیع حیوان میں غلاموں اور کنیزوں کی کی خرید و فروخت کی بحثیں، [کتاب المتاجر فصل سوم و مسائل میں سے ۳و۴و۶و۷ کتاب نکاح فصل ۵ و کتاب عتق و کتاب تدبیر و مکاتبہ و استیلاد، کتاب القصاص، شرط اول قصاص وغیرہ، اور ان کی بجائے احکام کی ادلہ شرعیہ اور جدید مسائل کی بحثوں کو شامل کیا جائے اور اس کتاب کے نظریات کو زندہ مجتہدین محققین کے نظریات کے ساتھ مقایسہ کیا جائے]۔

[1]۔اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ جاری پانی کا حکم قلیل کے حکم سے مختلف ہے جب قلیل پانی اس سے ملے گا تو وہ جاری کے حکم میں ہو جائے گا اور جاری پانی جب تک اس کے اوصاف ثلاثہ نہ بدلیں وہ پاک ہوتا ہے۔

[2]۔ بارش پانی کا حکم برستے وقت جاری پانی کی طرح ہے اور اس پر روایات بھی دلالت کرتی ہیں جیسے صحیح ہشام بن سالم میں ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے مکان کی اس چھت کے بارے میں سوال کیا جس پر پیشاب کیا جاتا ہے اس پر بارش برستی ہے جس کی وجہ سے وہاں کچھ پانی جمع ہو جاتا ہے پھر وہ کپڑے کو لگ جاتا ہے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا؛ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ پانی پیشاب سے زیادہ ہے (وسائل باب ۶ ابواب ماء مطلق ح۱)۔

ذَهَابِ ثُلُثَيْهِ،وَهُوَ بَعِيدٌ.وَلَمْ يَذْكُرْ هُنَا الْمَنِيَّ مِمَّا لَهُ نَفْسٌ سَائِلَةٌ، وَالْمَشْهُورُ فِيهِ ذَلِكَ،وَبِهِ قَطَعَ الْمُصَنِّفُ فِي الْمُخْتَصَرَيْنِ، وَنَسَبَهُ فِي الذِّكْرَى إِلَى الْمَشْهُورِ، مُعْتَرِفًا فِيهِ بِعَدَمِ النَّصِّ .وَلَعَلَّهُ السَّبَبُ فِي تَرْكِهِ هُنَا، لَكِنَّ دَمَ الْحَدَثِ كَذَلِكَ، فَلَا وَجْهَ لِإِفْرَادِهِ، وَإِيجَابِ الْجَمِيعِ لِمَا لَا نَصَّ فِيهِ يَشْمَلُهُمَا.وَالظَّاهِرُ هُنَا حَصْرُ الْمَنْصُوصِ بِالْخُصُوصِ .

اور کنویں کا پانی (اس بناء پر کہ وہ نجاست ملنے سے نجس ہو جائے تو) دیگر پانیوں کو پاک کرنے والے طریقوں سے بطور مطلق پاک ہو جاتا ہے[1] اور پاک ہو جاتا ہے جب اس سے (درج ذیل مقداریں نکالی جائیں:)

تمام پانی کا نکالنا:

(درج ذیل نجاستوں کے کنویں میں گرنے سے اس کا تمام پانی نکالنا چاہیے:)

۱۔اونٹ کے لیے[2] اور بعیر اونٹوں میں انسان کے لفظ کی طرح ہے کہ وہ مذکر و مونث اور چھوٹے بڑے سب پر بولا جاتا ہے اور اس کی نجاست سے مراد اس کا کنویں میں مرنا ہے۔

---

[1]۔غیرہ سے مراد قلیل پانی ہے اور اس کو پاک کرنے والی چیزیں جاری پانی کا ملنا یا اس پر کر کا ملنا اور بارش کے پانی کا ملنا ہے اور بطور مطلق سے مراد ان سب کے ملنے سے پاک ہونا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں محقق کا قول ہے کہ کنویں کا پانی صرف اس سے معین مقدار نکالنے سے پاک ہوتا ہے اور علامہ نے منتہی میں کہا کہ وہ فقط جاری پانی ملنے سے پاک ہوگا اور شہید نے دروس میں کہا صرف جاری اور کر ملنے سے پاک ہوگا۔

[2]۔اس پر صحیح حلبی دلالت کرتی ہے ؛امام صادقؑ نے فرمایا؛اگر اس میں اونٹ گر جائے یا اس میں شراب گر جائے تو اس کا پانی نکال دیا جائے (وسائل باب ۱۵ابواب ماء مطلق ح٦) اور اس کے مقابلے میں عمرو بن سعید کی روایت ہے جس میں ایک کر نکالنے کا حکم ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے تو اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

۲۔اسی طرح گائے بیل ہے[1]، اور ایک قول ہے کہ اس سے مذکر بیل مراد ہے، اور بہتر ہے کہ اس کے مذکر ہونے کے ساتھ اس کے نام صدق کرنے کو معتبر سمجھا جائے (یعنی چھوٹے بچھڑے اور مادہ گائے کے لیے بھی بیل کا حکم نہیں ہوگا)۔

۳۔شراب کے لیے چاہے اس کی کم مقدار گرے یا زیادہ[2]۔

۴۔اور اس نشہ آور چیز کے لیے جو اصل میں مائع ہو[3]۔

۵۔مشہور قول کی بناء پر ناپاکی کا خون اور وہ عورتوں کے مخصوص تین قسم کے خون ہیں[4]۔

۶۔فقاع (جو کی شراب) کے لیے[5] اور اس کے ساتھ مصنف نے ذکری میں ملحق کیا انگور کے اس شیرے کو جو جوش کھا جائے اور اس کا ابھی تک دو تہائی حصہ نہ اڑا ہو اور یہ بات بعید ہے (چونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے)۔

---

[1]۔اس پر صحیح ابن سنان دلالت کرتی ہے؛ اگر اس میں بیل مر جائے یا شراب گر جائے تو تمام پانی نکالا جائے لیکن اس میں ابن ادریس نے مخالفت کی اور بیل کے لیے ایک کر نکالنے کو کافی قرار دیا (وسائل باب ۱۵ ابواب ماء مطلق ح۱)۔

[2]۔اس پر بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں جیسے سابقہ صحیح حلبی، صحیح ابن سنان، اور صحیح معاویہ بن عمار از امام صادقؑ: کنویں میں بچہ پیشاب کرے یا اس میں پیشاب یا شراب گرے تو اس کا تمام پانی نکالا جائے (وسائل باب ۱۵ ابواب ماء مطلق ح۴)

[3]۔امام کاظمؑ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ جس کا اثر اور نتیجہ شراب کی طرح ہو وہ شراب ہے (وسائل ب۱۹ ابواب اشربہ محرمہ، ح۱) لیکن اس میں محقق حلی نے معتبر میں اشکال کیا کہ یہ استعمال حقیقت و مجاز سے عام تر ہے اسے حقیقت میں شراب نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس پر شراب والا حکم ثابت کیا جاسکتا ہے اور پھر اس روایت کی سند بھی ضعیف ہے۔

[4]۔یہ شیخ طوسی اور ان کے پیروان کا قول ہے لیکن ایک جماعت نے اعتراف کیا ہے کہ اس کی کوئی خصوصی دلیل نہیں ہے اور سید مدارک وغیرہ جو دلیل میں شدت کے قائل ہیں انہوں نے انہیں دیگر خونوں کی طرح قرار دیا ہے

[5]۔اس کے شیخ اور ان کے پیروان نے تمام پانی کا نکالنا قرار دیا کہ وہ شراب ہے جیسا کہ وشاء نے امام رضاؑ سے نقل کیا ہے کہ میں نے آپ سے فقاع کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب میں لکھا؛ یہ حرام ہے اور شراب (وسائل ب۷ ۱۲ ابواب اشربہ محرّمہ، ح۸) اور دیگر روایات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں جن میں اسے شراب مجہول اور ایسی شراب قرار دیا ہے جسے لوگوں نے کم سمجھا ہے۔

۷۔ اور مصنف نے یہاں خون جہندہ رکھنے والے حیوان کی منی کو ذکر نہیں کیا حالانکہ اس میں مشہور یہی ہے کہ اس کے کنویں میں گرنے سے اس کا تمام پانی نکالا جائے اور اپنی دو مختصر کتابوں (بیان و دروس) میں مصنف نے اسی کا یقین کیا ہے اور ذکری میں اسے مشہور کی طرف نسبت دی ہے لیکن یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ اس میں مجھے خصوصی روایت نہیں ملی اور شاید اسی وجہ سے اسے یہاں چھوڑ دیا ہو لیکن عورتوں کے مخصوص خون بھی اس طرح تھے ان میں نص نہیں ہے تو پھر صرف اسے ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور جن نجاستوں کے کوئی نص موجود نہ ہو ان کے کنویں کے تمام پانی کو نکالنا واجب قرار دینا ان دونوں (منی اور عورتوں کے خون) کو شامل ہے۔ حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ مصنف صرف ان موارد کو ذکر کرنا چاہتے تھے جن کے بارے میں خصوصی نص آئی ہے (اس لیے منی کو چھوڑ دیا)۔

کر پانی کا نکالنا

(وَنَزْحُ كُرٍّ لِلدَّابَّةِ) وَهِيَ الْفَرَسُ، (وَالْحِمَارِ وَالْبَقَرَةِ)، وَزَادَ فِي كُتُبِهِ الثَّلَاثَةِ الْبَغْلَ، وَالْمُرَادُ مِنْ نَجَاسَتِهَا الْمُسْتَنَدَةِ إلَى مَوْتِهَا، هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ وَالْمَنْصُوصُ مِنْهَا مَعَ ضَعْفِ طَرِيقِهِ " الْحِمَارِ وَالْبَغْلِ "، وَغَايَتُهُ أَنْ يُجْبَرَ ضَعْفُهُ بِعَمَلِ الْأَصْحَابِ، فَيَبْقَى إلْحَاقُ الدَّابَّةِ وَالْبَقَرَةِ بِمَا لَا نَصَّ فِيهِ أَوْلَى .

(ان موارد میں کر پانی نکالنا ہے)

۱۔ گھوڑے کے لیے[۱]۔ ۲۔ گدھے کے لیے۔

---

[۱]۔ صحیح روایت جو امام باقرؑ و صادقؑ سے منقول ہے کہ کنویں میں گھوڑا، چوہا، کتا و خنزیر اور پرندہ گرکر مر جائے تو اسے نکالا جائے پھر کنویں سے کچھ ڈول بھی نکالے جائیں پھر اس سے پی بھی سکتے ہین اور وضو بھی کر سکتے ہیں (وسائل ب ۱۷ ابواب ماء مطلق ح ۵) لیکن مشہور علماء نے اس معتبر روایت پر عمل نہیں کیا بلکہ محقق نے معتبر میں گھوڑے کو ان چیزوں کے ساتھ شامل کیا جن میں کوئی نص نہیں ہے اور تعجب شہید ثانی سے ہے کہ ایک ضعیف روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو گدھے

۳۔ گائے کے لیے، اور مصنف نے اپنی تین کتابوں میں خچر کو بھی ان میں اضافہ کیا اور ان کی نجاست سے مراد ان کا کنویں میں مرنا ہے اور یہ مشہور ہے اور ان میں سے جن کے بارے میں نص اور خصوصی روایت آئی ہے اگرچہ اس کی سند بھی ضعیف ہے وہ گدھا اور خچر ہے[1] اور زیادہ سے زیادہ اسے جبران کیا جاسکتا ہے کہ اس پر علماء نے عمل کیا ہے تو گھوڑے اور گائے کو ان چیزوں کے ساتھ ملحق کرنا بہتر ہوگا جن میں کوئی نص نہیں ہے۔

ستر ڈول نکالنے کے موارد

(وَنَزْحُ سَبْعِينَ دَلْوًا مُعْتَادَةً) عَلَى تِلْكَ الْبِئْرِ، فَإِنْ اخْتَلَفَتْ فَالْأَغْلَبُ (لِلْإِنْسَانِ) أَيْ لِنَجَاسَتِهِ الْمُسْتَنِدَةِ إلَى مَوْتِهِ، سَوَاءٌ فِي ذَلِكَ الذَّكَرُ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ، وَالْمُسْلِمُ وَالْكَافِرُ، إنْ لَمْ نُوجِبْ الْجَمِيعَ لِمَا لَا نَصَّ فِيهِ، وَإِلَّا اخْتَصَّ بِالْمُسْلِمِ۔

اور اس کنویں پر استعمال ہونے والے عادی ستر ڈول نکالے جائیں اور اگر اس پر مختلف قسم کے ڈول استعمال ہوتے ہوں تو وہ ستر ڈول نکالیں جو اکثر استعمال ہوتے ہیں یہ اس میں انسان[2] کے

اور خچر کے بارے میں ہے اور علماء کے اس کے مطابق فتوی دینے سے اس کا جبران بھی کرلیتے ہیں اور گھوڑے کے بارے میں معتبر روایت کو اصلاً ذکر نہیں کرتے۔

[1]۔ یہ عمرو بن سعید بن ہلال کی روایت ہے کہ میں نے امام باقرؑ سے سوال کیا اگر کنویں میں چوہے و بلی سے بھیڑ بکری کی جسامت کے درمیان کا کوئی جانور گرجائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا؛ ان سب کے لیے سات ڈول نکالے راوی کا بیان ہے کہ میں اس طرح شمار کرتا رہا اور گدھے اور اونٹ تک پہنچا؟ فرمایا؛ ان کے لیے پانی کا ایک کر نکالا جائے پھر فرمایا؛ کنویں میں گرنے سے سب سے چھوٹی چیز چڑیا ہے جس کے لیے صرف ایک ڈول کھینچا جائے (وسائل، ب۱۵ ح۵ ابواب ماء مطلق) لیکن اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ یہ ابن ہلال مجہول الحال ہے۔

[2]۔ انسان کے بارے میں معتبر روایت دلالت کرتی ہے جسے شیخ طوسی نے نقل کیا: عن المفید، عن جعفر بن محمد بن قولویہ، عن ابیہ، عن سعد بن عبداللہ، عن احمد بن الحسن بن علی بن فضال، وعمرو بن عثمان، عن عمرو بن سعید المدائنی، عن مصدق بن صدقۃ، عن عمار الساباطی، قال: سئل ابو عبداللہ (علیہ السلام) عن رجل ذبح طیرا فوقع بدمہ فی البئر، فقال: ینزح منہا

مر جانے کی نجاست کے لیے ہیں چاہے وہ مرد ہو یا عورت اور بڑا ہو یا چھوٹا اور مسلمان ہو یا کافر اگر ہم اس کے لیے کہ جس میں کوئی نص نہ ہو تمام پانی نکالنے کو واجب قرار نہ دیں ورنہ یہ حکم مسلمان کے کنویں میں مرنے کے ساتھ خاص ہوگا (اور کافر لا نصّ فیہ میں جائے گا)۔

پچاس ڈول نکالنے کے موارد

(وَخَمْسِينَ) دَلْوًا (لِلدَّمِ الْكَثِيرِ) فِي نَفْسِهِ عَادَةً كَدَمِ الشَّاةِ الْمَذْبُوحَةِ، غَيْرَ الدِّمَاءِ الثَّلَاثَةِ لِمَا تَقَدَّمَ.وَفِي إلْحَاقِ دَمِ نَجَسِ الْعَيْنِ بِهَا وَجْهٌ مُخْرَجٌ، (وَالْعَذِرَةُ الرَّطْبَةُ) وَهِيَ فَضْلَةُ الْإِنْسَانِ، وَالْمَرْوِيُّ اعْتِبَارُ ذَوَبَانِهَا، وَهُوَ تَفْرِيقُ أَجْزَائِهَا، وَشُيُوعِهَا فِي الْمَاءِ، أَمَّا الرُّطُوبَةُ فَلَا نَصَّ عَلَى اعْتِبَارِهَا، لَكِنْ ذَكَرَهَا الشَّيْخُ وَتَبِعَهُ الْمُصَنِّفُ وَجَمَاعَةٌ، وَاكْتَفَى فِي الدُّرُوسِ بِكُلٍّ مِنْهُمَا، وَكَذَلِكَ تَعَيُّنُ الْخَمْسِينَ، وَالْمَرْوِيُّ أَرْبَعُونَ، أَوْ خَمْسُونَ، وَهُوَ يَقْتَضِي التَّخْيِيرَ .وَإِنْ كَانَ اعْتِبَارُ الْأَكْثَرِ أَحْوَطَ، أَوْ أَفْضَلَ-

(درج ذیل چیزوں کے لیے پچاس ڈول نکالے جائیں)

دلاء، ہذا إذا کان ذکیا فہو ہکذا، وما سوی ذلک ممّا یقع فی بئر الماء فیموت فیہ فاکثرہ الإنسان ینزح منہا سبعون دلوا، وإقلہ العصفور ینزح منہا دلو واحد، وما سوی ذلک فی ما بین ہذین. عمار ساباطی کا بیان ہے کہ امام صادقؑ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا وہ پرندہ ذبح کر رہا تھا کہ وہ پرندہ اپنے خون میں لتھڑا ہوا کنویں میں گر گیا؟ فرمایا؛ چند ڈول نکالے جائیں اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ پرندہ ذبح ہو چکا ہو اس کے علاوہ اگر کوئی جاندار کنویں میں گر کر مر جائے تو سب سے زیادہ ڈول انسان کے لیے کھینچے جائیں جو کہ ستر ہیں اور سب سے کم چڑیا کے لیے جو صرف ایک ڈول ہے ان دو کے علاوہ جتنے حیوان ہیں وہ ان کے درمیان ہیں (التہذیب ۱: ۲۳۴|۶۷۸ وسائل، باب ۲۱ ابواب ماء مطلق ح ۲) اور محقق حلی نے معتبر میں کہا اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور فقہاء کا فتوی اور عمل بھی اس کے مطابق ہے۔

۱۔ وہ خون جو عادۃ بہت زیادہ ہو[1] جیسے ذبح شدہ بکری کا خون اور وہ خون عورتوں کے تین خونوں میں سے نہ ہو کہ اس کے بارے میں تمام پانی نکالنے کا حکم گزر چکا ہے اور نجس العین کے خون کو عورتوں کے خون کے ساتھ ملحق کرنے کی ایک وجہ نکالی جاسکتی ہے (کیونکہ ان کی نجاست شدید ہے اور اسے کسی حال میں نماز میں معاف نہیں کیا)۔

۲۔ انسان کے گیلے پاخانے کے کنویں میں گرنے کے لیے[2] اور روایت میں اس کے اجزاء کا پانی میں پھیل جانا منقول ہے اور اس کے گیلے ہونے کے معتبر ہونے پر کوئی معتبر کوئی نص نہیں ہے لیکن شیخ طوسی نے اسے ذکر کیا اور مصنف اور ایک جماعت نے ان کی پیروی کی اور مصنف نے دروس میں ان دونوں میں سے ہر ایک پر اکتفاء کیا ہے اور اسی طرح پچاس ڈول کے بارے میں بھی روایت نہیں ہے منقول تو چالیس یا پچاس ڈول ہیں اور اس سے اختیار سمجھا جاتا ہے جنہیں بھی نکالیں کافی ہوا اگرچہ زیادہ ڈول نکالنا احتیاط کے زیادہ مناسب یا افضل ہے۔

---

[1]۔ شیخ طوسی اور ان کے پیروان اسے لانص فیہ میں شامل کرتے ہیں اور صدوق و ان کے والد، محقق حلی در کتاب معتبر، علامہ حلی در مختلف اور شہید اول ذکری میں اسے تیس سے چالیس تک ڈول نکالنے میں شامل کرتے ہیں اور صحیح علی بن جعفر امام کاظمؑ سے دلیل دی اس شخص کے بارے میں جس نے بکری ذبح کی وہ کنویں کے پانی میں گر گئی اور اس کی رگوں سے خون جاری تھا کیا اس کنویں سے وضو کیا جائے ؟ فرمایا اس سے تیس سے چالیس کے دریمان ڈول نکالے جائیں (وسائل ۲۱ح ۱۱ابواب ماء مطلق)

[2]۔ ابو بصیر کا بیان ہے کہ امام صادقؑ سے پاخانہ کنویں میں گرنے کے بارے میں سوال کیا فرمایا؛ دس ڈول نکالے جائیں اور اگر پگھل جائے تو پھر تیس یا چالیس ڈول نکالیں (وسائل ب ۲۰ ابواب ماء مطلق ح ۱ اثر التہذیب ۱: ۲۴۴|۷۰۲ والاستبصار ۱: ۴۱|۱۱۶.)

چالیس ڈول نکالنے کے موارد

(وَأَرْبَعِينَ) دَلْواً (لِلثَّعْلَبِ وَالْأَرْنَبِ وَالشَّاةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْكَلْبِ وَالْهِرِّ وَشِبْهِهِ ذَلِكَ) وَالْمُرَادُ مِنْ نَجَاسَتِهِ الْمُسْتَنِدَةُ إِلَى مَوْتِهِ كَمَا مَرَّ، وَالْمُسْتَنَدُ ضَعِيفٌ، وَالشُّهْرَةُ جَابِرَةٌ عَلَى مَا زَعَمُوا (وَ) كَذَا فِي (بَوْلِ الرَّجُلِ) سَنَداً وَشُهْرَةً .وَإِطْلَاقُ الرَّجُلِ يَشْمَلُ الْمُسْلِمَ وَالْكَافِرَ، وَتَخْرُجُ الْمَرْأَةُ وَالْخُنْثَى، فَيُلْحَقُ بَوْلُهُمَا بِمَا لَا نَصَّ فِيهِ، وَكَذَا بَوْلُ الصَّبِيَّةِ، أَمَّا الصَّبِيُّ فَسَيَأْتِي .وَلَوْ قِيلَ فِيمَا لَا نَصَّ فِيهِ بِنَزْحِ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ وَجَبَ فِي بَوْلِ الْخُنْثَى أَكْثَرُ الْأَمْرَيْنِ مِنْهُ وَمِنْ بَوْلِ الرَّجُلِ، مَعَ احْتِمَالِ الاجْتِزَاءِ بِالْأَقَلِّ، لِلْأَصْلِ .

اور چالیس ڈول نکالے جائیں؛لومڑ، خرگوش، بکری، خنزیر، کتے، بلے اور ان جیسے جانوروں کے لیے[1] اور ان کی نجاست سے وہ مراد ہے جو ان کے مرنے سے حاصل ہو جیسا کہ گزر چکا اور اس کی دلیل ضعیف ہے اور جیسا کہ انہوں نے گمان کیا ہے کہ اس کا علماء میں مشہور ہونا اس کے ضعیف ہونا کا جبران کردے گا۔

اسی طرح مرد کے پیشاب کا حکم ہے[2] اور اس کی سند و شہرت کا بھی وہی حال ہے اور لفظ مرد مسلمان اور کافر دونوں کے شامل ہے لیکن عورت اور خنثی اس حکم سے خارج ہیں تو ان کا پیشاب لانصّ فیہ کے حکم میں داخل ہوگا اور اسی طرح بچی کا پیشاب بھی لانص فیہ میں ہے لیکن بچے کے پیشاب کا حکم آتا ہے (اس کے لیے سات ڈول نکالنے کا حکم دیا ہے)۔

---

[1] ۔اس پر ایک ضعیف روایت دلالت کرتی ہے جس میں ۲۰ یا ۳۰ یا ۴۰ ڈول نکالنے کا حکم ہے (وسائل ب ۱۷ ح ۱۳ ابواب ماء مطلق) لیکن محقق حلی نے معتبر میں چالیس ڈول نقل کیے مگر حکم شرعی کے لیے ایسی روایات پر اکتفاء کرنا صحیح نہیں جیسا کہ کنویں کی مقداروں کو بیان کرنے والی روایات میں سے بہت کا یہی حال ہے۔

[2] اس پر علی بن ابی حمزہ بطائنی ضعیف کی روایت دلالت کرتی ہے (وسائل ب ۱۶ ابواب ماء مطلق ح ۲)

اور اگر لانصّ فیہ (جس میں کوئی خاص روایت نہ ہو) اس میں کہا جائے کہ تیس یا چالیس ڈول نکالنے ہیں تو خنثی کے پیشاب کے لیے اس لانصّ اور مرد کے پیشاب کے حکم میں سے اکثر ڈول نکالنے واجب ہونگے اور احتمال ہے کہ کم ڈولوں بھی کافی ہوں کیونکہ زیادہ واجب ہونے سے براءت ذمہ جاری ہے۔

تیس ڈول نکالنے کے موارد

(وَ) نَزْحِ (ثَلَاثِينَ) دَلْوًا (لِمَاءِ الْمَطَرِ الْمُخَالِطِ لِلْبَوْلِ وَالْعَذِرَةِ وَخُرْءِ الْكَلْبِ) فِي الْمَشْهُورِ، وَالْمُسْتَنَدُ رِوَايَةٌ مَجْهُولَةُ الرَّاوِي.وَإِيجَابُ خَمْسِينَ لِلْعَذِرَةِ، وَأَرْبَعِينَ لِبَعْضِ الْأَبْوَالِ، وَالْجَمِيعُ لِلْبَعْضِ كَالْأَخِيرِ مُنْفَرِدًا لَا يُنَافِي وُجُوبَ ثَلَاثِينَ لَهُ مُجْتَمِعًا مُخَالِطًا لِلْمَاءِ، لِأَنَّ مَبْنَى حُكْمِ الْبِئْرِ عَلَى جَمْعِ الْمُخْتَلِفِ، وَتَفْرِيقِ الْمُتَّفِقِ فَجَازَ إِضْعَافُ مَاءِ الْمَطَرِ لِحُكْمِهِ وَإِنْ لَمْ تَذْهَبْ أَعْيَانُ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ .وَلَوْ خَالَطَ أَحَدُهَا كَفَتْ الثَّلَاثُونَ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مُقَدَّرٌ، أَوْ كَانَ وَهُوَ أَكْثَرُ، أَوْ مُسَاوٍ وَلَوْ كَانَ أَقَلَّ اُقْتُصِرَ عَلَيْهِ .وَأَطْلَقَ الْمُصَنِّفُ أَنَّ حُكْمَ بَعْضِهَا كَالْكُلِّ، وَغَيْرُهُ بِأَنَّ الْحُكْمَ مُعَلَّقٌ بِالْجَمِيعِ، فَيَجِبُ لِغَيْرِهِ مُقَدَّرُهُ، أَوْ الْجَمِيعُ، وَالتَّفْصِيلُ أَجْوَدُ-

اور تیس ڈول نکالے جائیں بارش کے اس پانی کے لیے جس میں پیشاب، پاخانہ اور کتے کا گند ملا ہوا ہو یہ مشہور قول ہے اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جس کا راوی مجہول ہے[1] اور پاخانہ

---

[1] یہ کردویہ کی روایت ہے (باب ۲۰ ابواب ماء مطلق ح ۳ وسائل) اور اس کو ضعیف قرار دیا گیا ہے جیسا کہ شہید ثانی نے اس کے راوی کو مجہول کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ کردویہ ہمدانی جو امام کاظمؑ کے زمانہ میں تھا اور شیخ صدوق نے فقیہ میں اس کی طرف اپنا اسناد بھی ذکر کیا اور اسی کی وجہ وہ اسناد بھی مجہول قرار دیا گیا ہے تو بعض حواشی شرح لمعہ جیسے زبدۃ فقہیہ ج۱ ص۵۱

کے لیے ۵۰ڈول واجب قرار دینا اور بعض (مرد کے) پیشابوں کے لیے ۴۰ڈول قرار دینا اور بعض کے لیے سب پانی نکالنا واجب کرنا جیسے آخری چیز کتے کے گند کے لیے ہے جب یہ سب علیحدہ علیحدہ ہوں تو ان کے لیے تیس ڈول واجب ہونے کے ساتھ اختلاف نہیں رکھتا جب یہ سب پانی میں ملے ہوں کیونکہ کنویں کے حکم کی اساس مختلف کو جمع کرنے اور ایک جیسے حکم کو مختلف کرنے پر ہے[1]، تو ممکن ہے کہ بارش کے پانی نے ان تمام کے مجموعے کے حکم کو کم کر دیا ہو۔اگرچہ ان اشیاء کے عین نجس اس بارش کے پانی میں موجود ہوں (یہ شہید ثانی کا

میں ہے کہ کردویہ مجہول نہیں کیونکہ اس سے مراد مسمع بن عبدالملک ہے اور وہ ثقہ ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ مسمع بن عبدالملک کا لقب کردین ہے کردویہ نہیں ہے ہاں بعض متاخرین جیسے طرائف المقال میں سید علی بروجردی نے کہا کہ کردویہ اور کردین مسمع کے لیے دو عنوان ہیں لیکن میرزا نے اس اتحاد میں تامل کیا ہے اور علامہ حلی تو اس کو رد کرتے ہیں جب کہتے ہیں مجھے کردویہ کا حال معلوم نہیں (کتاب مختلف) ہاں فائق المقال میں حر عاملی کے شاگرد احمد بن عبدالرضا بصری نے کردویہ کو مسمع بن مالک کے مساوی قرار دیا، بہرحال یہ سب کچھ مسمع کے ساتھ کردویہ کو متحد قرار نہیں دیتا کیونکہ مسمع بصری ہے اور کردویہ ہمدانی، مسمع کردین ہے اور ہمدانی کردویہ، اس لیے شہید ثانی کا نظریہ صحیح ہے کہ اس روایت کا راوی مجہول ہے، دیکھئے مسمع کے حالات کی تفصیل: رجال الطوسی ۱۳۶ و ۳۲۱. تنقیح المقال ۲: قسم الکاف: ۳۸ و ۳: قسم میم: ۲۱۵ وقسم الکنی: ۱۹. معجم رجال الحدیث ۱۴: ۱۱۵ و ۱۸: ۱۵۴ و ۱۵۵ و ۱۵۶ و ۱۵۷-۱۶۱ و ۲۱: ۱۸۱ و ۱۸۲ و ۲۳: ۱۳۶. معالم العلماء ۹۳. رجال نجاشی ۲۹۷. فہرست طوسی ۱۲۸. رجال حلی ۱۷۱. رجال ابن داود ۱۸۹. توضیح الاشتباہ ۲۵۴ و ۲۸۱ و ۳۱۱. معجم الثقات ۱۲۱ و ۱۴۰. رجال برقی ۴۵. نقد الرجال ۳۴۴ و ۳۸۹ و ۴۱۰. جامع الرواۃ ۲: ۲۹ و ۲۳۰ و ۳۹۲ و ۴۵۰. مجمع الرجال ۶: ۹۰ و ۹۱ و ۷: ۵۱ و ۱۴۵. رجال الکشی ۳۱۰. الاختصاص ۲۹۰. منہج المقال ۳۳۳. ایضاح الاشتباہ ۹۴. خاتمۃ المستدرک ۸۷۰. سفینۃ البحار ۱: ۶۵۵. منتہی المقال ۳۰۱. التحریر الطاووسی ۲۸۰. نضد الایضاح ۳۳۰. اضبط المقال ۵۳۹ و ۵۴۰ و ۵۴۶. اتقان المقال ۱۳۶. الوجیزۃ ۱۵۱. شرح مشیخۃ الفقیہ ۴۴. رجال انصاری ۱۸۵. روضۃ المتقین ۱۴: ۴۱۷. وسائل الشیعۃ ۲۰: ۳۰۲ و ۳۴۹. بہجۃ الامال ۷: ۱۹. الاکمال ۷: ۱۸۱.

[1] بلے اور خنزیر کا حکم برابر تھا دونوں کے ۴۰ ڈول نکالنے واجب تھے حالانکہ خنزیر نجس عین ہے اور کافر کا حکم کتے سے جدا ہوا حالانکہ دونوں نجس عین تھے کتے میں ۴۰ڈول اور کافر میں ۷۰ڈول واجب تھے تو علماء میں مشہور ہوا کہ کنویں کا حکم مختلف چیزوں کے حکم کو جمع کرنے اور ایک جیسی چیزوں کے حکم کو جدا کرنے پر مبنی ہے، حالانکہ اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب اختلاف ان ڈولوں کے نکالنے کے وجوب کے منافی ہے اور اس کے مستحب ہونے یا محض کراہت و نفرت طبعی کو دور کرنے کے لیے ارشادی حکم ہے۔

جواب ہے جو انہوں نے اس روایت کے اشکال کو حل کرنے کے لیے اختیار کیا کیونکہ اس روایت میں ان تمام اشیاء کے مجموع کا حکم ان کے علیحدہ علیحدہ حکم سے کم تر بن رہا ہے تو انہوں نے کہا یہ اس وقت ہے جب بارش کے پانی میں ان کے عین نجس ذرات موجود نہ ہوں بلکہ فقط بارش کا پانی ان سے نجس ہوا ہو اور وہ کنویں میں گرا ہو لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت کے ظاہری معنی کے خلاف ہے اور اس کا حل وہ ہے جو شہید ثانی نے کیا) اور اگر ان میں سے کوئی ایک نجس بارش کے پانی میں مل جائے تو اس کے لیے ۳۰ ذول نکالنے کافی ہیں اگر اس کی اپنی کوئی مقدار معین نہ ہو اور اگر کوئی مقدار معین ہو تو اکثر نکالیں یا اس کے مساوی اور اگر اس سے کم ہو تو اس پر اکتفاء کریں اور مصنف نے بطور مطلق بیان کیا کہ ان میں سے بعض کا حکم ان تمام کی طرح ہے (جب وہ مل کر بارش کے پانی میں ملیں) لیکن دیگر علماء نے بطور مطلق کہا کہ اس روایت میں حکم تمام کے اس پانی میں ملے ہونے پر موقوف ہے پس جب اس صورت کا غیر ہو یعنی علیحدہ علیحدہ ہوں تو اس کی مقدار واجب ہے یا تمام لیکن تفصیل دینا بہتر ہے جو شہید نے بیان کی (اگر علیحدہ کی مقدار ۳۰ سے زیادہ ہو تو وہی کافی ہیں اور ۳۰ سے کم ہو تو وہی کافی ہے کیونکہ بارش کا پانی اس کی نجاست کو کم کرتا ہے نہ زیادہ اور اگر اس کی مقدار معین نہ ہو تو بھی ۳۰ کافی ہیں کیونکہ اس کی نجاست کم ہو چکی ہے)۔

دس ڈول نکالنے کے موارد

(وَنَزْحُ عَشْرٍ) دِلَاءٍ (لِيَابِسِ الْعَذِرَةِ) وَهُوَ غَيْرُ ذَائِبِهَا، أَوْ رَطْبِهَا أَوْ هُمَا عَلَى الْأَقْوَالِ، (وَقَلِيلُ الدَّمِ) كَدَمِ الدَّجَاجَةِ الْمَذْبُوحَةِ فِي الْمَشْهُورِ وَالْمَرْوِيِّ دِلَاءٌ يَسِيرَةٌ .وَفُسِّرَتْ بِالْعَشْرِ لِأَنَّهُ أَكْثَرُ عَدَدٍ يُضَافُ إِلَى هَذَا الْجَمْعِ، أَوْ لِأَنَّهُ أَقَلُّ جَمْعِ الْكَثْرَةِ، وَفِيهِمَا نَظَرٌ .

۱۔اور دس ڈول نکالے جائیں خشک پاخانے کے لیے[1] اور وہ ہے جو پگھلا ہوا نہ ہو یا گیلا نہ وہ اور دونوں صفتیں اس میں نہ ہوں اس میں چند قول تھے جو پہلے گزر چکے (چالیس ڈول میں)۔
۲۔ اور تھوڑے سے خون کے لیے جیسے ذبح شدہ مرغی کا خون ہے یہ مشہور ہے اور روایت میں تو تھوڑے سے ڈول نکالنے کا حکم ہے[2] تو اس کی تفسیر دس ڈولوں سے کی گئی ہے کیونکہ وہ جمع قلّت کا اکثر عدد ہے (یہ بات شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام میں کہی) یا اس لیے کہ وہ جمع کثرت کا کم ترین عدد ہے (یہ علامہ حلی نے منتہی میں کہا ہے) اور ان دونوں میں اشکال ہے[3]

سات ڈول نکالنے کے موارد

(وَ) نَزْحُ (سَبْعٍ) دِلَاءٍ (لِلطَّيْرِ) وَهُوَ الْحَمَامَةُ فَمَا فَوْقَهَا، أَيْ لِنَجَاسَةِ مَوْتِهِ (وَالْفَأْرَةُ مَعَ انْتِفَاخِهَا) فِي الْمَشْهُورِ وَالْمَرْوِيِّ، وَإِنْ ضَعُفَ اعْتِبَارُ تَفَسُّخِهَا.(وَبَوْلُ الصَّبِيِّ) وَهُوَ الذَّكَرُ الَّذِي زَادَ سِنُّهُ عَنْ حَوْلَيْنِ وَلَمْ يَبْلُغْ الْحُلُمَ، وَفِي

---

[1]۔اس کی دلیل ابو بصیر کی وہ روایت ہے جو چالیس ڈولوں کے ذیل میں گزر چکی۔

[2]۔ علی بن جعفر نے امام کاظمؑ سے روایت کی مرغی یا کبوتر ذبح کیا اور وہ کنویں میں گر گیا کیا اس سے وضو ہو سکتا ہے؟ فرمایا؛ ینزح دلاء یسیرة؛ اس کے لیے تھوڑے سے ڈول نکال دیں (وسائل ۱۲۱ابواب ماء مطلق ح۱)

[3]۔ پہلے میں یہ شکال ہے کہ جمع قلّت کے پانچ مشہور وزن ہیں اور وہ ان میں سے نہیں اور اگر یہ جمع قلّت ہی ہو تو اس کے اکثر عدد کو ہی مراد لینے کی کیا دلیل ہے بلکہ جب وہ وسیع مفہوم کے ساتھ استعمال ہوئی تو اس کے کم افراد مراد ہونگے کیونکہ جہاں اکثر کو معین نہ کیا گیا ہو کم کا کافی ہونے پر اتفاق ہے اور دوسری دلیل میں یہ اشکال ہے کہ انہوں نے اسے جمع کثرت تو ٹھیک قرار دیا لیکن جمع کثرت کا کم ترین عدد دس کو قرار دیکر صحیح نہیں کیا کیونکہ وہ تو جمع قلّت کے عدد سے ایک زیادہ ہو گا تو جمع کثرت کا عدد بنے گا اور وہ ۱۱ ہے اور علامہ حلی مختلف میں اس بات کی طرف متوجہ ہوئے کہ جمع کثرت کا کم عدد ۱۱ ہے لیکن دس کو اس لیے کافی سمجھا کہ زائد سے براءت جاری کریں گے لیکن یہ تعلیل بھی علیل ہے کیونکہ اگر براءت جاری کرنی ہے تو تین ڈول ہی کافی ہیں اور اس سے زائد جب تک بیان نہ ہوں اس سے براءت ذمہ جاری ہوگا اور شارح شہید ثانی روض الجنان میں ان بیانات کے بعد فرماتے ہیں ان عجیب و غریب اختلافات میں غور کرو بلکہ یہاں تو ایک شخص کے اقوال میں اختلاف ہو رہا ہے۔

حُكْمِه الرَّضِيعُ الَّذِى يَغْلِبُ أَكْلُهُ عَلَى رَضَاعِه، أَوْ يُسَاوِيه (وَغُسْلُ الْجُنُبِ) الْخَالِى بَدَنُهُ مِنْ نَجَاسَةٍ عَيْنِيَّةٍ .وَمُقْتَضَى النَّصِّ نَجَاسَةُ الْمَاءِ بِذَلِكَ لَا سَلْبَ الطَّهُورِيَّةِ، وَعَلَى هَذَا فَإِنْ اغْتَسَلَ مُرْتَمِسًا طَهُرَ بَدَنُهُ مِنْ الْحَدَثِ، وَنَجِسَ بِالْخُبْثِ .

وَإِنْ اغْتَسَلَ مُرَتَّبًا فَفِى نَجَاسَةِ الْمَاءِ بَعْدَ غَسْلِ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ مَعَ اتِّصَالِه بِه، أَوْ وُصُولِ الْمَاءِ إِلَيْه، أَوْ تَوَقُّفِه عَلَى إِكْمَالِ الْغُسْلِ وَجْهَانِ وَلَا يُلْحَقُ بِالْجُنُبِ غَيْرُهُ مِمَّنْ يَجِبُ عَلَيْه الْغُسْلُ عَمَلًا بِالْأَصْلِ مَعَ احْتِمَالِه، (وَخُرُوجُ الْكَلْبِ) مِنْ مَاءِ الْبِئْرِ (حَيًّا)، وَلَا يُلْحَقُ بِه الْخِنْزِيرُ بَلْ بِمَا لَا نَصَّ فِيه .

۱۔اور سات ڈول نکالے جائیں پرندے کے لیے اور وہ کبوتر اور اس سے بڑا کوئی پرندہ ہے یعنی اس کے کنویں میں مرنے کی نجاست کے لیے اتنے ڈول نکالنے ہیں۔

۲۔ اور چوہے کے لیے جب وہ کنویں میں گر کر پھول جائے اور پھٹ جائے یہ مشہور ہے اور منقول بھی ہے اگرچہ اس کے پھٹنے کے معتبر ہونے کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ بچے کے پیشاب کے لیے اور وہ دو سال سے زائد عمر کا بچہ ہے جو ابھی حد بلوغ کو نہ پہنچا ہو اور اسی کے حکم میں وہ دودھ پیتا بچہ ہے جس کا کھانا اس کے دودھ پینے کے برابر ہو یا اس کے مساوی ہو۔

۴۔ غسل جنابت کرنے سے کہ جب اس کا بدن عین نجاست سے خالی ہو (اگر عین نجاست منی ہو تو اس کا حکم گزر چکا کہ سب پانی نکالا جائے)اور روایت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ذریعے کنویں کا پانی نجس ہو جائے گا لیکن اس کے پاک کرنے کی صلاحیت ختم نہ ہو گی تو اس بناء پر جو شخص کنویں میں غسل ارتماسی کرے (غسل کی نیت سے پانی میں ڈبکی لگائے) تو اس کا بدن حدث (باطنی نجاست) سے پاک ہو جائے گا اور خبث اور ظاہری نجاست سے نجس

ہو جائے گا (کیونکہ وہ پانی غسل کے ذریعے نجس ہو چکا تو جب باہر نکلے گا تو اس کا بدن نجس ہو چکا ہو گا)۔

اور اگر غسل ترتیبی کرے تو بدن کے پہلے حصے کو دھونے کے بعد پانی نجس ہو گا جب اس کا بدن پانی سے ملا ہو یا پانی اس میں پہنچے یا کنویں کے پانی کا نجس ہونا غسل کے تمام ہونے پر موقوف ہے اس میں دو وجہیں ہیں لیکن جنب کے ساتھ کسی دوسرے غسل کو ملحق نہیں کیا جائے گا جن پر غسل واجب ہوتا ہے اصل براءت پر عمل کرتے ہوئے لیکن احتمال ہے کہ وہ نجس ہو جائے۔

۵۔کتے کے کنویں کے پانی سے زندہ نکل آنے سے سات ڈول نکالیں اور اس کے ساتھ خنزیر کو ملحق نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ لانصّ میں جائے گا۔

پانچ ڈول نکالنے کے موارد

(وَنَزْحُ خَمْسٍ لِذَرْقِ الدَّجَاجِ) مُثَلَّثُ الدَّالِ فِي الْمَشْهُورِ، وَلَا نَصَّ عَلَيْهِ ظَاهِرًا، فَيَجِبُ تَقْيِيدُهُ بِالْجَلَّالِ كَمَا صَنَعَ الْمُصَنِّفُ فِي الْبَيَانِ لِيَكُونَ نَجِسًا.وَيَحْتَمِلُ حِينَئِذٍ وُجُوبُ نَزْحِ الْجَمِيعِ إلْحَاقًا لَهُ بِمَا لَا نَصَّ فِيهِ إنْ لَمْ يَثْبُتْ الْإِجْمَاعُ عَلَى خِلَافِهِ، وَعَشْرٍ إدْخَالًا لَهُ فِي الْعَذِرَةِ، وَالْخَمْسُ لِلْإِجْمَاعِ عَلَى عَدَمِ الزَّائِدِ إنْ تَمَّ .

وَفِي الدُّرُوسِ صَرَّحَ بِإِرَادَةِ الْعُمُومِ كَمَا هُنَا، وَجَعَلَ التَّخْصِيصَ بِالْجَلَّالِ قَوْلًا .

اور پانچ ڈول نکالیں مرغ کی بیٹھ کے لیے یہ مشہور قول ہے اور اس پر ظاہرا کوئی نص اور روایت نہیں ہے تو اس کو نجاست خور مرغ سے مقید کرنا واجب ہے جیسا کہ مصنف نے بیان میں ایسا کیا ہے تا کہ اس کی بیٹھ نجس ہو اور احتمال ہے کہ اس وقت اس کے لیے پورا پانی نکالنا پڑے اسے لانصّ کے حکم سے ملحق کرتے ہوئے اگر اس کے خلاف اجماع حاصل نہ ہو جائے

اور دس ڈول نکالنے واجب ہو اسے پاخانے کے حکم میں داخل کرتے ہوئے اور پانچ ڈول واجب ہوں کیونکہ اجماع ہے کہ اس سے زائد واجب نہیں اگر یہ اجماع ثابت ہو جائے اور دروس میں مصنف نے تصریح کی ہے کہ ان کی مراد مرغ کی بیٹھ کے حکم سے عام ہے چاہے وہ نجاست خور ہو یا نہ جیسا یہاں وسیع طور پر بیان کیا ہے اور نجاست خور ہونے کے ساتھ حکم کے خاص ہونے کو ایک قول قرار دیا ہے۔

تین ڈول نکالنے کے موارد

(وَثَلَاث) دلَاء (للْفَأْرَة) مَعَ عَدَمِ الْوَصْف (وَالْحَيَّة) عَلَى الْمَشْهُور وَالْأَخْذُ فيهَا ضَعيفٌ، وَعُلِّلَ بأَنَّ لَهَا نَفْسًا فَتَكُونُ ميتَتُهَا نَجسَةً .وَفيه مَعَ الشَّكِّ فى ذَلكَ عَدَمُ استْلزَامه للْمُدَّعى (وَ) أُلْحقَ بهَا (الْوَزَغَةَ) بالتَّحْريك وَلَا شَاهدَ لَهُ كَمَا اعْتَرَفَ به الْمُصَنِّفُ فى غَيْرِ الْبَيَان، وَقَطَعَ بالْحُكْم فيه كَمَا هُنَا (وَ) أُلْحقَ بهَا (الْعَقْرَبَ) .وَرُبَّمَا قيلَ بالاسْتحْبَاب لعَدَمِ النَّجَاسَة، وَلَعَلَّهُ لدَفْعِ وَهْمِ السُّمِّ-

۱۔اور تین ڈول نکالیں گے چوہے کے لیے جب وہ کنویں کے پانی میں مرے لیکن اس میں پھٹے نہیں (جب پھٹ جائے تو اس کا حکم گزر چکا ہے)۔

۲۔اور مشہور قول کی بناء پر سانپ کے لیے بھی تین ڈول ہیں اور اس کی دلیل ضعیف ہے اور اس کی یہ وجہ بیان ہوئی ہے کہ وہ جاندار ہے تو اس کا مردار نجس ہوگا لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ پہلے تو اس کے خون جہندہ رکھنے میں شک ہے کہ اس کا مردار نجس ہو پھر اس سے تمہارا دعوی ثابت نہیں ہوتا (اگر اس کا مردار نجس ہو تو تین ڈول نکالنے کی کیا دلیل ہے؟)

۳۔ چھپکلی کو اسی کے ساتھ ملحق کیا گیا اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے جیسا کہ مصنف نے بیان کے علاوہ دیگر کتابوں میں اس کا اعتراف کیا ہے لیکن بیان میں اس حکم کا یقین کیا ہے جیسا یہاں بھی یقین کر رہے ہیں۔

۴۔ اور اس کے ساتھ بچھو کو ملحق کیا گیا ہے اور ایک قول ہے کہ یہ تین ڈول نکالنے مستحب ہیں کیونکہ وہ نجس نہیں ہوتا اور شاید یہ اس کی زہر کے وہم کو دور کرنے کے لیے ہو۔

ایک ڈول نکالنے کا مورد

(وَدَلْو لِعُصْفُور) بِضَمِّ عَيْنِه وَهُوَ مَا دُونَ الْحَمَامَة سَوَاءٌ كَانَ مَأْكُولَ اللَّحْمِ أَمْ لَا .وَأَلْحَقَ بِه الْمُصَنِّفُ فِي الثَّلَاثَة بَوْلَ الرَّضِيع قَبْلَ اغْتِذَائِه بِالطَّعَامِ فِي الْحَوْلَيْنِ، وَقَيَّدَهُ فِي الْبَيَان بِابْنِ الْمُسْلِم وَإِنَّمَا تَرَكَهُ هُنَا لِعَدَمِ النَّصِّ مَعَ أَنَّهُ فِي الشُّهْرَة كَغَيْرِه مِمَّا سَبَق.وَاعْلَمْ أَنَّ أَكْثَرَ مُسْتَنَد هَذِه الْمُقَدَّرَات ضَعِيفٌ لَكِنَّ الْعَمَلَ بِه مَشْهُورٌ بَلْ لَا قَائِلَ بِغَيْرِه عَلَى تَقْدِيرِ الْقَوْلِ بِالنَّجَاسَة، فَإِنَّ اللَّازِمَ مِنْ إِطْرَاحِه كَوْنُهُ مِمَّا لَا نَصَّ فِيه.

اور چڑیا کے لیے ایک ڈول نکالیں ور وہ کبوتر سے چھوٹا پرندہ ہے چاہے اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ۔

۲۔ اور مصنف نے اپنی تین کتابوں میں دودھ پیتے بچے کے پیشاب کو اسی کے ساتھ ملحق کیا ہے جب اس نے کھانا اور دگر غذائیں کھانا شروع نہ کیں ہوں اور دو سال کے اندر ہو اور بیان میں اس کی یہ قید لگائی وہ مسلمان کا بچہ ہو اور یہاں اسے اس لیے ترک کر دیا کہ اس پر خصوصی کوئی روایت نہیں ہے حالانکہ یہ مورد گذشتہ کئی موارد کی طرح شہرت رکھتا ہے۔

اور جان لیں کہ ان مقداروں میں سے اکثر کی دلیلیں ضعیف ہیں لیکن مشہور علماء نے ان پر عمل کیا ہے بلکہ ان نجاستوں کے گرنے سے کنویں کے پانی کے نجس ہو جانے کے قائلین

میں ان کے علاوہ کسی مقدار کا کوئی قائل نہیں ہے کیونکہ ان مقداروں کو چھوڑنے سے لازم آئے گا کہ یہ موارد لانصّ میں چلے جائیں (اور اس کا کوئی قائل نہیں ہے تو انی پر عمل کرنا چاہیے)۔

تمام پانی نکالنے کے لیے تراوح کا حکم

(وَيَجبُ التَّرَاوُحُ بِأَرْبَعَةِ) رجَالٍ كُلُّ اثْنَيْنِ مِنْهُمَا يُرِيحَانِ الْآخَرَيْنِ (يَوْمًا) كَامِلًا مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ إِلَى اللَّيْلِ، سَوَاءٌ فِي ذَلِكَ الطَّوِيلُ وَالْقَصِيرُ (عِنْدَ) تَعَذُّرِ نَزْحِ الْجَمِيعِ بِسَبَبِ (الْغزَارَة) الْمَانِعَةِ مِنْ نَزْحِه.(وَوُجُوبُ نَزْحِ الْجَمِيعِ) لِأَحَدِ الْأَسْبَابِ الْمُتَقَدِّمَةِ، وَلَا بُدَّ مِنْ إِدْخَالِ جُزْءٍ مِنْ اللَّيْلِ مُتَقَدِّمًا وَمُتَأَخِّرًا مِنْ بَابِ الْمُقَدَّمَةِ، وَتَهْيِئَةِ الْأَسْبَابِ قَبْلَ ذَلِكَ وَلَا يُجْزِي مِقْدَارُ الْيَوْمِ مِنْ اللَّيْلِ، وَالْمُلَفَّقُ مِنْهُمَا، وَيُجْزِي مَا زَادَ عَنْ الْأَرْبَعَةِ دُونَ مَا نَقَصَ وَإِنْ نَهَضَ بِعَمَلِهَا، وَيَجُوزُ لَهُمْ الصَّلَاةُ جَمَاعَةً لَا جَمِيعًا بِدُونِهَا وَلَا الْأَكْلُ كَذَلِكَ، وَنَبَّهَ بِإِلْحَاقِ التَّاءِ لِلْأَرْبَعَةِ عَلَى عَدَمِ إِجْزَاءِ غَيْرِ الذُّكُورِ وَلَكِنْ لَمْ يَدُلَّ عَلَى اعْتِبَارِ الرِّجَالِ، وَقَدْ صَرَّحَ الْمُصَنِّفُ فِي غَيْرِ الْكِتَابِ بِاعْتِبَارِهِ وَهُوَ حَسَنٌ، عَمَلًا بِمَفْهُومِ الْقَوْمِ فِي النَّصِّ خِلَافًا لِلْمُحَقِّقِ حَيْثُ اجْتَزَأَ بِالنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ .

اور جب تمام پانی نکالنا واجب ہو لیکن اس میں پانی کی کثرت کی وجہ سے تمام پانی کو نکالنا مشکل ہو تو چار مردوں کا ایک دن دودو ہو کر باری باری پانی نکالنا واجب ہے صبح سے رات تک چاہے دن بڑا ہو یا چھوٹا اور تمام پانی نکالنے کا وجوب سابقہ اسباب کی وجہ سے جن کے لیے تمام پانی نکالنا واجب تھا اور ابتداء اور انتہاء سے رات کا کچھ حصہ بھی مقدمہ علمی کے باب سے اس دورانیے میں داخل کرنا چاہیے اور پانی نکالنے کے اسباب اس سے پہلے آمادہ کر لینے چاہیں

اور دن کے وقت کے برابر رات کے وقت پانی نکالنا کافی نہ ہوگا اور نہ ہی دن و رات دونوں کے حصوں سے اور چار مردوں سے زیادہ افراد کا پانی نکالنے میں شرکت کرنا کافی ہے لیکن ان چار سے کم کافی نہیں اگرچہ وہ چار کے برابر کام کریں اور ان چار مردوں کے لیے نماز جماعت پڑھنا جائز ہے لیکن جماعت کے بغیر نماز فرادی کے لیے سب کا پانی نکالنے کو ترک کرنا جائز نہیں ہے نہ ہی اکٹھے کھانا کھانے بیٹھیں اور مصنف نے اپنی عبارت میں اربعۃ کا لفظ استعمال کیا اور اس سے بتادیا کہ چار مردوں کے سوا کسی کا اس طرح کنویں سے پانی نکالنا کافی نہ ہوگا (کیونکہ جب عدد ثلاثۃ سے عشرۃ تک تمیز مذکر ہو تو عدد کے ساتھ تاء لگائی جاتی ہے پس مصنف نے بھی مردوں کو مراد لیا اس لیے عدد کے ساتھ تاء لگائی) لیکن مردوں کے معتبر ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ خود مصنف نے دوسری کتابوں میں مردوں کے کنویں سے پانی نکالنے کے معتبر ہونے کی تصریح کی ہے اور وہ اچھا ہے کیونکہ روایت میں قوم کا لفظ ہے تو اس کے مفہوم میں مرد آتے ہیں بخلاف محقق حلی کے کہ وہ عورتوں اور بچوں کے باری باری کنویں سے پانی کھینچنے کو کافی سمجھتے ہیں۔

کنویں کے تبدیل شدہ پانی کو پاک کرنا

(وَلَوْ تَغَيَّرَ مَاءُ الْبِئْرِ بِوُقُوعِ) نَجَاسَةٍ لَهَا مُقَدَّرٌ (جُمِعَ بَيْنَ الْمُقَدَّرِ وَزَوَالِ التَّغَيُّرِ) بِمَعْنَى وُجُوبِ أَكْثَرِ الْأَمْرَيْنِ، جَمْعًا بَيْنَ النُّصُوصِ وَزَوَالِ التَّغَيُّرِ الْمُعْتَبَرِ فِي طَهَارَةِ مَا لَا يَنْفَعِلُ كَثِيرُهُ فَهُنَا أَوْلَى، وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهَا مُقَدَّرٌ فَفِي الِاكْتِفَاءِ بِمُزِيلِ التَّغَيُّرِ، أَوْ وُجُوبِ نَزْحِ الْجَمِيعِ، وَالتَّرَاوُحِ مَعَ تَعَذُّرِهِ قَوْلَانِ : أَجْوَدُهُمَا الثَّانِي، وَلَوْ أَوْجَبْنَا فِيهِ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ اُعْتُبِرَ أَكْثَرُ الْأَمْرَيْنِ فِيهِ أَيْضًا .

اور اگر کنویں کا پانی اس میں کسی ایسی نجاست کے گرنے سے جس کے لیے پانی نکالنے کی مقدار معین ہو بالکل تبدیل ہوجائے تو اتنا پانی نکالا جائے جو معین مقدار اور تبدیلی کے ختم

ہونے کے درمیان جمع کردے یعنی ان میں زیادہ مقدار کو نکالے (یعنی اگر معین مقدار نکالنے سے پہلے تبدیلی ختم ہوجائے تو مقدار پوری کرے اور اگر مقدار معین نکالنے کے بعد بھی تبدیلی باقی ہو تو اتنا مزید نکالے کہ تبدیلی ختم ہوجائے) اس طرح روایات کی معین مقدار اور تبدیلی کے ختم ہونے کے درمیان جمع ہوجائے گی جو اس پانی کے پاک ہونے میں معتبر ہوتی ہے جس کا کثیر پانی (محض نجاست ملنے سے) نجس نہیں ہوتا تو یہاں تو بدرجہ اولی تبدیلی کو ختم کرنا معتبر ہے (کیونکہ کنویں کا پانی اس قول کی بناء پر نجاست ملنے سے نجس ہوجاتا ہے تو اتنا پانی نکالا جائے کہ تبدیلی ختم ہو تاکہ وہ پاک ہو)اور اگر کنویں میں ایسی نجاست گرے جس کے لیے کوئی خاص مقدار معین نہ ہو تو اس کے لیے کیا اتنا پانی نکالنا کافی ہے کہ کہ تبدیلی ختم ہو جائے یا تمام پانی نکالا جائے اور جب تمام پانی نہ نکال سکیں تو ایک دن باری باری چار مرد پانی نکالیں اس میں دو قول ہیں ان میں سے بہتر دوسرا قول ہے یعنی تمام پانی نکالا جائے اور اگر ہم اس نجاست کے لیے جس کے لیے پانی نکالنے کی مقدار معین نہیں ہے [لانصّ فیہ][1] میں ۳۰ یا چالیس ڈول کو واجب قرار دیں تو اس میں مورد میں بھی ان میں

---

[1]۔ کنویں میں جس نجاست کے گرنے سے پانی نکالنے کی مقدار معین نہیں کی گئی یعنی اس مورد کے بارے میں کوئی نصّ نہیں ہے تو اس کے بارے تین قول ہیں ؛۱۔ تمام پانی نکالا جائے تاکہ نجاست کے قول کی بناء پر طہارت کا یقین نہیں ہوگا مگر جب تمام پانی نکالا جائے اور جب بعض حصہ نکالیں تو باقی کے پاک ہونے کا شک ہی رہتا ہے تو تمام نکالنا ضروری ہے یہ مشہور تر قول ہے۔ ۲۔ دوسرا قول ہے کہ تیس ڈول نکال دیں اسے بعض علماء نے اختیار کیا اور اس کی دلیل کردویہ کی روایت ہے جو بارش کے پانی کے بارے میں وارد ہوئی جس میں گند وغیرہ ملا ہو حالانکہ وہ روایت ہرگز اس مورد یعنی لانصپ کے بارے میں دلالت نہیں کرتی اور اس کی سند بھی صحیح نہیں ہے اور تیسرا قول چالیس ڈول نکالنے کا ہے اسے علامہ حلی نے بعض کتابوں میں اختیار کیا اور یہ ابن حمزہ اور مبسوط شیخ طوسی سے بھی منقول ہے اور اس پر ایک روایت ہے کنویں سے چالیس ڈول نکالے جائیں اگر وہ بدبودار ہوجائے (وسائل ۱۲۰بواب ماء مطلق ح۴ اور سابقہ حدیث کا نمبر ۳ تھا) حالانکہ یہ روایت کتب حدیث میں سند کے ساتھ وارد نہیں ہوئی اسے شیخ طوسی نے مبسوط میں ذکر کیا پھر اس کا سیاق و سباق بھی معلوم نہیں کہ اس کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اسکی سند بھی نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔ بہر حال یہ سب بحث اس بناء پر تھی کہ کنواں نجاست

سے اکثر مقدار کو نکالا جائے گا (یعنی تبدیلی ختم ہونے اور ۳۰ یا چالیس ڈول میں سے زیادہ مقدار نکالیں)۔

ملنے سے نجس ہو جائے جبکہ اس میں تبدیلی بھی نہ ہوئی ہو حالانکہ یہ نظریہ صحیح نہیں کیونکہ معتبر روایات میں اس کے منبع ہونے کی وجہ سے اس کا نجس نہ ہونا بیان ہوا ہے۔

چند مسائل

۱۔آب مضاف کے احکام

(مَسَائِلُ الْأُولَى) :(الْمَاءُ الْمُضَافُ مَا) أَيْ: الشَّيْءُ الَّذِى (لَا يَصْدُقُ عَلَيْهِ اسْمُ الْمَاءِ بِإِطْلَاقِه) مَعَ صِدْقِه عَلَيْهِ مَعَ الْقَيْدِ كَالْمُعْتَصَرِ مِنْ الْأَجْسَامِ، وَالْمُمتَزِجِ بِهَا مَزْجًا يَسْلُبُهُ الْإِطْلَاقَ كَالْإِمْرَاقِ، دُونَ الْمُمْتَزِجِ عَلَى وَجْهٍ لَا يَسْلُبُهُ الاسْمَ، وَإِنْ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ كَالْمُمْتَزِجِ بِالتُّرَابِ، أَوْ طَعْمُهُ كَالْمُمْتَزِجِ بِالْمِلْحِ، وَإِنْ أُضِيفَ إلَيْهِمَا.(وَهُوَ) أَيْ الْمَاءُ الْمُضَافُ (طَاهِرٌ) فِي ذَاتِه بِحَسَبِ الْأَصْلِ (غَيْرُ مُطَهِّرٍ) لِغَيْرِه (مُطْلَقًا) مِنْ حَدَثٍ، وَلَا خَبَثٍ اخْتِيَاراً وَاضْطِرَاراً (عَلَى) الْقَوْلِ (الْأَصَحِّ)، وَمُقَابِلُهُ قَوْلُ الصَّدُوقِ بِجَوَازِ الْوُضُوءِ وَغُسْلِ الْجَنَابَةِ بِمَاءِ الْوَرْدِ، اسْتِنَاداً إلَى رِوَايَةٍ مَرْدُودَةٍ، وَقَوْلُ الْمُرْتَضَى بِرَفْعِه- مُطْلَقًا- الْخَبَثَ .

(وَيَنْجُسُ) الْمُضَافُ وَإِنْ كَثُرَ بِالاتِّصَالِ (بِالنَّجَسِ) إجْمَاعًا، (وَطُهْرُهُ إذَا صَارَ) مَاءً (مُطْلَقًا) مَعَ اتِّصَالِه بِالْكَثِيرِ الْمُطْلَقِ لَا مُطْلَقًا (عَلَى) الْقَوْلِ (الْأَصَحِّ)، وَمُقَابِلُهُ طُهْرُهُ بِأَغْلَبِيَّةِ الْكَثِيرِ الْمُطْلَقِ عَلَيْهِ وَزَوَالِ أَوْصَافِه، وَطُهْرُه بِمُطْلَقِ الاتِّصَالِ بِه وَإِنْ بَقِيَ الاسْمُ .وَيَدْفَعُهُمَا مَعَ أَصَالَةِ بَقَاءِ النَّجَاسَةِ أَنَّ الْمُطَهِّرَ لِغَيْرِ الْمَاءِ شَرْطُهُ وُصُولُ الْمَاءِ إلَى كُلِّ جُزْءٍ مِنْ النَّجَسِ، وَمَا دَامَ مُضَافًا لَا يُتَصَوَّرُ

وُصُولُ الْمَاءِ إِلَى جَمِيعِ أَجْزَائِهِ النَّجِسَةِ، وَإِلَّا لَمَا بَقِيَ كَذَلِكَ، وَسَيَأْتِي لَهُ تَحْقِيقٌ آخَرُ فِي بَابِ الْأَطْعِمَةِ .

اور آب مضاف وہ ہے جس پر پانی کا نام بغیر شرط اور قید کے صادق نہیں آتا اگرچہ بعض قیود اور نسبتوں کے ساتھ اسے پانی کہا جاتا ہے جیسے وہ پانی جو دیگر اشیاء سے نچوڑا جائے اور وہ پانی جس میں کوئی چیز اس حدّ تک ملی ہوئی ہو کہ اس پر پانی کا نام بغیر قید کے نہ بولا جاسکے جیسے شوربہ جات، نہ وہ کہ جس پانی میں کوئی چیز اس حدّ تک کم مقدار میں ملی ہو کہ پانی کا نام اس سے نہ جائے اگرچہ اس کا رنگ بدل جائے جیسے مٹی ملا پانی یا وہ پانی جس کا کچھ ذائقہ بدل جائے لیکن پانی کا اطلاق نہ بدلے جیسے نمک ملا پانی اگرچہ وہ ان (نمک و مٹی) کی طرف منسوب ہو۔

اور آب مضاف اصل کے لحاظ سے ذاتا پاک ہے لیکن کسی دوسری چیز کسی صورت میں پاک نہیں کرتا نہ باطنی نجاست سے اور نہ ظاہری نجاست سے اور نہ اختیاری صورت میں اور نہ اضطراری صورت میں یہ صحیح تر قول ہے اور اس کے مقابلے میں شیخ صدوق کا قول ہے کہ گلاب کے پانی سے وضو اور غسل جنابت جائز ہے جس کی دلیل ایک روایت بنائی ہے جو ردّ کی گئی ہے اور سید مرتضیٰ کا قول ہے کہ ہر قسم کا آب مضاف ظاہری نجاست کو دور کرتا ہے۔

اور آب مضاف اگرچہ کثیر مقدار میں ہو نجاست کے ملنے سے نجس ہو جاتا ہے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور اس کا پاک ہونا تب ہے جب وہ کثیر مطلق پانی سے ملنے سے آب مطلق بن جائے نہ ہر صورت میں پاک ہو گا اگرچہ وہ قلیل سے ملے یہ صحیح تر قول ہے اور اس کے مقابلے میں یہ قول ہے کہ اس پر آب مطلق کثیر کے غالب آنے اور اس کے اوصاف کے ختم ہو جانے سے وہ پاک ہو جائے گا (یہ شیخ طوسی کا قول ہے) اور دوسرا مخالف قول یہ ہے کہ وہ آب مطلق کثیر سے جس طرح بھی مل جائے پاک ہو جائے گا اگرچہ اس کا نام اس پر باقی رہے (یہ علامہ حلی کا قول ہے)۔

ان دونوں اقوال کا جواب یہ ہے کہ اولًا تو جب تک اس کے پاک ہونے کا یقین نہ ہو اصل قانون بقاء نجاست جاری ہوگی پھر پانی کے علاوہ دیگر چیزوں کا پاک کرنا یہ ہے کہ پانی اس کے نجس ہر حصے تک پہنچ جائے اور جب تک وہ آب مضاف اپنی صفت مضاف پر باقی رہے گا تو پانی کے اس کے تمام اجزاء تک پہنچنے کا تصور نہیں ہو سکتا و گرنہ پانی جب اس کے تمام اجزاء کے ساتھ مل جائے گا تو وہ آب مضاف نہ رہے گ ااور اس کی مزید تحقیق کھانے پینے کے باب میں آئے گی۔

جھوٹے کے احکام

(وَالسُّؤْرُ) وَهُوَ الْمَاءُ الْقَلِيلُ الَّذى بَاشَرَهُ جِسْمُ حَيَوَانٍ (تَابِعٌ لِلْحَيَوَانِ الَّذِى بَاشَرَهُ) فِى الطَّهَارَةِ وَالنَّجَاسَةِ وَالْكَرَاهَةِ، (وَيُكْرَهُ سُؤْرُ الْجَلَّالِ) وَهُوَ الْمُغْتَذِى بِعَذِرَةِ الْإِنْسَانِ مَحْضًا إِلَى أَنْ يَنْبُتَ عَلَيْهَا لَحْمُهُ، وَاشْتَدَّ عَظْمُهُ، أَوْ سُمِّىَ فِى الْعُرْفِ جَلَّالًا قَبْلَ أَنْ يُسْتَبْرَأَ بِمَا يُزِيلُ الْجَلَلَ.(وَآكِلُ الْجِيَفِ مَعَ الْخُلُوِّ) أَىْ خُلُوِّ مَوْضِعِ الْمُلَاقَاةِ لِلْمَاءِ (عَنْ النَّجَاسَةِ) وَسُؤْرُ (الْحَائِضِ الْمُتَّهَمَةِ) بِعَدَمِ التَّنَزُّهِ عَنْ النَّجَاسَةِ، وَأَلْحَقَ بِهَا الْمُصَنِّفُ فِى الْبَيَانِ كُلَّ مُتَّهَمٍ بِهَا وَهُوَ حَسَنٌ، (وَسُؤْرُ الْبَغْلِ وَالْحِمَارِ) وَهُمَا دَاخِلَانِ فِى تَبَعِيَّتِهِ لِلْحَيَوَانِ فِى الْكَرَاهِيَةِ، وَإِنَّمَا خَصَّهُمَا لِتَأَكُّدِ الْكَرَاهَةِ فِيهِمَا،(وَسُؤْرُ الْفَأْرَةِ وَالْحَيَّةِ)، وَكُلُّ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ إِلَّا الْهِرَّ،(وَ وَلَدِ الزِّنَا) قَبْلَ بُلُوغِهِ، أَوْ بَعْدَهُ مَعَ إِظْهَارِهِ لِلْإِسْلَامِ

.

۱۔ جھوٹا وہ قلیل پانی ہے جسے کسی حیوان نے پیا ہو وہ طہارت و نجاست اور کراہت میں اس حیوان کے تابع ہے جس نے اسے پیا ہو۔

۲۔ اور نجاست خور حیوان کا جھوٹا مکروہ ہے اور نجاست خور سے مراد وہ ہے جو انسان کے پاخانہ کو اس قدر کھائے کہ اس کا گوشت اسی سے اگ آئے اور اس کی ہڈیاں مضبوط ہو جائیں یا عرف میں اسے نجاست خور کہا جائے اور یہ حکم اس کا استبراء کرنے سے پہلے ہے کہ جس سے اس کا نجاست خور ہونا زائل جائے۔

۳۔ اور مردار خور کا جھوٹا بھی مکروہ ہے جب اس کا پانی سے ملنے والا حصہ نجاست ظاہری سے خالی ہو۔

۴۔ اور اس حیض والی عورت کا جھوٹا بھی مکروہ ہے جو نجاست سے بے اعتنائی میں متہم ہو اور مصنف نے بیان میں اس کے ساتھ ہر اس شخص کو ملحق کیا جو نجاست وطہارت کا خیال نہیں رکھتا اور یہ بہتر ہے۔

۵۔ اور خچر اور گدھے کا جھوٹا بھی مکروہ ہے اور یہ دونوں کراہت میں حیوان کے تابع ہونے میں داخل ہیں ان کو خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا کہ ان میں کراہت کی تاکید ہوئی ہے۔

۶۔ اور چوہے اور سانپ اور ہر اس جانور کا جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو اس کا جھوٹا مکروہ ہے سوائے بلی کے (کہ اس میں مکروہ بھی نہیں ہے)۔

۷۔ حرام زادے کا جوٹھا بھی مکروہ ہے بلوغ سے پہلے یا اس کے بعد بھی جب وہ بالغ ہونے کے بعد اسلام کا اظہار کرے (اور اگر اسلام کا انکار کرے تو کافر ہے اور اس کا جوٹھا نجس ہوگا)۔

۲۔ کنویں اور گندے گڑھے میں دوری کا حکم

(الثَّانِيَةُ):(يُسْتَحَبُّ التَّبَاعُدُ بَيْنَ الْبِئْرِ وَالْبَالُوعَةِ) الَّتِي يُرْمَى فِيهَا مَاءُ النَّزْحِ (بِخَمْسِ أَذْرُعٍ فِي)الْأَرْضِ(الصُّلْبَةِ) بِضَمِّ الصَّادِ وَسُكُونِ اللَّامِ، (أَوْ تَحْتِيَّةِ) قَرَارِ (الْبَالُوعَةِ) عَنْ قَرَارِ الْبِئْرِ، (وَإِلَّا يَكُنْ) كَذَلِكَ بِأَنْ كَانَتْ الْأَرْضُ رَخْوَةً وَالْبَالُوعَةُ مُسَاوِيَةً لِلْبِئْرِ قَرَاراً، أَوْ مُرْتَفِعَةً عَنْهُ (فَسَبْعُ) أَذْرُعٍ .

وَصُوَرُ الْمَسْأَلَة عَلَى هَذَا التَّقْدِيرِ ستٌّ يُسْتَحَبُّ التَّبَاعُدُ فِي أَرْبَعٍ مِنْهَا بِخَمْسٍ، وَهِيَ الصُّلْبَةُ مُطْلَقًا وَالرَّخْوَةَ مَعَ تَحْتِيَّةِ الْبَالُوعَةِ، وَبِسَبْعٍ فِي صُورَتَيْنِ وَهُمَا مُسَاوَاتُهمَا، وَارْتِفَاعُ الْبَالُوعَةِ فِي الْأَرْضِ الرَّخْوَةِ، وَفِي حُكْمِ الْفَوْقِيَّةِ الْمَحْسُوسَةِ الْفَوْقِيَّةُ بِالْجِهَةِ بِأَنْ يَكُونَ الْبِئْرُ فِي جِهَةِ الشَّمَالِ، فَيَكْفِي الْخَمْسُ مَعَ رَخَاوَةِ الْأَرْضِ وَإِنْ اسْتَوَى الْقَرَارَانِ، لِمَا وَرَدَ مِنْ أَنَّ" مَجَارِيَ الْعُيُونِ مَعَ مَهَبِّ الشَّمَالِ".(وَلَا يَنْجُسُ) الْبِئْرُ (بِهَا) أَيْ بِالْبَالُوعَةِ وَإِنْ (تَقَارَبَتَا إِلَّا مَعَ الْعِلْمِ بِالاتِّصَالِ) أَيْ اتِّصَالِ مَا بِهَا مِنْ النَّجَسِ بِمَاءِ الْبِئْرِ، لِأَصَالَةِ الطَّهَارَةِ وَعَدَمِ الاتِّصَالِ .

کنویں اور اس گندھے گڑھے کے درمیان کہ جس میں کنویں کا نجس پانی پھینکا جائے سخت زمین میں پانچ ذراع کا فاصلہ مستحب ہے یا گڑھا کنویں کی سطح سے نیچے ہو اور اگر ایسا نہ ہو یعنی زمین نرم ہو اور گڑھے کی سطح کنویں کی سطح کے برابر ہو یا گڑھا کنویں سے بلند ہو تو سات ذراع کا فاصلہ مستحب ہے۔

تو اس بناء پر اس مسئلے کی چھ صورتیں بنتی ہیں تو ان میں سے چار صورتوں میں پانچ ذراع کا فاصلہ مستحب ہے اور وہ یہ ہیں؛ سخت زمین میں بطور مطلق (چاہے کنواں بلند ہو یا مساوی ہو یا نیچے ہو) اور نرم زمین میں جب گڑھا کنویں سے نیچے ہو اور دو صورتوں میں سات ذراع کا فاصلہ مستحب ہے وہ نرم زمین میں جب گڑھا اور کنواں برابر سطح میں ہوں یا گڑھا کنویں سے بلند ہو اور بلند سطح کے حکم میں ہے جہت کا بلند ہونا یعنی جب کنواں شمال کی جانب ہو تو نرم زمین میں پانچ ذراع کا فاصلہ کافی ہے جب ان دونوں کی سطح برابر ہو کیونکہ روایت میں آیا ہے؛ چشموں کا بہنا شمال کی ہوا کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور اگر کنواں اور وہ گڑھا قریب قریب ہوں تو بھی کنواں اس کی وجہ سے نجس نہ ہوگا مگر یہ کہ علم ہو جائے کہ گڑھے کا پانی کنویں میں مل گیا ہے اور اس سے پہلے نجس نہ ہونے کی دلیل اصل طہارت ہے اور اصل یہ ہے کہ آپس میں دونوں پانی نہیں ملے (کیونکہ شک کی صورت میں یہ قانون جاری ہوتا ہے)۔

۳۔ نجاسات اور انہیں دور کرنے کا طریقہ،

(الثَّالثَةُ): (النَّجَاسَةُ) أَیْ جِنْسُهَا (عَشْرَةٌ : الْبَوْلُ، وَالْغَائطُ مِنْ غَیْرِ الْمَأْکُولِ) لَحْمُهُ بِالْأَصْلِ، أَوْ الْعَارِضِ (ذِی النَّفْسِ) أَیْ الدَّمِ الْقَوِیِّ الَّذِی یَخْرُجُ مِنْ الْعِرْقِ عِنْدَ قَطْعِه، (وَالدَّمُ وَالْمَنِیُّ مِنْ ذِی النَّفْسِ) آدَمِیًّا کَانَ أَمْ غَیْرَه، بَرِّیًّا أَمْ بَحْرِیًّا، (وَإِنْ أُکِلَ لَحْمُه، وَالْمَیْتَةُ مِنْهُ) أَیْ مِنْ ذِی النَّفْسِ وَإِنْ أُکِلَ، (وَالْکَلْبُ وَالْخِنْزِیرُ) الْبَرِّیَّانِ، وَأَجْزَاؤُهُمَا وَإِنْ لَمْ تَحِلَّهَا الْحَیَاةُ، وَمَا تَوَلَّدَ مِنْهُمَا وَإِنْ بَایَنَهُمَا فِی الاسْمِ .

أَمَّا الْمُتَوَلِّدُ مِنْ أَحَدِهِمَا وَطَاهِرٌ فَإِنَّهُ یَتْبَعُ فِی الْحُکْمِ الاسْمَ وَلَوْ لِغَیْرِهِمَا، فَإِنْ انْتَفَی الْمُمَاثِلُ فَالْأَقْوَی طَهَارَتُهُ وَإِنْ حَرُمَ لَحْمُهُ، لِلْأَصْلِ فِیهِمَا (وَالْکَافِرُ) أَصْلِیًّا، وَمُرْتَدًّا وَإِنْ انْتَحَلَ الْإِسْلَامَ مَعَ جَحْدِه لِبَعْضِ ضَرُورِیَّاتِه .وَضَابِطُهُ : مَنْ أَنْکَرَ الْإِلَهِیَّةَ، أَوْ الرِّسَالَةَ، أَوْ بَعْضَ مَا عُلِمَ ثُبُوتُهُ مِنْ الدِّینِ ضَرُورَةً .(وَالْمُسْکِرُ) الْمَائِعُ بِالْأَصَالَةِ، (وَالْفُقَّاعُ) بِضَمِّ الْفَاءِ، وَالْأَصْلُ فِیهِ أَنْ یُتَّخَذَ مِنْ مَاءِ الشَّعِیرِ، لَکِنْ لَمَّا وَرَدَ الْحُکْمُ فِیهِ مُعَلَّقًا عَلَی التَّسْمِیَةِ ثَبَتَ لِمَا أُطْلِقَ عَلَیْهِ اسْمُهُ مَعَ حُصُولِ خَاصِّیَّتِهِ، أَوْ اشْتِبَاهِ حَالِهِ وَلَمْ یَذْکُرْ الْمُصَنِّفُ هُنَا مِنْ

النَّجَاسَاتِ الْعَصِيرَ الْعَنَبِيَّ إِذَا غَلَا وَاشْتَدَّ وَلَمْ يَذْهَبْ ثُلُثَاهُ، لِعَدَمِ وُقُوفِهِ عَلَى دَلِيلٍ يَقْتَضِي نَجَاسَتَهُ كَمَا اعْتَرَفَ بِهِ فِي الذِّكْرَى وَالْبَيَانِ لَكِنْ سَيَأْتِي أَنَّ ذَهَابَ ثُلُثَيْهِ مُطَهِّرٌ، وَهُوَ يَدُلُّ عَلَى حُكْمِهِ بِتَنَجُّسِهِ فَلَا عُذْرَ فِي تَرْكِهِ .وَكَوْنُهُ فِي حُكْمِ الْمُسْكِرِ كَمَا ذَكَرَهُ فِي بَعْضِ كُتُبِهِ لَا يَقْتَضِي دُخُولَهُ فِيهِ حَيْثُ أُطْلِقَ، وَإِنْ دَخَلَ فِي حُكْمِهِ حَيْثُ يُذْكَرُ -

نجاست یعنی اس کی پوری جنس دس عدد ہے:

۲،۱۔پیشاب و پاخانہ، ہر اس حیوان کا (جس میں دو خصوصیات ہوں: ایک یہ کہ اس) کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو یا اصل میں وہ حرام گوشت ہو یا کسی عارضی صفت کی وجہ سے اس کا گوشت حرام ہو گیا ہو (جیسے اس سے کسی انسان نے بد فعلی کی ہو، اور دوسری خصوصیت یہ کہ) وہ خون جہندہ رکھتا ہو یعنی اس کا خون اتنا قوی ہو کہ جب اس کی شہ رگ کاٹی جائے تو اس کا خون اچھل کر نکلے۔

۴،۳۔خون اور منی ہر اس حیوان کی جو خون جہندہ رکھتا ہو چاہے انسان ہو یا غیر انسان اور چاہے خشکی پہ رہنے والا حیوان ہو یا سمندری حیوان ہو اگرچہ اس کا گوشت حلال ہو (تب بھی اس کا خون و منی نجس ہے)۔

۵۔اور مردار بھی ہر اس حیوان کا جو خون جہندہ رکھتا ہو نجس ہے اگرچہ اس کا گوشت حلال ہو ۔

۷،۶۔ کتا اور خنزیر جو خشکی پہ رہتے ہوں نجس ہیں اور ان کے اجزاء بھی نجس ہیں اگرچہ ان اجزاء میں زندگی اور روح سرایت نہ کرچکی ہو (جیسے بال و ناخن) اور جو حیوان ان سے پیدا ہو وہ بھی نجس ہے اگرچہ نام میں ان سے علیحدہ ہو لیکن اگر کوئی حیوان ان میں کسی ایک کے اور کسی پاک حیوان کے ملنے سے پیدا ہو تو وہ نجاست و طہارت کے حکم میں نام کے تابع ہوگا

(پس اگر پاک حیوان کا نام اس پر بولا جائے تو وہ پاک ہوگا) اگرچہ ان پر کوئی تیسرا عنوان بولا جائے تو بھی وہ پاک ہوگا اور اگر اس پر کوئی ایسا عنوان ہو جس کی مثل دنیا میں نہ پائی جاتی ہو تو قوی تر قول کی بناء پر وہ پاک ہوگا اگرچہ اس کا گوشت حرام ہوگا کیونکہ ان دونوں میں ان کے قانون جاری ہونگے (کیونکہ طہارت میں شک ہو تو اس کا قانون اصل طہارت ہے اور جب کسی حیوان کے گوشت کے حلال یا حرام میں شک ہو تو قانون اصل حرمت ہے جب تک اس کے حلال گوشت ہونے کا یقین نہ ہو جائے)۔

۸۔ اور کافر بھی نجس ہے چاہے اصلی ہو یا مرتد ہوا ہو اگرچہ اسلام کا نام لیتا ہو لیکن اسلام کی بعض ضروریات اور واضح احکام کا منکر ہوا ہو، اس کا قانون یہ ہے کہ جو شخص خدا کی خدائی یا نبی کی رسالت یا ان چیزوں میں سے بعض کا انکار کرے جن کا دین میں ثابت ہونا واضح اور یقینی ہے تو وہ کافر ہوگا (اور نجس ہوگا)۔

۹۔ اور ہر نشہ آور چیز جو اصل میں بہنے والی (مائع) ہو (چاہے شراب ہو یا کوئی اور نشہ) وہ نجس ہے۔

۱۰۔ فقّاع اور اس میں اصل یہ ہے کہ وہ جو کے پانی سے لی جاتی ہے لیکن چونکہ اس میں نجاست کا حکم اس کے نام پر آیا ہے تو جس مائع پر اس کا نام بولا جائے اس کے لیے یہ حکم نجاست ثابت ہوگا ساتھ اس کے اس کی خاصیت نشہ موجود ہو یا اس لحاظ سے اس کی حالت مشتبہ ہو تو بھی نجس ہوگی۔

اور مصنف نے یہاں نجاسات میں انگور کے اس شیرے کا حکم بیان نہیں کیا جب اس میں جوش آ جائے اور وہ گاڑھا ہو جائے لیکن اس میں دو تہائی حصہ نہ اڑا ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اس کی نجاست کا تقاضا کرنے والی دلیل نہیں ملی جیسا کہ انہوں نے ذکری اور بیان میں اس کا اعتراف کیا ہے لیکن مطہرات میں آئے گا کہ اس کا دو ثلث چلا جانا اس کے پاک ہونے کا موجب ہے تو اس سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ پہلے نجس ہوا تھا اس لیے وہ پاک ہو رہا ہے تو اسے

نجاست میں ذکر نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور بعض کتابوں میں اس کو ذکر کیا کہ وہ نشہ آور چیزوں کے حکم میں داخل ہے تقاضا نہیں کرتا کہ وہ ان میں داخل ہو جہاں لفظ نشہ آور کو بطور مطلق ذکر کیا جائے اگرچہ اس کے حکم میں داخل ہوگا جہاں اس کو ذکر کیا جائے۔

نجاسات کا حکم

(وَهَذِهِ) النَّجَاسَاتُ الْعَشْرُ (يَجِبُ إزَالَتُهَا) لِأَجْلِ الصَّلَاةِ (عَنْ الثَّوْبِ وَالْبَدَنِ)، وَمَسْجِدِ الْجَبْهَةِ، وَعَنْ الْأَوَانِي لِاسْتِعْمَالِهَا فِيمَا يَتَوَقَّفُ عَلَى طَهَارَتِهَا، وَعَنْ الْمَسَاجِدِ، وَالضَّرَائِحِ الْمُقَدَّسَةِ، وَالْمَصَاحِفِ الْمُشَرَّفَةِ.

اور ان دس نجاسات کو نماز کے لیے کپڑے اور بدن اور پیشانی سے سجدے کی جگہ سے پاک کرنا واجب ہے اور ان برتنوں سے جس کا استعمال کرنا ان کے پاک ہونے پر موقوف ہو اور اسی طرح مسجدیں، معصومینؑ کی ضریح مقدسات اور قرآن کریم کے نسخوں سے ان کو پاک کرنا واجب ہے۔

کپڑے اور بدن میں معاف نجاست

(وَعُفِيَ) فِي الثَّوْبِ وَالْبَدَنِ (عَنْ دَمِ الْجُرْحِ وَالْقُرْحِ مَعَ السَّيْلَانِ) دَائِمًا أَوْ فِي وَقْتٍ لَا يَسَعُ زَمَنُ فَوَاتِهِ الصَّلَاةَ.أَمَّا لَوْ انْقَطَعَ وَقْتًا يَسَعُهَا فَقَدْ اسْتَقْرَبَ الْمُصَنِّفُ " رَحِمَهُ اللَّهُ " فِي الذِّكْرَى وُجُوبَ الْإِزَالَةِ لِانْتِفَاءِ الضَّرَرِ، وَاَلَّذِي يُسْتَفَادُ مِنْ الْأَخْبَارِ عَدَمُ الْوُجُوبِ مُطْلَقًا حَتَّى يَبْرَأَ، وَهُوَ قَوِيٌّ .(وَعَنْ دُونِ الدِّرْهَمِ الْبَغْلِيِّ) سَعَةً، وَقُدِّرَ بِسَعَةِ أَخْمُصِ الرَّاحَةِ، بِعَقْدِ الْإِبْهَامِ الْعُلْيَا، وَبِعَقْدِ السَّبَّابَةِ وَلَا مُنَافَاةَ، لِأَنَّ مِثْلَ هَذَا الِاخْتِلَافِ يَتَّفِقُ فِي الدَّرَاهِمِ بِضَرْبٍ وَاحِدٍ، وَإِنَّمَا يُغْتَفَرُ هَذَا الْمِقْدَارُ (مِنْ)الدَّمِ (غَيْرِ)الدِّمَاءِ (الثَّلَاثَةِ).وَأَلْحَقَ بِهَا بَعْضُ

الْأَصْحَابِ دَمَ نَجَسِ الْعَيْنِ لِتَضَاعُفِ النَّجَاسَةِ، وَلَا نَصَّ فِيهِ.وَقَضِيَّةُ الْأَصْلِ تَقْتَضِي دُخُولَهُ فِي الْعُمُومِ وَالْعَفْوُ عَنْ هَذَا الْمِقْدَارِ مَعَ اجْتِمَاعِهِ مَوْضِعُ وِفَاقٍ، وَمَعَ تَفَرُّقِهِ أَقْوَالٌ : أَجْوَدُهَا إِلْحَاقُهُ بِالْمُجْتَمِعِ، وَيَكْفِي فِي الزَّائِدِ عَنِ الْمَعْفُوِّ عَنْهُ إِزَالَةُ الزَّائِدِ خَاصَّةً .وَالثَّوْبُ وَالْبَدَنُ يُضَمُّ بَعْضُهُمَا إِلَى بَعْضٍ عَلَى أَصَحِّ الْقَوْلَيْنِ وَلَوْ أَصَابَ الدَّمَ وَجْهَيْ الثَّوْبِ فَإِنْ تَفَشَّى مِنْ جَانِبٍ إِلَى آخَرَ فَوَاحِدٌ وَإِلَّا فَاثْنَانِ .وَاعْتَبَرَ الْمُصَنِّفُ فِي الذِّكْرَى فِي الْوَحْدَةِ مَعَ التَّفَشِّي رِقَّةَ الثَّوْبِ، وَإِلَّا تَعَدَّدَ، وَلَوْ أَصَابَهُ مَائِعٌ طَاهِرٌ، فَفِي بَقَاءِ الْعَفْوِ عَنْهُ وَعَدَمِهِ قَوْلَانِ لِلْمُصَنِّفِ فِي الذِّكْرَى وَالْبَيَانِ، أَجْوَدُهُمَا الْأَوَّلُ نَعَمْ يُعْتَبَرُ التَّقْدِيرُ بِهِمَا .

وَبَقِيَ مِمَّا يُعْفَى عَنْ نَجَاسَتِهِ شَيْئَانِ : أَحَدُهُمَا ثَوْبُ الْمُرَبِّيَةِ لِلْوَلَدِ، وَالثَّانِي مَا لَا يَتِمُّ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِيهِ وَحْدَهُ لِكَوْنِهِ لَا يَسْتُرُ عَوْرَتَيْهِ، وَسَيَأْتِي حُكْمُ الْأَوَّلِ فِي لِبَاسِ الْمُصَلِّي، وَأَمَّا الثَّانِي فَلَمْ يَذْكُرْهُ لِأَنَّهُ لَا يَتَعَلَّقُ بِبَدَنِ الْمُصَلِّي، وَلَا ثَوْبِهِ الَّذِي هُوَ شَرْطٌ فِي الصَّلَاةِ مَعَ مُرَاعَاةِ الِاخْتِصَارِ .

اور کپڑے اور بدن میں درج ذیل موارد میں نجاست معاف ہے :

۱۔زخم اور پھوڑے کا خون جب ہمیشہ جاری ہو یا اتنے وقت میں کہ جس سے بقیہ وقت میں نماز انجام نہ دی جاسکتی ہو اور اگر اتنے وقت کے لیے بند ہو جائے کہ جس میں نماز پڑھ سکتا ہو تو مصنف نے ذکری میں اس نظریئے کو قریب تر قرار دیا کہ اس کو پاک کرنا واجب ہے جب اس سے ضرر کا خطرہ نہ ہو اور جو روایات سے استفادہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ زخم و پھوڑے کے صحیح ہونے تک وہ خون معاف ہے اور وہی قوی ہے۔

۲۔ وہ خون جو ایک درہم بغلی سے وسعت میں کم ہو اور اس کی مقدار یہ بیان کی گئی کہ وہ ہتھیلی کی اندر نشیبی جگہ کے برابر ہے اور انگوٹھے کے اوپر والے پورے کے برابر ہے اور وہ شہادت کی انگلی کے اوپر والے پورے کے برابر ہے اور ان تینوں مقداروں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اتنا اختلاف تو ایک قسم کے کئی درہموں میں ہو سکتا ہے اور یہ مقدار عورتوں کے تین قسم کے مخصوص خونوں کے علاوہ کسی خون سے معاف ہے اور بعض علماء نے اس کے ساتھ نجس العین کے خون کو ملحق کیا ہے کیونکہ اس کی نجاست دوبرابر ہوتی ہے لیکن اس میں خصوصی روایت نہیں ہے اور اصل قانون کا تقاضا یہ ہے کہ نجس العین کا خون اس عمومی قانون میں داخل ہو جس میں کہا گیا کہ نماز کے لیے خون کو پاک کرنا چاہیے اور اس مقدار سے جو معافی دی گئی جب خون ایک درہم سے کم ایک ہی جگہ پر ہو تو اس میں سب کا اتفاق ہے لیکن جب مختلف جگہوں پر اس کے قطرے ہوں جو مل کر درہم سے کم ہوں تو اس میں اقوال ہیں ان میں سے بہتر یہ ہے کہ اسے ایک جگہ والے خون کے ساتھ ملحق کیا جائے اور معاف سمجھا جائے اور اگر معاف شدہ مقدار سے زیادہ ہو تو زائد مقدار کو پاک کرنا کافی ہے اور صحیح تر قول کی بناء پر کپڑے اور بدن کو ایکدوسرے کے ساتھ ضمیمہ کیا جائے (یعنی اگر کچھ خون بدن پر ہو اور کچھ کپڑے پر اور ملا کر ایک درہم سے کم ہو تو معاف ہو گا)

اور اگر خون کپڑے کے دونوں طرف سے لگے تو اگر ایک طرف سے دوسری طرح پھیل جائے تو ایک خون شمار ہو گا اور اگر ایک طرف کا خون دوسری طرف نہ پھیلے تو وہ دو خون شمار ہونگے اور مصنف نے ذکری میں پھیلنے کے علاوہ کپڑے کے باریک ہونے کو ان کے ایک ہونے میں شرط رکھی ورنہ وہ دو شمار ہونگے اور اگر اس خون پر کوئی پاک مائع گر جائے تو کیا اس میں معافی والا حکم باقی رہے گا یا نہیں اس میں دو قول ہیں مصنف نے ذکری اور بیان میں اختیار کیئے ہیں ان میں بہتر یہ ہے کہ معافی والا حکم باقی ہے ہاں ان میں یہ شرط ہو گی کہ دونوں ملا کر معاف شدہ مقدار سے زیادہ نہ ہو۔

۳۔اور معاف شدہ نجاست سے دو چیزیں بچ گئیں؛ ایک تو بچے کی تربیت کرنے والی عورت کے کپڑے کی نجاست ہے، اور اس کا حکم نماز گزار کی بحث میں کتاب نماز میں ذکر کیا جائے گا۔
۴۔دوسری اس کی نجاست جس میں مرد کی نماز تمام نہیں ہوتی کیونکہ وہ ان کی شرمگاہوں کو ڈھانپنے سے کم مقدار میں ہے، اور اس کو اصلاً ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ نہ نماز گزار کے بدن سے متعلق ہے اور نہ اس کے لباس سے متعلق ہے کہ جس کی طہارت نماز میں شرط ہے اور مصنف کو اپنی کتاب کے مختصر ہونے کا لحاظ بھی کرنا تھا اس لیے اسے ترک ہی کر دیا۔

کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ

(وَيَغْسِلُ الثَّوْبَ مَرَّتَيْنِ بَيْنَهُمَا عَصْرٌ) وَهُوَ كَبْسُ الثَّوْبِ بِالْمُعْتَادِ لِإِخْرَاجِ الْمَاءِ الْمَغْسُولِ بِهِ، وَكَذَا يُعْتَبَرُ الْعَصْرُ بَعْدَهُمَا، وَلَا وَجْهَ لِتَرْكِهِ وَالتَّثْنِيَةُ مَنْصُوصَةٌ فِي الْبَوْلِ .وَحَمَلَ الْمُصَنِّفُ غَيْرَهُ عَلَيْهِ، مِنْ بَابِ مَفْهُومِ الْمُوَافَقَةِ، لِأَنَّ غَيْرَهُ أَشَدُّ نَجَاسَةً، وَهُوَ مَمْنُوعٌ، بَلْ هِيَ إِمَّا مُسَاوِيَةٌ أَوْ أَضْعَفُ حُكْمًا، وَمِنْ ثَمَّ عُفِيَ عَنْ قَلِيلِ الدَّمِ دُونَهُ، فَالِاكْتِفَاءُ بِالْمَرَّةِ فِي غَيْرِ الْبَوْلِ أَقْوَى عَمَلًا بِإِطْلَاقِ الْأَمْرِ، وَهُوَ اخْتِيَارُ الْمُصَنِّفِ فِي الْبَيَانِ جَزْمًا، وَفِي الذِّكْرَى وَالدُّرُوسِ بِضَرْبٍ مِنْ التَّرَدُّدِ .وَيُسْتَثْنَى مِنْ ذَلِكَ بَوْلُ الرَّضِيعِ فَلَا يَجِبُ عَصْرُهُ، وَلَا تَعَدُّدُ غَسْلِهِ وَهُمَا ثَابِتَانِ فِي غَيْرِهِ، (إِلَّا فِي الْكَثِيرِ وَالْجَارِي) بِنَاءً عَلَى عَدَمِ اعْتِبَارِ كَثْرَتِهِ فَيَسْقُطَانِ فِيهِمَا، وَيَكْتَفِي بِمُجَرَّدِ وَضْعِهِ فِيهِمَا مَعَ إِصَابَةِ الْمَاءِ لِمَحَلِّ النَّجَاسَةِ، وَزَوَالِ عَيْنِهَا .

اور کپڑے کو آب قلیل میں دو بار دھویا جائے اور ان کے درمیان میں اسے نچوڑا جائے یعنی عادی طریقے سے اس کو اتنا دبایا اور نچوڑا جائے کہ اس سے وہ پانی نکل جائے جس کے ساتھ

اس کپڑے کو دھویا جارہا تھا اور اسی طرح دھونے کے بعد بھی نچوڑنا معتبر ہے اور اسے ذکر نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی اور دو بار دھونا پیشاب کی نجاست کے لیے تو روایت میں آیا ہے اور مصنف نے دیگر نجاستوں کو اسی پیشاب کے حکم میں داخل کر دیا ہے اور یہ مفہوم موافقت کے باب سے ہے کیونکہ دیگر نجاستیں پیشاب کی نسبت زیادہ شدید ہیں حالانکہ یہ بات صحیح نہیں بلکہ وہ یا تو پیشاب کی نجاست کے برابر ہیں یا حکم کے لحاظ سے اس سے کم تر ہیں اسی لیے تھوڑے خون کو نماز کی حالت میں معاف کیا گیا ہے لیکن پیشاب کی نجاست کو اصلا معاف نہیں کیا گیا تو دیگر نجاستوں میں ایک دفعہ دھونے پر اکتفاء کرنا قوی تر ہے اس سے دھونے کے حکم کے وسیع مفہوم پر عمل ہو جاتا ہے اور یہی یقین کے ساتھ مصنف نے بیان میں اختیار کیا ہے اور ذکری و دروس میں کچھ تردد اور شک کے ساتھ اسے اختیار کیا ہے۔

اور اس سے دودھ پیتے بچے کے پیشاب کی نجاست کو جدا کیا گیا ہے کہ اس کا نچوڑنا واجب نہیں ہے اور نہ اس کو دو بار دھونا واجب ہے حالانکہ بڑوں کے پیشاب میں یہ دونوں چیزیں ثابت ہیں۔

مگر آب کثیر اور جاری پانی میں کپڑے کو دھوئیں تو ان میں یہ دونوں چیزیں (دو بار دھونا اور نچوڑنا) معاف ہیں اور جاری پانی کو کثیر پانی سے جدا اس لیے کیا کہ اس قول پر بناء رکھی جس میں جاری قلیل پانی کو کثیر کے میں نہیں سمجھتے، بہر حال ان دونوں پانیوں میں کپڑے کو ایک بار دھونا کافی ہے جب پانی نجس تمام جگہوں پر پہنچ جائے اور عین نجاست بھی زائل ہو جائے۔

بدن اور برتن کو پاک کرنے کا طریقہ

(وَيُصَبُّ عَلَى الْبَدَنِ مَرَّتَيْنِ فِي غَيْرِهِمَا) بِنَاءً عَلَى اعْتِبَارِ التَّعَدُّدِ مُطْلَقًا وَكَذَا مَا أَشْبَهَ الْبَدَنَ مِمَّا تَنْفَصِلُ الْغُسَالَةُ عَنْهُ بِسُهُولَةٍ كَالْحَجَرِ وَالْخَشَبِ.(وَ) كَذَا (الْإِنَاءُ)، وَيَزِيدُ أَنَّهُ يَكْفِي صَبُّ الْمَاءِ فِيهِ بِحَيْثُ يُصِيبُ النَّجِسَ وَإِفْرَاغُهُ مِنْهُ

وَلَوْ بِآلَةٍ لَا تَعُودُ إِلَيْهِ ثَانِيًا إِلَّا طَاهِرَةً سَوَاءٌ فِي الْمُثْبَتِ وَغَيْرِهِ، وَمَا يَشُقُّ قَلْعُهُ وَغَيْرُهُ .(فَإِنْ وَلَغَ فِيهِ) أَيْ فِي الْإِنَاءِ (كَلْبٌ) بِأَنْ شَرِبَ مِمَّا فِيهِ بِلِسَانِهِ (قُدِّمَ عَلَيْهِمَا) أَيْ عَلَى الْغَسْلَتَيْنِ بِالْمَاءِ (مَسْحُهُ بِالتُّرَابِ) الطَّاهِرِ دُونَ غَيْرِهِ مِمَّا أَشْبَهَهُ، وَإِنْ تَعَذَّرَ أَوْ خِيفَ فَسَادُ الْمَحَلِّ وَأُلْحِقَ بِالْوُلُوغِ لَطْعُهُ الْإِنَاءَ دُونَ مُبَاشَرَتِهِ لَهُ بِسَائِرِ أَعْضَائِهِ .وَلَوْ تَكَرَّرَ الْوُلُوغُ تَدَاخَلَ كَغَيْرِهِ مِنْ النَّجَاسَاتِ الْمُجْتَمِعَةِ وَفِي الْأَثْنَاءِ يُسْتَأْنَفُ وَلَوْ غَسَلَهُ فِي الْكَثِيرِ كَفَتْ الْمَرَّةُ بَعْدَ التَّعْفِيرِ (وَيُسْتَحَبُّ السَّبْعُ) بِالْمَاءِ (فِيهِ) فِي الْوُلُوغِ، خُرُوجًا مِنْ خِلَافِ مَنْ أَوْجَبَهَا .(وَكَذَا) يُسْتَحَبُّ السَّبْعُ (فِي الْفَأْرَةِ وَالْخِنْزِيرِ) لِلْأَمْرِ بِهَا فِي بَعْضِ الْأَخْبَارِ الَّتِي لَمْ تَنْهَضْ حُجَّةً عَلَى الْوُجُوبِ، وَمُقْتَضَى إطْلَاقِ الْعِبَارَةِ الِاجْتِزَاءُ فِيهِمَا بِالْمَرَّتَيْنِ كَغَيْرِهِمَا .وَالْأَقْوَى فِي وُلُوغِ الْخِنْزِيرِ وُجُوبُ السَّبْعِ بِالْمَاءِ لِصِحَّةِ رِوَايَتِهِ، وَعَلَيْهِ الْمُصَنِّفُ فِي بَاقِي كُتُبِهِ .(وَ) يُسْتَحَبُّ الثَّلَاثُ (فِي الْبَاقِي) مِنْ النَّجَاسَاتِ لِلْأَمْرِ بِهِ فِي بَعْضِ الْأَخْبَارِ.

اور بدن کو کثیر اور جاری پانی کے غیر میں یعنی قلیل پانی میں دو بار دھویا جائے اس پر بناء رکھتے ہوئے کہ تمام نجاستوں کے لیے دو بار دھونا معتبر ہو اور اسی طرح وہ چیزیں جو بدن کے مشابہہ ہیں جن سے غسالہ دھونے کا پانی آسانی سے جدا ہو جاتا ہے جیسے پتھر اور لکڑی اور اسی طرح برتن بھی پاک ہو گا لیکن برتن میں یہ بات اضافہ ہے کہ اس میں اس طرح پانی ڈالنا کافی ہے کہ وہ تمام نجس جگہوں پر پہنچ جائے اور وہ پانی اس سے نکال دیا جائے اگرچہ کسی چیز کے ذریعے جو اس برتن میں دوبارہ نہ لوٹائی جائے مگر پاک کر کے چاہے وہ برتن ایسا ہو جو ایک جگہ گاڑا گیا ہو یا نہ، اور چاہے اس کا اکھاڑنا مشکل ہو یا آسان ہو۔

پس اگر برتن میں سے کتا کچھ پی لے یعنی اس میں اپنی زبان کے ساتھ کسی چیز کو پیئے تو پانی سے دو بار دھونے سے پہلے اسے پاک مٹی سے مانجھ لیا جائے لیکن مٹی کی طرح دوسری کسی پاک چیز سے مانجھنا کافی نہیں ہے اگرچہ یہ مشکل ہو یا اس برتن کے خراب ہونے کا خطرہ بھی ہو اور اسی حکم کس ساتھ ملحق کیا گیا جب کتا برتن سے کچھ چاٹے لیکن اس میں اس کے دیگر اعضاء نہ لگیں تو بھی یہی حکم ہے اور اگر کتا کئی بار ایک برتن سے کچھ پیئے تو دیگر اکٹھی نجاستوں کی طرح یہاں بھی تداخل ہو گا یعنی اسے ایک بار اس طرح پاک کرنا کافی ہے لیکن اگر ایک بار اس طرح پاک کرنے کے دوران دوبارہ چاٹے تو شروع سے اسے اس طریقے سے پاک کرے اور اگر اسے آب کثیر میں دھوئے تو مٹی سے مانجھنے کے بعد ایک بار دھونا کافی ہے اور کتے کے برتن میں کچھ پینے کی صورت میں سات بار پانی سے دھونا مستحب ہے اس کے فتوے کے اختلاف سے بچتے ہوئے کہ جس نے سات بار دھونا واجب کیا ہے، اور اسی طرح چوہا اس میں مرنے اور خنزیر کے چاٹنے کی صورت میں برتن کو سات بار دھونا مستحب ہے کیونکہ بعض روایات میں اس کا حکم دیا گیا ہے جو وجوب کی دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور عبارت کے وسیع مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ ان دو نجاستوں میں دیگر نجاستوں کی طرح دو بار پانی سے دھونا کافی ہے لیکن قوی تر یہ ہے کہ خنزیر کے چاٹنے کی صورت میں سات بار دھویا جائے کیونکہ اس کی روایت کی سند صحیح ہے اور اسی کو مصنف نے باقی تمام کتابوں میں اختیار کیا ہے۔

اور باقی نجاسات میں تین بار دھونا مستحب ہے کیونکہ بعض روایات میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

غسالہ کا حکم

(وَالْغُسَالَةُ) وَهِيَ الْمَاءُ الْمُنْفَصِلُ عَنْ الْمَحَلِّ الْمَغْسُولِ بِنَفْسِهِ، أَوْ بِالْعَصْرِ (كَالْمَحَلِّ قَبْلَهَا) أَيْ قَبْلَ خُرُوجِ تِلْكَ الْغُسَالَةِ، فَإِنْ كَانَتْ مِنْ الْغَسْلَةِ الْأُولَى

وَجَبَ غَسْلُ مَا أَصَابَتْهُ تَمَامَ الْعَدَدِ، أَوْ مِنْ الثَّانِيَةِ فَتَنْقُصُ وَاحِدَةً، وَهَكَذَا وَهَذَا يَتِمُّ فِيمَا يُغْسَلُ مَرَّتَيْنِ لَا لِخُصُوصِ النَّجَاسَةِ.أَمَّا الْمَخْصُوصُ كَالْوُلُوغِ فَلَا، لِأَنَّ الْغُسَالَةَ لَا تُسَمَّى وُلُوغًا، وَمِنْ ثَمَّ لَوْ وَقَعَ لُعَابُهُ فِي الْإِنَاءِ بِغَيْرِهِ لَمْ يُوجِبْ حُكْمَهُ، وَمَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ أَجْوَدُ الْأَقْوَالِ فِي الْمَسْأَلَةِ،وَقِيلَ : إنَّ الْغُسَالَةَ كَالْمَحَلِّ قَبْلَ الْغَسْلِ مُطْلَقًا، وَقِيلَ بَعْدَهُ فَتَكُونُ طَاهِرَةً مُطْلَقًا، وَقِيلَ : بَعْدَهَا.وَيُسْتَثْنَى مِنْ ذَلِكَ مَاءُ الِاسْتِنْجَاءِ فَغُسَالَتُهُ طَاهِرَةٌ مُطْلَقًا مَا لَمْ تَتَغَيَّرْ بِالنَّجَاسَةِ أَوْ تُصَبْ بِنَجَاسَةٍ خَارِجَةٍ عَنْ حَقِيقَةِ الْحَدَثِ الْمُسْتَنْجَى مِنْهُ، أَوْ مَحَلُّهُ .

اور غسالہ وہ پانی ہے جو دھوئے جانے والی جگہ سے خود یا نچوڑنے سے جدا ہوتا ہے اس کا حکم اس دھونے کے نکلنے سے پہلے اس دھوئی جانے والی جگہ کا حکم ہے پس اگر پہلی بار دھونے کا غسالہ ہو تو جس چیز کو وہ پانی لگے تو اسے پورا عدد دھویا جائے اور اگر دوسری بار دھونے کا غسالہ ہو تو ایک بار دھونا کم ہو جائے گا اور اسی طرح یہ اس چیز کے بارے میں حکم درست ہے جسے دو بار دھویا جاتا ہے نہ یہ کہ کسی خاص نجاست کے لیے چند بار دھونے کا حکم ہو لیکن خاص نجاست کی وجہ سے چند بار دھونے کا حکم ہو جیسے کتنے یا خنزیر کے چاٹنے سے تو جس چیز کو اس برتن کا غسالہ لگے تو چونکہ غسالہ کو کتے کا چاٹنا نہیں کہتے اسے چند بار دھونا واجب نہ ہو گا اسی لیے اگر کتے کا لعاب دہن جس برتن میں چاٹے کے گر جائے، تو چاٹنے والا حکم اس پر لاگو نہ ہو گا اور جو مصنف نے غسالہ کے بارے میں نظریہ ذکر کیا وہ اس مسئلے میں بہترین قول ہے اور ایک قول ہے کہ غسالہ دھونے سے پہلے اس محل کی طرح ہے بطور مطلق (چاہے جس بار کا غسالہ ہو لیکن جس چیز کو وہ لگے اس پورے عدد دھونا لازمی ہو گا، یہ علامہ حلی نے نہایہ و ارشاد اور قواعد میں اختیار کیا ہے) اور ایک قول ہے کہ غسالہ کا حکم بطور مطلق اس محلّ

کو دھونے کے بعد کا ہے تو وہ ہر صورت میں پاک ہو گا یعنی اگرچہ پہلی بار کا غسالہ ہو وہ پاک ہو گا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اس دھونے کے بعد کے حکم میں ہو گا پس اگر وہ پہلی بار کا غسالہ ہو تو ایک بار دھونا کافی ہو گا۔

اور غسالے کے اس حکم سے استنجے کا پانی جدا کیا گیا ہے کہ اس کا غسالہ بطور مطلق پاک ہے جب اس میں نجاست کی وجہ سے تبدیلی نہ ہوئی ہو یا اس میں کوئی خارجی ایسی نجاست نہ ملی ہو جو اس نجاست کی حقیقت سے خارج ہو جس سے استنجا کیا گیا یا اس کے محل کی نجاست کی حقیقت سے خارج ہو۔

۴۔ مطہرات

(الرَّابِعَةُ) : (الْمُطَهِّرَاتُ عَشْرَةٌ[1] : الْمَاءُ[2]) وَهُوَ مُطَهِّرٌ (مُطْلَقًا) مِنْ سَائِرِ النَّجَاسَاتِ الَّتِی تَقْبَلُ التَّطْهِیرَ، (وَالْأَرْضُ) تُطَهِّرُ (بَاطِنَ النَّعْلِ) وَهُوَ أَسْفَلُهُ الْمُلَاصِقُ لِلْأَرْضِ،(وَأَسْفَلَ الْقَدَمِ) مَعَ زَوَالِ عَیْنِ النَّجَاسَةِ عَنْهُمَا بِهَا بِمَشْیٍ وَدَلْکٍ وَغَیْرِهِمَا .وَالْحَجَرُ وَالرَّمَلُ مِنْ أَصْنَافِ الْأَرْضِ، وَلَوْ لَمْ یَکُنْ لِلنَّجَاسَةِ جِرْمٌ وَلَا رُطُوبَةٌ کَفَی مُسَمَّی الْإِمْسَاسِ وَلَا فَرْقَ فِی الْأَرْضِ بَیْنَ الْجَافَّةِ وَالرُّطُوبَةِ، مَا لَمْ تَخْرُجْ عَنْ اسْمِ الْأَرْضِ .وَهَلْ یُشْتَرَطُ طَهَارَتُهَا ؟ وَجْهَانِ وَإِطْلَاقُ النَّصِّ وَالْفَتْوَی یَقْتَضِی عَدَمَهُ .وَالْمُرَادُ بِالنَّعْلِ مَا یُجْعَلُ أَسْفَلَ الرِّجْلِ

---

[1] ۔ شہیدین نے دس مطہرات کا ذکر کیا حالانکہ مشہور متاخرین نے مطہرات بارہ ذکر کی ہیں اور پھر شہیدین نے بعض اہم مطہرات کو چھوڑ دیا ہے۔

[2] ۔ پانی کے مطہر ہونے میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے جیسا کہ قرآن کی آیت اس کی تصریح کرتی ہے: وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوراً «ہم نے آسمان سے پانی کو نازل کیا جو پاک کرنے والا ہے، الفرقان الآیۃ: ۴۸»

لِلْمَشْيِ، وِقَايَةً مِنْ الْأَرْضِ وَنَحْوِهَا، وَلَوْ مِنْ خَشَبٍ وَخَشَبَةِ الْأَقْطَعِ كَالنَّعْلِ .(وَالتُّرَابِ فِي الْوُلُوغِ) فَإِنَّهُ جُزْءُ عِلَّةٍ لِلتَّطْهِيرِ، فَهُوَ مُطَهِّرٌ فِي الْجُمْلَةِ (وَالْجِسْمُ الطَّاهِرُ) غَيْرُ اللَّزِجِ، وَلَا الصَّقِيلِ فِي (غَيْرِ الْمُتَعَدِّي مِنْ الْغَائِطِ .وَالشَّمْسُ مَا جَفَّفَتْهُ) بِإِشْرَاقِهَا عَلَيْهِ وَزَالَتْ عَيْنُ النَّجَاسَةِ عَنْهُ مِنْ (الْحُصُرِ وَالْبَوَارِي) مِنْ الْمَنْقُولِ، (وَمَا لَا يُنْقَلُ) عَادَةً مُطْلَقًا، مِنْ الْأَرْضِ وَأَجْزَائِهَا، وَالنَّبَاتِ وَالْأَخْشَابِ، وَالْأَبْوَابِ الْمُثَبَّتَةِ، وَالْأَوْتَادِ الدَّاخِلَةِ، وَالْأَشْجَارِ، وَالْفَوَاكِهِ الْبَاقِيَةِ عَلَيْهَا وَإِنْ حَانَ أَوَانُ قِطَافِهَا، وَلَا يَكْفِي تَجْفِيفُ الْحَرَارَةِ لِأَنَّهَا لَا تُسَمَّى شَمْسًا، وَلَا الْهَوَاءِ الْمُنْفَرِدِ بِطَرِيقٍ أَوْلَى .نَعَمْ لَا يَضُرُّ، انْضِمَامُهُ إلَيْهَا، وَيَكْفِي فِي طُهْرِ الْبَاطِنِ الْإِشْرَاقُ عَلَى الظَّاهِرِ مَعَ جَفَافِ الْجَمِيعِ، بِخِلَافِ الْمُتَعَدِّدِ الْمُتَلَاصِقِ إذَا أَشْرَقَتْ عَلَى بَعْضِهِ .(وَالنَّارُ مَا أَحَالَتْهُ رَمَادًا أَوْ دُخَانًا) لَا خَزَفًا وَآجُرًّا فِي أَصَحِّ الْقَوْلَيْنِ، وَعَلَيْهِ الْمُصَنِّفُ فِي غَيْرِ الْبَيَانِ، وَفِيهِ قَوَّى قَوْلَ الشَّيْخِ بِالطَّهَارَةِفِيهِمَا.

مطہّرات دس ہیں:

۱۔ پانی اور یہ ہر اس نجاست[۱] سے پاک کرنے والا ہے جو پاکی کو قبول کرتی ہے۔

[۱]۔ قاعدہ کے لحاظ سے عین نجاسات کو پانی سے پاک نہیں کیا جاسکتا مثلا خون یا کتے پانی سے دھونے سے پاک نہیں ہونگے اس لیے بہتر یہ تھا کہ شہید فرماتے؛ پانی متنجسات کو پاک کرتا ہے کیونکہ وہ چیزیں جو نجاست لگنے سے متنجس ہو جائیں ان کو پانی سے پاک کیا جاتا ہے لیکن بعض صورتوں میں بعض نجاسات بھی ممکن ہیں پانی سے پاک ہوں جیسے انسان کا مردہ جسم نجس ہے لیکن جب اسے تین غسل ہوچکیں تو پاک ہوجاتا ہے (تفصیل ملاحظہ ہو؛ الفتاوی الواضحہ شہید صدر ج۱ص۱۷۳ کتاب الطہارہ فصل ٦)

۲۔ زمین اور یہ جوتے کے تلوے کو پاک کرتی ہے جو زمین کے ساتھ ملا ہوتا ہے اور پاوں کے تلوے کو بھی پاک کرتی ہے[۱] جب ان دونوں سے عین نجاست چلنے یا رگڑنے وغیرہ سے زائل ہو جائے اور پتھر اور ریت بھی زمین کی قسموں میں سے ہیں اور اگر نجاست کی مادی تہہ نہ ہو اور نہ رطوبت تو زمین پر رگڑنا یا چلنا ہی کافی ہے اور زمین میں فرق نہیں وہ خشک ہو یا گیلی جب تک اس حدّ تک نہ ہو کہ زمین کے نام سے نکل جائے اور کیا زمین کا پاک ہونا شرط ہے یا نہیں ؟اس میں دو وجہیں ہیں اور نص و فتوے کا وسیع مفہوم اس کے پاک ہونے کی شرط نہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور جوتے سے مراد وہ ہے جو چلنے کے لیے پاوں کے نیچے پہنی جاتی ہے تاکہ زمین وغیرہ سے پاوں کا بچاو ہو اگرچہ وہ لکڑی کی ہو اور پاوں کٹے ہوئے شخص کی لکڑی جوتے کی طرح ہے۔

۳۔ کتے کے چاٹے ہوئے برتن کے لیے مٹی بھی اس کی پاکی کے سبب کا جزء ہے تو وہ بھی ایک حدّ تک پاک کرنے والی ہے۔

---

[۱]۔ زمین کے پاوں کے تلوے کو پاک کرے کی دلیل معتبر روایات ہیں جیسے ا۔ صحیح زرارۃ عن إبي جعفر علیہ السّلام: (رجل وطأ علی عذرۃ فساخت رجلہ فیہا، إینقض ذلک وضوءہ وہل یجب علیہ غسلہا؟ فقال علیہ السّلام: لا یغسلہا إلا إن یقذرہا، ولکنہ یمسحہا حتی یذہب إثرہا ویصلی) «وسائل الباب۔ ۳۲ إبواب نجاسات حدیث ۷» ۲۔ معتبرہ معلّی بن خنیس عن إبي عبد اللّٰہ علیہ السّلام: (فی الخنزیر یخرج من الماء فیمرّ علی الطریق فیسیل منہ الماء، إمرّ علیہ حافیا، فقال علیہ السّلام: إلیس وراءہ شيء جاف؟ قلّت: بلی، قال علیہ السّلام: فلا بأس إن الأرض یطہر بعضہا بعضا) ۳۔ حسنہ حلبی عن إبي عبد اللّٰہ علیہ السّلام: (إن طریقي إلی المسجد فی زقاق یبال فیہ، فربما مررت فیہ ولیس علیّ حذاء فیلصق برجلی من نداوتہ، فقال علیہ السّلام: إلیس تمشّی بعد ذلک فی إرض یابسۃ؟ قلّت: بلی، قال علیہ السّلام: فلا بأس إن الأرض یطہر بعضہا بعضا). وان روایات میں تعلیل: (إن الأرض یطہر بعضہا بعضا) کے عموم سے حکم جوتے کے تلوے اور ٹانگ کٹے ہوئے شخص کے مصنوعی پاوں کو بھی شامل ہوگا کیونکہ ان کا زمین پر چلنا صدق کرتا ہے لیکن اندھے شخص کے عصا کے لیے یہ حکم ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس پر چلنا صدق نہیں آتا اور صحیح محمد بن نعمان عن إبي عبد اللّٰہ علیہ السّلام: (فی الرجل یطأ علی الموضع الذی لیس بنظیف ثم یطأ بعدہ مکانا نظیفا، فقال علیہ السّلام: لا بأس إذا کان خمسۃ عشر ذراعا إو نحو ذلک) سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے ساتھ وہ چیز پاک ہوگی جس پر چلنا صدق کرتا ہو اگر زمین پر چلنے کی وجہ سے نجس ہو جائے تو اس پر چلنے سے پاک ہو جائے گی۔

۴۔اور پاک چیز جو پھسلنے والا اور تیز نہ ہو وہ اس پاخانے سے پاک کرنے والا ہے جو حد سے زیادہ نہ پھیل چکا ہو۔

۵۔اور سورج اس چیز کو پاک کرتا ہے جس پر چمکنے کے ساتھ اس کو خشک کردے اور اس سے اس کی عین نجاست زائل ہو جائے جیسے چٹائیاں اور بوریا جو منقول ہوتی ہیں اور اسی طرح وہ چیزیں جنہیں عادۃ بطور مطلق ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل نہیں کیا جاسکتا زمین اور اس کے اجزاء، نباتاب اور لکڑیاں اور گاڑے ہوئے دروازے اور لگے ہوئے کیل اور درخت اور ان پر لگے ہوئے پھل اگرچہ ان کے چننے کا وقت آگیا ہو اور سورج کی حرارت سے خشک ہونا پاک ہونے کے لیے کافی نہیں، کیونکہ وہ سورج نہیں کہلاتے اور نہ تنہا ہوا پاک کرنے والی ہے جو بدرجہ اولی پاک نہیں کرتا ہاں سورج کے ساتھ ان چیزوں کا، مل جانا ضرر نہیں پہنچاتا اور اس چیز کے اندرونی حصے کے پاک ہونے کے لیے اس ظاہری حصے پر سورج کا چمکنا کافی ہے جب اس سے اس کا تمام حصہ خشک ہو جائے بخلاف ان چند چیزوں کے جو آپس میں ملی ہوئی ہوں جب ان میں سے بعض پر سورج چمکے تو دوسری خشک ہو جائیں تو وہ پاک نہ ہونگی صرف وہ پا ک ہو گی جس پر مستقیما سورج چمکے۔

٦۔آگ جس چیز کو جلا کر راکھ یا دھوان بنادے نہ گچ اور اوینٹ کہ اس صورت میں پاک نہ کرے ی یہ صحیح تر قول ہے اور مصنف نے بیان کے علاوہ کتابوں میں اسی کو اختیار کیا لیکن بیان میں شیخ طوسی کے قول کی تقویت کی کہ اگر گچ یا اینٹ بنادے تو بھی پاک کردے گی۔

(وَنَقْصُ الْبِئْرِ) بِنَزْحِ الْمُقَدَّرِ مِنْهُ، وَكَمَا يَطْهُرُ الْبِئْرُ بِذَلِكَ فَكَذَا حَافَّاتُهُ، وَآلَاتُ النَّزْحِ، وَالْمُبَاشِرُ وَمَا يَصْحَبُهُ حَالَتُهُ (وَذَهَابُ ثُلُثَيْ الْعَصِيرِ) مُطَهِّرٌ الثُّلُثَ الْآخَرَ عَلَى الْقَوْلِ بِنَجَاسَتِهِ وَالْآلَاتِ وَالْمَزَاوِلِ.(وَالِاسْتِحَالَةُ) كَالْمَيْتَةِ وَالْعَذِرَةِ تَصِيرُ تُرَابًا وَدُودًا، وَالنُّطْفَةُ وَالْعَلَقَةُ تَصِيرُ حَيَوَانًا، غَيْرَ الثَّلَاثَةِ وَالْمَاءُ

النَّجِسُ بَوْلًا لِحَيَوَانٍ مَأْكُولٍ وَلَبَنًا وَنَحْوَ ذَلِكَ (وَانْقِلَابُ الْخَمْرِ خَلًّا) وَكَذَا الْعَصِيرُ بَعْدَ غَلَيَانِهِ وَاشْتِدَادِهِ .(وَالْإِسْلَامُ) مُطَهِّرٌ لِبَدَنِ الْمُسْلِمِ مِنْ نَجَاسَةِ الْكُفْرِ وَمَا يَتَّصِلُ بِهِ مِنْ شَعْرٍ وَنَحْوِهِ، لَا لِغَيْرِهِ كَثِيَابِهِ (وَتَطْهُرُ الْعَيْنُ وَالْأَنْفُ وَالْفَمُ بَاطِنُهَا وَكُلُّ بَاطِنٍ) كَالْأُذُنِ وَالْفَرْجِ (بِزَوَالِ الْعَيْنِ)، وَلَا يَطْهُرُ بِذَلِكَ مَا فِيهِ مِنْ الْأَجْسَامِ الْخَارِجَةِ عَنْهُ، كَالطَّعَامِ وَالْكُحْلِ .أَمَّا الرُّطُوبَةُ الْحَادِثَةُ فِيهِ كَالرِّيقِ وَالدَّمْعِ فَبِحُكْمِهِ وَطُهْرُ مَا يَتَخَلَّفُ فِي الْفَمِ مِنْ بَقَايَا الطَّعَامِ وَنَحْوِهِ بِالْمَضْمَضَةِ مَرَّتَيْنِ عَلَى مَا اخْتَارَهُ الْمُصَنِّفُ مِنْ الْعَدَدِ، وَمَرَّةً فِي غَيْرِ نَجَاسَةِ الْبَوْلِ عَلَى مَا اخْتَرْنَاهُ .

۷۔اور کنویں سے معین مقدار میں پانی نکالنے سے اس کے پانی کا کم ہونا بھی اس کو پاک کرتا ہے جیسے خود کنواں اس سے پاک ہو جاتا ہے اسی طرح اس کے کنارے اور پانی نکالنے کے وسائل اور پانی نکالنے والے افراد اور جو چیزیں ان کے ساتھ ہوں وہ بھی پاک ہو جاتے ہیں۔

۸۔اور انگور کے شیرے کا ابال آنے کے بعد دو تہائی حصہ چلا جانا اس کے باقی ایک تہائی حصے کو پاک کر دیتا ہے اگر اس کی نجاست کے قائل ہوں اور اسی طرح اس کے وسائل اور اس کو کم کرنے والا بھی پاک ہو جائے گا۔

۹۔اور استحالہ (کسی نجس چیز کی جنس ہی بدل جائے) بھی پاک کرنے والا ہے جیسے مردار اور گند جب گل سڑ کر مٹی اور کیڑے بن جائیں اور نطفہ وعلقہ جب تین نجس العین حیوانات کے علاوہ کسی حیوان کی صورت بن جائیں اور نجس پانی جب کسی حلال گوشت حیوان کا پیشاب اور دودھ وغیرہ بن جائے۔

۱۰۔اور شراب کا سرکے میں تبدیل ہو جانا اور اسی طرح انگور کا رسّ جب جوش ہونے اور گاڑھا ہونے کے بعد سرکہ بن جائے تو پاک ہو جاتے ہیں۔

۱۱۔اسلام مسلمان کے بدن سے کفر کی نجاست سے پاک کرنے والا ہے اور جو بال وغیرہ اس کے بدن کے ساتھ متصل ہوں لیکن دوسری چیزوں کو اسلام پاک نہیں کرتا جیسے اس کے کپڑے وغیرہ۔

۱۲۔آنکھ، ناک اور منہ اور ہر اندرونی جگہ جیسے کان وشرمگاہ سے عین نجاست کا زائل ہونا ان کو پاک کردیتا ہے اور اس کے ساتھ ان میں موجود خارجی اجسام پاک نہیں ہوتے جیسے منہ میں کھانا اور آنکھ میں سرمہ لیکن ان میں بننے والی رطوبت جیسے لعاب دہن اور آنسو تو وہ ان اندرونی جگہوں کی طرح عین نجاست کے زائل ہونے سے پاک ہوجاتے ہیں اور منہ میں باقی رہ جانے والے کھانے وغیرہ کے ٹکڑے دوبار کلی کرنے سے پاک ہونگے جیسا کہ مصنف نے پاک کرنے کے لیے دوبار دھونے کو معتبر جانا اور ہمارے نظریئے کے مطابق پیشاب کے علاوہ کسی نجاست کے لیے ایک دفعہ کلی کرنے سے پاک ہونگے۔

فصل ١: وضو

طہارت کی اقسام

(ثُمَّ الطَّهَارَةُ) عَلَى مَا عُلِمَ مِنْ تَعْرِيفِهَا (اسْمٌ لِلْوُضُوءِ وَالْغُسْلِ وَالتَّيَمُّمِ) الرَّافِعِ لِلْحَدَثِ أَوْ الْمُبِيحِ لِلصَّلَاةِ عَلَى الْمَشْهُورِ، أَوْ مُطْلَقًا عَلَى ظَاهِرِ التَّقْسِيمِ (فَهُنَا فُصُولٌ ثَلَاثَةٌ): (الْأُولَى فِى) (الْوُضُوءِ) بِضَمِّ الْوَاوِ : اسْمٌ لِلْمَصْدَرِ فَإِنَّ مَصْدَرَهُ التَّوَضُّؤُ، عَلَى وَزْنِ التَّعَلُّمِ وَأَمَّا الْوَضُوءُ بِالْفَتْحِ، فَهُوَ الْمَاءُ الَّذِى يُتَوَضَّأُ بِهِ .

وَأَصْلُهُ مِنْ الْوَضَاءَةِ، وَهِيَ النَّظَافَةُ وَالنَّضَارَةُ مِنْ ظُلْمَةِ الذُّنُوبِ -

پھر طہارت کی تعریف سے معلوم ہو چکا کہ وہ وضو، غسل اور تیمّم کا نام ہے جو حدث کو اٹھا دیں یا مشہور قول کی بناء پر نماز کو مباح کر دیں یا ظاہری تقسیم کے مطابق بطور مطلق یہ طہارت ہیں تو یہاں تین فصلیں ہیں؛ اوران میں سے پہلی فصل وُضُو کے بارے میں ہے یہ اسم مصدر ہے اس کا مصدر باب تفعّل سے تعلّم کے وزن پر توضّو ہے لیکن وَضُو واو کی زبر کے ساتھ وہ پانی ہے جس کے ساتھ وُضُو کیا جاتا ہے اور اس کی اصل وَضَاءَۃٌ ہے اور وہ گناہوں کی تاریکی سے پاکی اور روشنی ہے[1]۔

---

[1]۔ وضو میں دو واضح فائدے ہیں: ایک فائدہ صحت کے حوالے سے ہے اور دوسرا فائدہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے ہے۔ صحت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ایک دن میں پانچ مرتبہ یا کم از کم تین مرتبہ چہرے اور ہاتھوں کے دھونا، بدن کی نظافت اور پاکیزگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ سر اور پاؤں کے مسح کی شرط کہ جس میں ضروری ہے کہ پانی بالوں یا بدن کے چمڑے کو مَس کرے بھی اس چیز کا سبب بنتا ہے کہ یہ اعضاء بھی پاک صاف رکھے جائیں اور پانی کا بدن کے چمڑے کو مس کرنا [سمپاتھیک (sympathetic)،اعضاء کو فعالیت کے لیے ابھارنے کا نظام اور پیرا سمپاتھیک (parasympathetic)اور اعضاء کو فعالیت سے روکنے کا نظام؛] اعصاب معتدل رکھنے میں بہت مؤثر ہے۔ اخلاقی و

[تتمہ بحث: طہارت کے قرآنی حکم کا بیان]

وضو، غسل اور تیمّم کا حکم صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں بھی ذکر ہوا ہے اس لیے مقدمہ کے طور پر ان کو ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ وہ تمام ابحاث کی اصل اور اساس ہے سو واضح ہو کہ طہارت کی ان تین قسموں کا ذکر سورہ نساء اور سورہ مائدہ میں ہوا ہے ذیل میں ان کو ذکر کیا جاتا ہے:

آیت سورت نساء

اور سورہ نساء میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا[1]۔

ترجمہ: اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جایا کرو یہاں تک کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور جنابت کی حالت میں بھی، یہاں تک کہ غسل کرلو مگر یہ کہ کسی راستے سے گزر رہے ہو اور اگر

روحانی حوالے سے دیکھا جائے تو چونکہ یہ کام قصد قربت سے اور خدا کے لیے کیا جاتا ہے لہٰذا تربیتی اثرات کا حامل ہے خصوصاً جب کہ کنایۃً اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں سر سے لے کر پاؤں تک تیری اطاعت کے لیے حاضر ہوں۔ اس اخلاقی اور معنوی پہلو کی موید وہ روایت ہے جو امام علی بن موسٰی رضا علیہما السلام سے منقول ہے، آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: عن الفضل بن شاذان، عن الرضا (علیہ السلام) قال: إنما أمر بالوضوء، وبدیء بہ، لأن یکون العبد طاہرا إذا قام بین یدی الجبار، عند مناجاتہ إیاہ، مطیعا لہ فیما أمرہ، نقیا من الأدناس والنجاسۃ، مع ما فیہ من ذہاب الکسل، وطرد النعاس، وتزکیۃ الفؤاد للقیام بین یدی الجبار، وضو کا حکم اس لیے دیا گیا ہے اور عبادت کی ابتداء اس سے اس لیے کی گئی ہے تاکہ بندے جب بارگاہ الٰہی میں کھڑے ہوں اور مناجات کریں تو پاک و پاکیزہ ہوں، اس کے احکام پر کاربند رہیں اور آلودگیوں اور نجاستوں سے دور رہیں۔ اس کے علاوہ وضو کے سبب سے نیند اور سُستی کے اثرات انسان سے دور ہوجاتے ہیں نیز یہ اس لیے ہے تاکہ دل درگاہِ خداوندی میں کھڑے ہونے کے لیے روشنی اور پاکیزگی حاصل کرلے۔

[1] سورہ نساء، آیت ۴۳۔

تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہمبستری کی ہو اور تمہیں پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی پر تیمّم کرو چنانچہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرو، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔

اس آیت سے چند اسلامی احکام معلوم ہوتے ہیں :

۱۔نشے کی حالت میں نماز کی حرمت

یعنی جو لوگ مست ہوں وہ نماز ادا نہیں کر سکتے اور ان کی نماز اس حالت میں باطل ہے، اس کا فلسفہ بھی واضح ہے کیونکہ نماز بندے کی خدا کے ساتھ گفتگو اور راز و نیاز ہے۔ اسے انتہائی توجہ اور ہوش مندی کے ساتھ انجام پانا چاہئیے اور مست لوگ اس منزل سے دور اور بے خبر ہوتے ہیں (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ)-

ممکن ہے اس موقع پر سوال ہو کہ کیا آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ مشروبات الکحل کا پینا صرف اس صورت میں منع ہے جب کہ اس کی مستی نماز کی حالت تک باقی رہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ باقی حالات میں ان کا پینا جائز ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام اپنے بہت سے احکامات کو عملی صورت دینے میں تدریجی طریقہ اختیار کرتا ہے مثلاً یہی مشروبات الکحل کا مسئلہ چند مرحلوں میں آیا ہے۔ پہلے اس کا پینا ناپسندیدہ اور "رزقاًحسناً" (نحل ۶۷) کے برعکس قرار دیا گیا بعد ازیں نشہ کی حالت میں نماز سے منع فرمایا۔ اس کے نفع اور نقصان کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا ہے اور یہ ثابت کیا کہ اس کے نقصانات فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ پھر آخری مرحلے میں اس سے قطعی اور صریحی اور ممانعت کی گئی ہے (مائدہ ۹۰)۔ اصولی طور پر ایک اجتماعی اور اخلاقی فساد کی جڑ کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے جس سے ماحول بری طرح سے متاثر ہو رہا ہو، اس سے بہتر اور روشن تر اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ افراد کو آہستہ آہستہ اسے چھوڑنے پر آمادہ کیا جائے اور پھر آخری حکم دیا جائے۔

یہ آیت کسی طرح بھی شراب نوشی کے جواز پر دلالت نہیں کرتی بلکہ وہ صرف حالت نماز میں مستی کے بارے میں گفتگو کر رہی ہے۔ نماز کی حالت کے علاوہ کے لئے خاموش ہے، یہاں تک کہ آخری حکم آجائے۔ اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ نماز پنجگانہ کے اوقات خصوصاً اس زمانے میں جب عام طور پر پانچ وقتوں میں پڑھی جاتی تھی کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا تھا۔ اب نماز بحالت ہوش وحواس پڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان اوقات کے درمیانی فاصلے میں ایسی مشروبات سے جو نشہ آور ہیں کلی طور پر پرہیز کیا

جائے کیونکہ اکثراوقات شراب کا نشہ نماز کے وقت تک باقی رہتاہے اور ہوش وحواس برقرار نہیں رہتے، اس بناپر یہ آیت ایک طرح سے دائمی اور مسلسل تحریم کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ نیز بہت سی روایتیں جو شیعہ سنی کتب میں آئی ہیں ان میں مندرجہ بالاآیت کے معنی نیند کی مستی کے لئے گئے ہیں۔ یعنی جب تک اچھی طرح نہ جاگ جاؤ نماز شروع نہ کرو جب تک تمہیں معلوم نہ ہوسکے کہ کیا کہہ رہے ہو[1] لیکن اس تفسیر کے لئے "حتیٰ تعلموا ما تقولون" کے مفہوم سے فائدہ اٹھایا گیاہے "سکاریٰ" سے نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہاں تک کہ تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؛اس سے معلوم ہوتاہے کہ ہر اس حالت میں نماز پڑھنا جس میں انسان کے ہوش وحواس پورے طور پر بجانہ ہوں ممنوع ہے، چاہے وہ مستی کی حالت ہو یااونگھ اور نیند کے خمار کے عالم میں۔اس جملہ سے یہ استفادہ کیا جاسکتاہے کہ بہتر ہے کہ انسان سستی اور کم توجہ کی حالت میں بھی نماز نہ پڑھے کیونکہ اس حالت میں کمزوری سی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام محمد باقر (ع) سے منقول ہے: جب تم کسالت اور سستی میں ہو یااونگھ رہے ہو یا طبیعت بوجھل ہو توایسی حالت میں نماز نہ پڑھو کیونکہ خداوند عالم نے مومنین کو مستی کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے[2]۔

۲۔ حالتِ جنابت میں نماز کا باطل ہونا۔

اس حکم کی طرف "ولا جنباً" سے اشارہ کیا گیاہے۔اس کے بعد اس حکم سے استثنا کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہواہے: الا عابری سبیل (مگر یہ کہ مسافرت میں ہوں) اگر مسافرت میں پانی نہ ملے تو تیمّم سے نماز پڑھو ،لیکن اخبار و روایات میں اس آیت کی ایک دوسری تفسیر بھی درج ہے اور وہ یہ ہے کہ آیت میں لفظ صلوٰۃ سے مراد نماز پڑھنے کی جگہ اور مسجد ہے یعنی حالت جنابت میں مساجد میں داخل نہ ہوں اس کے بعد ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیاہے جو حالت جنابت میں مسجد سے گزریں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتاہے کہ مسلمانوں اور اصحاب نبیؐ کی ایک جماعت نے مسجد نبوی کے اطراف میں ایسے گھر بنائے ہوئے تھے جن کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے اور انہیں اجازت دی گئی تھی کہ وہ حالت جنابت میں مسجد سے بلا توقف گزر جائیں، لیکن اس تفسیر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آیت میں لفظ صلوٰۃ دو معنی میں استعمال ہواہے کہ ایک

---

[1]۔ تفسیر نورالثقلین جلداول صفحہ ۴۸۳ و تفسیر قرطبی جلد سول صفحہ ۱۷۷۱۔

[2]۔ تفسیر نورالثقلین جلداول صفحہ ۴۸۳،اس مضمون کے مشابہ صحیح بخاری میں بھی ایک روایت ہے۔

نماز اور دوسرا " محل نماز " کیونکہ اس آیت میں دو حکم بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ حالت نشہ میں نماز نہ پڑھی جائے اور دوسرا حالت جنابت میں مساجد میں داخل نہ ہوں۔ لیکن چونکہ ایک لفظ کا دو معنی میں استعمال شک و شبہ سے بالاتر ہے لیکن خلافِ ظاہر ضرور ہے اور قرینہ کے بغیر جائز نہیں ہے تو یہ روایات اس کا قرینہ قرار دی بن سکتی ہیں۔

۳۔ غسل کرنے کے بعد نماز پڑھنے اور مسجد سے گزرنے کا جواز

غسل کر چکنے کے بعد نماز پڑھنے یا مسجد سے گزرنے کے جواز کو ''حتی تغتسلوا'' سے بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ تیمّم کا حکم

جو پانی نہ ملنے یا کسی اور وجہ سے معذور ہوں ان کے تیمّم کا حکم بیان کیا گیا ہے: و ان کنتم مرضی او علی [1] سفر یعنی اگر بیمار ہو جاؤ یا سفر میں ہو۔ اس عبارت میں تشریع تیمّم کے تمام مواقع جمع ہیں؛ پہلا مقام وہ ہے جہاں پانی جسم کے لئے ضرر رساں ہو اور دوسرا مقام وہ ہے جہاں انسان کو پانی نہ ملے یا اس کے استعمال کی طاقت نہ ہو۔

پھر فلم تجدوا ماءً کا جملہ جو اصطلاح کے مطابق فاء تفریع سے شروع ہوتا ہے اور " علیٰ سفر " سے مربوط ہے یعنی جس وقت تم سفر میں ہو تو ممکن ہے کہ پانی نہ مل سکے اور تمہیں تیمّم کی ضرورت پڑے کیونکہ انسان جب بستی میں ہو پھر ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جو بعض مفسرین (جیسے صاحب المنار) نے لکھی ہے کہ فقط مسافرت ہی وضو کی بجائے تیمّم کرنے کے لئے کافی ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ فاء تفریعی " فلم تجدوا " میں اس بات کو باطل کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ سفر میں کبھی پانی نہیں ملتا تو ایسے موقع پر تیمّم کر لینا چاہئیے نہ یہ کہ حالت سفر ہی میں تیمّم جائز ہے

پھر فرمایا: اوجاء احدمنکم من الغائط اولا مستم النساء [1]، اس جملے سے تیمّم کی ضرورت کے اسباب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو یا عورتوں سے ہم بستری

---

[1]۔ لفظ "او" "اوجاء احد منکم من الغائط " کے جملہ میں "واؤ" کے معنی میں ہے کیونکہ بیماری یا مسافرت تیمّم کا سبب نہیں ہیں بلکہ ایسی حالت میں اگر اسباب وضو یا غسل حاصل نہ ہوں تو اس وقت تیمّم واجب ہے اور ثانیاً اس آیت میں قرآن کے بیان کی نفاست و پاکیزگی دوسری بہت سی آیتوں کی طرح یہاں بھی موجود ہے کیونکہ جب چاہتا ہے کہ قضائے حاجت کے متعلق گفتگو

کرو، فلم تجدوا ماء؛۔ اور تمہیں پانی نہ ملے، فتیمموا صعیداً طیباً تواس موقع پر پاکیزہ مٹی پر تیمّم کرلو۔ اس کے بعد تیمّم کا طریقہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے : فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَ اَيْدِيكُمْ؛اس کے بعد اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرو۔آیت کے آخر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم تمہارے لئے ایک قسم کی سہولت اور آسانی ہے۔ چونکہ خدا معاف کرنے اور بخشنے والا ہے۔

آیت سورہ مائدہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ[1]؛

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تواپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لیا کرو نیز اپنے سروں کا اور پاوں کی ابھری ہوئی جگہ تک پاوں کا مسح کرو، اگر تم حالت جنابت میں ہو تو پاک ہو جاؤ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کر کے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا (ہمبستری کی) ہو پھر تمہیں پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی سے تیمّم کرو پھر اس سے تم اپنے چہروں اور

کرے تو ایسی تعبیر کو چنتا ہے جو مطلب سمجھادے اور نامناسب لفظ بھی استعمال نہ ہونے پائے اس لئے فرماتا ہے : اوجاء احد منکم من الغائط اس کی وضاحت یوں ہے کہ "غائط" بخلاف اس مفہوم کے جو آجکل اس سے سمجھا جاتا ہے [غائط کا لفظ آج کل عموماً انسانی فضلہ کے لئے بولا جاتا ہے]۔اصل میں ایسی نشیبی زمین کے لئے بولا جاتا ہے جو انسان کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپالے اور اس زمانے میں بیابانوں میں پھرنے والے اور مسافر لوگ قضائے حاجت کے لئے ایسی جگہوں پر جاتے تھے تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ بنابریں اس جملے کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص نشیبی جگہ سے آیا ہو جو عام طور پر قضائے حاجت کی طرف کنایہ ہے اور قابل توجہ یہ بات ہے کہ تم کی بجائے تم میں سے کوئی لفظ استعمال ہوا ہے تاکہ بیان کی نفاست بڑھ جائے۔۔اسی طرح مباشرت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو "اولامستم النساء" یا عورتوں سے لمس کیا ہو کی تعبیر سے سمجھایا گیا ہے اور لفظ "لمس" ہم بستری کے لئے عمدہ کنایہ ہے۔۔

[1]۔مائدہ، آیت ٦۔

ہاتھوں کا مسح کرو، اللہ تمھیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک اور تم پر اپنی نعمت مکمل کرنا چاہتا ہے شاید تم شکر کرو۔

وضو کے متعلق

قرآن مجید کی آیات میں جسمانی پاکیزگی اور مادی نعمات کے ساتھ ساتھ روحانی پاکیزگی پر بھی بہت زور دیا گیا ہے، اس آیت میں ان امور کا تذکرہ ہے جو روحانی طہارت کا باعث ہیں۔ اس میں وضو، غسل اور تیمّم کے احکام ہیں اور روح کی صفائی کا باعث ہیں پہلے تو اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے احکامِ وضو بیان کیے گئے ہیں: اے ایمان والو! جب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ،ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے منقول متعدد روایات میں ہے کہ قمتم (تم کھڑے ہو) سے مراد ہے نیند سے اٹھنا ہے اور آیت کے تمام حصوں پر غور کرنے سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ بعد میں تیمّم کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے؛ او جاء احد منکم من الغائط (یا کوئی تم میں سے قضائے حاجت سے لوٹے)، اگر آیت کا خطاب اصطلاحاً بے وضو افراد سے ہوتا تو اس جُملے کا عطف اور وہ بھی "او" کے ذریعے آیت کے ظاہری مفہوم سے مناسبت نہیں رکھتا تھا کیونکہ وہ بھی بے وضو کے عنوان میں داخل ہے لیکن اگر آیت کے آغاز میں خطاب نیند سے اٹھنے والے لوگوں سے ہے اور اصطلاح کے مطابق صرف نیند کا حدث بیان کیا گیا ہے تو پھر اس جملے کا مفہوم بھی مکمل ہو گا کہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور سر کے ایک ایک حصّے کا اور اسی طرح پاؤں کا ابھری ہوئی جگہ تک مسح کرو۔

*آیت میں وضو میں دھونے کے لیے چہرے کی حُدود کا ذکر نہیں، لیکن روایاتِ اہلِ بیت (علیہ السلام) میں رسول اللہ ﷺ کے وضو کرنیکا طریقہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ در اصل یہ "وجہ" (چہرے) کے اس معنی کی وضاحت ہے جو عرف عام میں اس سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ وجہ (چہرہ) وہی حِصّہ ہے جس کا انسان سے ملتے ہی "مواجہ" (سامنا) ہوتا ہے۔

* ہاتھ کی حد جو وضو میں دھوئی جانی چاہیے کہنی تک بیان ہوئی ہے کیونکہ "مرفق" کی جمع ہے جس کا معنی ہے "کہنی"۔ جب کہا جائے کہ ہاتھ دھولو تو ممکن ہے ذہن میں یہ آئے کہ انھیں کلائی تک دھونا ہے کیونکہ عام طور پر یہی مقدار دھوئی جاتی ہے اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے: کہنیوں تک دھوؤ (الی المرافق) اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ "الیٰ" اس آیت میں فقط دھونے کی حد بیان کرنے کے لیے ہے نہ کہ کیفیت بیان کرنے کے لیے کہ آیت کہتی ہو کہ ہاتھ کو انگلیوں کے سروں سے لے کر کہنی تک دھونا

چاہیے (جیسا کہ اہل سنت کے ایک طبقے میں رائج ہے)۔ یہ بالکل اس طرح ہے کہ انسان کسی کاریگر سے کہے کہ کمرے کی دیوار کو نیچے سے لے کر ایک میٹر اوپر تک رنگ کردو تو واضح ہے کہ مقصد یہ نہیں کہ دیوار کو نیچے سے اوپر کی طرف رنگ کرو بلکہ مراد یہ ہے کہ اتنی مقدار کو رنگ کرو۔ اس سے زیادہ یا کم نہ ہو، اس لیے یہاں آیت میں بھی صرف ہاتھ کی وہ مقدار مقصود ہے جسے دھونا چاہیے۔ اور اس کی کیفیت اور طریقہ تو وہ سنتِ پیغمبر ﷺ میں ہے جو ان کے اہل بیت (علیہ السلام) کے وسیلے سے ہم تک پہنچی ہے اس کے مطابق کہنیوں سے لے کر انگلیوں کے سروں تک دھونا چاہیے، اور کہنی کو بھی وضو میں ساتھ دھونا چاہیے کیونکہ ایسے مواقع پر اصطلاح کے مطابق "غایت مغیی میں داخل ہے" یعنی حد بھی حکم محدود میں شامل ہے[1]۔

* کلمۂ "ب" جو "برء وسکم" میں ہے بعض روایات کے مطابق اور بعض اہلِ لغت کی تصریح کے مطابق تبعیض کے لیے ہے یعنی کچھ حصّے کے مفہوم میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سر کے کچھ حصّے کا مسح کرو جسے ہماری اصطلاح میں سر کے اگلے حصّے سے محدود کیا گیا ہے اور اس کے لیے سر کے چوتھائی یا کچھ کم حصّے پر ہاتھ سے مسح کیا جاتا ہے اس لیے جو اہل سنت کے بعض گروہوں میں رائج ہے کہ وہ پورے سر کا یہاں تک کہ کانوں کا بھی مسح کرتے ہیں وہ آیت کے مفہوم سے مناسبت نہیں رکھتا۔

* "ارجلکم" "برء وسکم" کے ہم پہلو آیا ہے یہ اس بات پر شاہد ہے کہ پاؤں کا بھی مسح کیا جائے نہ کہ اسے دھویا جائے۔

* "ارجلکم" کی لام پر زبر اس وجہ سے ہے کہ اس کا عطف "برء وسکم" کے ساتھ ہے نہ کہ یہ "وجوہکم" پر عطف ہے، اس میں شک نہیں کہ "وجوہکم" اور "ارجلکم" میں بہت فاصلہ ہے لہٰذا اس پر عطف کرنا بہت بعید ہے۔

---

[1]۔ سیبویہ عربی لغت کا مشہور ماہر اور علم نحو کا عالم تھا وہ کہتا ہے کہ جہاں کہیں لفظ "الی" کا مابعد اور ماقبل ایک جنس سے ہوں تو مابعد قبل کے حکم میں ہوتا ہے اور اگر وہ جنسوں سے ہوں تو پھر خارج ہوتا ہے (مثلاً اگر کہا جائے کہ دن کی آخری گھڑی تک روزہ رکھو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آخری گھڑی میں بھی روزہ رکھو اور اگر کہا جائے کہ ابتدائے رات تک روزہ رکھو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ابتدائے رات حکم میں داخل نہیں ہے)۔ (المنارج ۶ ص ۲۲۳)

* "کعب" لغت میں پاؤں کے اوپر کی ابھری ہوئی جگہ اور مفصل کے معنی میں آیا ہے یعنی وہ مقام جہاں پاؤں کی ہڈی سے پنڈلی کہ ہڈی مل جاتی ہے۔ قاموس فیروزآبادی میں "کعب" کے تین معنی مذکور ہیں؛ ا۔ پشت پا، کی ابھری ہوئی جگہ، ۲۔ مفصل اور ۳۔ ٹخنے جو پاؤں کے دو طرف ہیں۔

غسل کے متعلق

اس کے بعد غسل کے بارے میں حکم ہے، فرمایا گیاہے: اگر مجنب ہو تو غسل کرو (و ان کنتم جنباً فاطھروا) واضح ہے کہ "فاطہروا" سے مراد پورے جسم کا دھونا ہے کیونکہ اگر کسی مخصوص حصّے کا دھونا مطلوب ہوتا تو اس کا نام لیا جانا ضروری تھا اس لیے جب یہ فرماتا ہے کہ اپنے آپ کو دھولو تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ سارے بدن کو دھولو۔ اسطرح سُورۃِ نساء آیۃ ۴۳ میں بھی موجود ہے، جہاں فرمایا گیاہے: حتی تغتسلوا؛ اور پھر لفظ "جنب" مصدر ہے جو اسم فاعل کے معنی میں آیا ہے دراصل اس کا مطلب ہے "دور ہونے والا" اس کی وجہ یہ ہے کہ مجنب کو اس حالت میں نماز کی ادائیگی، مسجد میں توقف اور اس طرح کے دیگر کاموں سے دوری اختیار کرنا چاہیے اور لفظ "جنب" مفرد، جمع، مذکر اور مونث سب کے لیے بولا جاتا ہے "جار جنب" کا اطلاق دور کے ہمسایوں پر بھی اسی مناسبت سے ہے۔ اس آیت میں ہے: نماز کے وقت مجنب ہو جاؤ تو غسل کرو، ممکن ہے اس سے یہ بھی اخذ کیا جاسکے کہ غسلِ جنابت، وضو کا بھی جانشین ہے۔

تیمّم کے متعلق

اس کے بعد تیمّم کا حکم بیان کیا گیاہے: اگر نیند سے اُٹھے ہو اور نماز کا ارادہ رکھتے ہو اور بیمار یا مسافر ہو یا قضائے حاجت سے لوٹے ہو یا عورتوں سے جنسی ملاپ کر چکے ہو اور پانی تک تمھارے رسائی نہیں ہے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو (وَ انْ كُنْتُمْ مَرْضى اَوْ عَلى سَفَرٍ اَوْ جاءَ اَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغائِطِ اَوْ لامَسْتُمُ النِّساءَ فَلَمْ تَجِدُوا ماءً فَتَيَمَّمُوا صَعيداً طَيِّباً)۔

*اَوْ جاءَ اَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغائِطِ "اور "اَوْ لامَسْتُمُ النِّساءَ "کا عطف آیت کی ابتداء یعنی "اذا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلاۃِ" پر ہے۔ حقیقت میں آیت کی ابتداء میں نیند کے مسئلے کی طرف اشارہ ہے اور آیت کے ذیل میں دو مزید چیزوں کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ جو وضو یا غسل کا سبب بنتی ہیں۔

*اس آیت میں مسئلہ جنابت کا دو مرتبہ ذکر آیا ہے ممکن ہے یہ تاکید کے لیے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ "جنب" جنابت اور نیند میں احتلام کے معنی میں ہو اور "او لمستم النساء'' سے جنسی ملاپ والی جنابت سے کنایہ ہو نیز اگر "قیام" سے مراد "نیند سے اٹھنا" لیا جائے جیسا کہ روایات اہل بیت (علیہ السلام) میں ہے اور خود آیت میں اس کا قرینہ موجود ہے تو یہ خود مسئلہ جنابت کے بارے میں شاہد ہو گا۔

اس کے بعد تیمّم کا طریقہ بیان کیا گیا ہے: اس کے ذریعے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرو (فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ)۔

واضح ہے کہ یہاں یہ مراد نہیں کہ کچھ مٹی اٹھالیں اور اسے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لیں بلکہ مراد یہ ہے کہ پاک مٹی پر ہاتھ مارنے کے بعد چہرے اور ہاتھوں کا مسح کریں، لیکن بعض فقہاء نے لفظ "منہ" کی وجہ سے کہا ہے کہ چاہے تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو غبار ہاتھ پر لگا ہونا چاہیے۔

*"صَعِيداً طَيِّباً" کا معنی؛ بہت سے علماءِ لغت نے "صَعید" کے دو معانی ذکر کیے ہیں؛ ایک مٹی اور دوسرا وہ چیزیں جنھوں نے کرۂ ارض کی سطح کو ڈھانپ رکھا ہے چاہے وہ مٹی ہو، ریت ہو یا پتھر وغیرہ۔ یہی بات فقہاء میں اس اختلاف نظر کا باعث بن گئی ہے کہ تیمّم کس چیز پر جائز ہے، کیا صرف مٹی پر تیمّم جائز ہے یا پتھر اور سنگریزوں پر بھی ہو جاتا ہے لیکن "صَعید" کے اصل لغوی معنی کی طرف توجہ کرتے ہوئے یعنی "صعود اور اوپر ہونا" دوسرا مفہوم قریب تر ہے۔ "طیب" ایسی چیزوں کو کہا جاتا ہے جو انسان کی طبیعت اور مزاج کے موافق ہوں، قرآن میں یہ لفظ بہت سی چیزوں کے ساتھ استعمال ہوا ہے، مثلاً: البلد الطیب، مساکن طیبہ، ریح طیب، حیاۃ طیبہ، وغیرہ۔ ہر پاکیزہ چیز کو بھی طیّب کہتے ہیں کیونکہ انسان کی طبیعت ذاتی طور پر ناپاک چیزوں سے نفرت کرتی ہے اور تیمّم کی مٹی پاک پاکیزہ ہونا چاہیے۔

ہادیانِ اسلام سے منقول روایات میں خصوصاً اس بات کا تذکرہ ہے، ایک روایت میں ہے: نهى امير المؤمنين ان تيمم الرجل بتراب من اثر الطريق یعنی حضرت امیر المؤمنین (علیہ السلام) نے گندی مٹی سے جو سڑکوں پر پڑی ہوتی ہے، تیمّم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن و حدیث میں تیمّم اسی مخصوص اسلامی ذمّہ داری کے مفہوم میں آیا ہے لیکن لغت میں اس کا معنی ہے "قصد کرنا" در حقیقت قرآن کہتا ہے کہ جب تیمّم کرنا چاہو تو زمین کے کسی پاک حصّے کا قصد کرو یعنی تیمّم کے لیے زمین میں سے مختلف حصوں میں سے ایسا حِصّہ منتخب کرو جو "صعید" کے مفہوم سے ہم آہنگ ہو جو "صعود" کے مادہ سے ہے زمین کے

اوپر والا حصّہ جہاں بارش پڑتی ہو، سورج کی روشنی پڑتی ہو اور جس سے ہوائیں ٹکراتی ہوں ایسی مٹی جو ہاتھوں اور پاؤں سے روندی نہیں جاتی، ایسی مٹی سے استفادہ نہ صرف صحّت کے لیے مضر نہیں سائنس دانوں کی گواہی کے مطابق جراثیم کش اثرات کا بھی حامل ہے۔

آیت کے آخر میں یہ بات واضح کرنے کے لیے کہ مذکورہ احکام میں کوئی سختی نہیں ہے بلکہ وہ سارے احکام مصلحتوں اور حکمتوں کی بناپر نافذ کیے گئے ہیں، فرمایا گیاہے: خدانہیں چاہتاکہ تمھیں مشقت اور زحمت میں ڈال دے بلکہ وہ چاہتاہے کہ تمھیں پاک و پاکیزہ رکھے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردے تاکہ تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو (مایُرِیدُ اللّٰہُ لِیَجعَلَ عَلَیکُم مِن حَرَجٍ وَلٰکِن یُرِیدُ لِیُطَھِّرَکُم وَلِیُتِمَّ نِعمَتَہٗ عَلَیکُم لَعَلَّکُم تَشکُرُونَ)۔درا صل اس جملے میں اس حقیقت کی تاکید کی گئی ہے کہ تمام خدائی احکام اور اسلامی پروگرام لوگوں کی خاطر اور انہی کے فائدے میں ہیں اور ان سے کچھ اور مقصود نہیں، خدا چاہتاہے کہ ان احکام کے ذریعے لوگوں کو روحانی اور جسمانی طور پر پاکیزہ رکھے۔خدانہیں چاہتاکہ تمھارے دوش پر کوئی طاقت فرسااور مشکل ذمہ داری ڈال دے یہ بات اگرچہ غسل، وضو اور تیمّم سے مربوط احکام کے ضمن میں آئی ہے لیکن یہ ایک عمومی قانونی بیان کررہی ہے کہ احکام الٰہی کسی موقع پر بھی طاقت فرسا اور قوّت سے بڑھ کر نہیں ہیں۔اس لیے جب کوئی حکم یا ذمہ داری کسی کے لیے سخت مشکل اور ناقابل برداشت ہو جائے تو اس کے پیشِ نظر وہ اس سے ساقط ہو جاتی ہے۔مثلاً اگر کسی بوڑھے مرد یا بوڑھی عورت کے لیے روزہ رکھنا باعثِ مشقت ہو جائے تو اسی آیت کی بناپر ان پر واجب نہیں رہتا۔بعض احکام ذاتی طور پر مشکل ہیں اور اہم مقاصد اور مصلحتوں کے پیش نظر ایسی مشکلات کو برداشت کرنا چاہیے۔مثلاً دشمنانِ حق کے خلاف جہاد۔اس آیت سے فقہِ اسلام میں ایک بنیادی اصول "قاعدہ لاحرج" حاصل کیا گیاہے اور فقہاء بہت سے مواقع پر احکام کے استنباط میں اس سے استناد کرتے ہیں۔

آیت وضو میں مسح پا کے حکم کی تفصیل

وضو میں طویل عرصے تک نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب نے روزانہ کئی بار عمل کیا اور قرآن کریم کی واضح آیت کی وجہ سے ابتداء اسلام میں سب متفق تھے کہ پاوں کا مسح کرنا واجب ہے لیکن حضرت عثمان کے دور خلافت میں لوگوں کی توجہات اپنے سیاسی اقدامات سے ہٹانے کے لیے ایسے مسائل شروع کیے گئے جیسا متقی ہندی نے ابو مالک دمشقی سے نقل کیا؛حدثت ان عثمان بن عفان اختلف فی خلافتہ

فی الوضوء[1]. مجھے بیان کیا گیا کہ وضو کے بارے میں اختلاف حضرت عثمان کے دور میں شروع ہوا۔ مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا؛عن قتیبة بن سعید,واءحمد بن عبدة الضبی , قالا: حدثنا عبد العزیز وهو الدراوردی عن زید بن اءسلم، عن حمران مولی عثمان، قال:اتیت عثمان بن عفان بوضوء, فتوضاء ثم قال : ان ناسایتحدثون عن رسول اللّه (ص) باحادیث,لا اءدری ما هی الا انی رایت رسول اللّه توضاء مثل وضوئی هذا ثم قال:من توضاء هکذا غفر له ما تقدم من ذنبه [2]-

حمران کا بیان ہے کہ میں حضرت عثمان کے پاس وضو کا پانی لایا انہوں نے وضو کیا پھر فرمایا؛ کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ سے حدیثیں بیان کرتے ہیں مجھے معلوم نہیں وہ کیا ہیں؟ مگر میں نے تو نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے میرے وضو کی طرح وضو کیا پھر فرمایا؛ جس نے اس طرح وضو کیا اس کے سابقہ تمام گناہ بخشے جائیں گے۔

اس اختلاف کے بعد کیا تھا بعد میں اس پر مذاہب کے ماننے والوں نے زور دیا اور یہ اقوال سامنے آئے؛

۱۔ ابو الحسن بصری، ابن جریر طبری، جبائی، سے مسح کرنے اور دھونے کے درمیان اختیار ہونا منقول ہے [3]۔

۲۔ داود ظاہری نے مسح اور دھونا دونوں کو واجب کیا ہے [4]۔

۳۔ اور باقی علماء اہل سنت دھونے کو واجب کہتے ہیں [5]۔

---

[1]۔ کنز العمال، فرض وضوء۔

[2]۔ صحیح مسلم، باب وضو۔

[3]۔ المجموع ۱: ۴۱۷، التفسیر الکبیر ۱۱: ۱۶۱، تفسیر طبری ۶: ۸۴، بدایۃ المجتہد ۱: ۱۵، إحکام القرآن ابن عربی ۲: ۵۷۷، تفسیر قرطبیّ ۶: ۹۲، المغنی ۱: ۱۵۱، الشرح الکبیر ۱: ۱۴۷، عمدۃ القارئ ۲: ۲۳۸.

[4]۔ المجموع ۱: ۴۱۷، عمدۃ القاری ۲: ۲۳۸، التفسیر الکبیر ۱۱: ۱۶۱

[5]۔ المبسوط سرخسی ۱: ۸، إحکام القرآن جصاص ۲: ۳۴۵، عمدۃ القارئ ۲: ۲۳۶ و ۲۳۸، بدائع الصنائع ۱: ۵، مغنی المحتاج ۱: ۵۳، المجموع ۱: ۴۱۷، الوجیز ۱: ۱۳، الأم ۱: ۲۷ التفسیر الکبیر ۱۱: ۱۶۱، المغنی ۱: ۱۵۰، الشرح الکبیر ۱: ۱۴۶.

۴۔ لیکن وضو میں پاوں کا مسح کرنا مذہب امامیہ کے اتفاقی مسائل میں سے رہا بلکہ یہ ضروریات مذہب میں سے ہے اور اس پر شیعہ سندوں سے متواتر روایات دلالت کرتی ہیں بلکہ اہل سنت نے ان کو متواتراً روایت کیا ہے یہی امام علیؑ، ابن عباس اور انس بن مالک وغیرہ اصحاب پیامبر اکرمؐ سے منقول ہے[۱]۔

، حالانکہ قرآن کریم کی آیت اور سنت متواتر پاوں کے مسح پر دلالت کرتی ہے؛ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ؛ ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لیا کرو نیز اپنے سروں کا اور پاوں کی ابھری ہوئی جگہ تک پاوں کا مسح کرو۔

ان یہ بات یاد رکھنی ہے کہ سورت مائدہ سب سے آخری سورت ہے اس سے کچھ بھی نسخ نہیں ہوا جیسا کہ حضرت عائشہ نے تصریح کی ہے اور فخر رازی نے تمام علماء کا اتفاق نقل کیا کہ اس میں کوئی آیت نسخ نہیں، تو پس اس سے کسی آیت کو نسخ ماننا ممکن ہیں۔

اختلاف کے اسباب کا جائزہ

پھر وضو کے بارے میں اختلاف کے اسباب کیا ہوئے بعض نے کہا؛ اس کا سبب قراءت کا اختلاف ہے حالانکہ قراءت جو بھی ہو اس سے مسح ثابت ہوتا ہے اور عربی کے عطف کے فصیح و بلیغ قانون میں فرق نہیں پڑتا۔

بعض نے یہ کہا کہ دھونا نبی اکرم ﷺ کی سنت میں ہے تو قرآن کے مسح کا حکم اس کو نسخ کرتا ہے۔

لیکن اس کا سب سے بڑا سبب حکام کی وہ سیاست تھی جو عوام کو ان مسائل میں الجھانا چاہتے تھے ان کی غربت کا مذاق اڑاتے چونکہ بہت سے لوگ ننگے پاوں چلنے پر مجبور تھے اس لیے وہ ان کے پاوں نجاست کا بہانہ کر کے انہیں ڈراتے جیسے طبری نے تفسیر میں حمید سے نقل کیا؛ حمید, قال : قال موسى بن انس لانس ونحن عنده : يا ابا حمزة ,ان الحجاج خطبنا بالاهواز ونحن معه نذكر

---

[۱]۔ المجموع ۱: ۴۱۸، المغنی ۱: ۱۵۰-۱۵۱، الشرح الکبیر ۱: ۱۴۶-۱۴۷، عمدۃ القاری ۲: ۲۳۸، فتح الباری ۱: ۲۱۳، تفسیر الطبری ۶: ۸۲، المبسوط سرخسی ۱: ۸، إحکام القرآن جصاص ۲: ۳۴۵، المحلی ۲: ۵۶، إحکام القرآن ابن العربی ۲: ۵۷۷، تفسیر قرطبی ۶: ۹۲

الطهور, فقال: اغسلوا وجوهكم وايديكم ,وامسحوا برؤوسكم وارجلكم , وانه ليس من ابن آدم اقرب الى خبث قدميه، فاغسلوابطونهما وظهورهما وعراقيبهما.. فقال انس : صدق اللّه وكذب الحجاج , قال تعالى : (وامسحوا برؤوسكم واءرجلكم)[1]، موسیٰ بن انس نے انس سے کہا؛ اے ابو حمزہ! حجاج ثقفی نے اہواز میں خطبہ دیا ہم اس کے ساتھ تھے طہارت کے بارے میں بحث کر رہے تھے، تو اس نے کہا اپنے منہ، ہاتھوں کو دھوں اور سروں کا مسح کرو اور پاوں، اور انسان کا کوئی عضو اس کے قدموں سے زیادہ نجاست کے قریب تر نہیں ہے تو قدموں کے اوپر نیچے اور ایڑیوں کو دھوو، انس نے فرمایا؛ خدا نے سچ کہا اور حجاج جھوٹ کہتا ہے خدا نے فرمایا ہے اور سروں اور پاوں کا مسح کرو۔

اور اس کی دوسری دلیل ابو مالک اشعری کی وہ روایت ہے؛ ابو مالك الاشعرى , انه قال لقومه : اجتمعوا اءصلى بكم صلاة رسول اللّه , فلما اجتمعوا قال : هل فيكم اءحد غيركم ؟ قالوا: لا, الا ابن اءخت لنا. قال : ابن اءخت القوم منهم .فدعا بجفنة فيها ماء فتوضاء, ومضمض واستنشق , وغسل وجهه ثلاثا, وذراعيه ثلاثا, ومسح راءسه وظهر قدميه .ثم صلى بهم , فكبر ثنتين وعشرين تكبيرة[2]۔

انہوں نے اپنی قوم سے کہا؛ سب جمع ہو جاو میں تمہیں نبی اکرم ﷺ کی نماز پڑھاوں جب وہ سب جمع ہو گئے تو کہنے لگے؛ کیا تم میں کوئی پرایا شخص تو نہیں؟ انہوں نے کہا؛ نہیں، سوائے ہمارے بھانجے کے، کہنے لگے؛ کسی قوم کا بھانجا اسی میں سے ہوتا ہے پھر پانی کا ظرف منگوایا وضو کیا کلی کی اور نک میں پانی ڈالا پھر چہرے کو تین بار دھویا اور ہاتھوں کو بھی تین بار دھویا اور سر اور پاوں کی پشت کا مسح کیا پھر ان کو نماز پڑھائی اور ۲۲ تکبیریں کہیں۔

---

[1]۔ جامع البیان فی تأویل القرآن، محمد بن جریر بن یزید، ابو جعفر طبری، م ۳۱۰ ھ، نشر مؤسسۃ الرسالۃ، ط۱، ۱۴۲۰، ذیل آیت وضو۔

[2]۔ مسند احمد بن حنبل، حدیث ن ۲۱۸۲۵۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ دیگر لوگوں کی موجودگی سے ڈر رہے تھے کہیں حکومتوں کے قہر کا نشانہ نہ بن جائیں۔

آیت کریمہ کی دلالت

اس اختلاف کا حلّ قرآن کریم کی آیت کے پاس ہے عطف کا قانون، ادب عرب میں یہ ہے کہ عطف قریب پر ہو یہ قانون بلاغت اور فصاحت کے معیار کے مطابق ہے مگر کوئی قرینہ موجود ہو جو کہ آیت میں نہیں ہے اس کا بہت سے علماء اہل سنت نے بھی اعتراف کیا ہے، فخر رازی نے آیت وضو کے ذیل میں مسئلہ ۳۸ میں جرّ جوار کو تین وجہوں کو باطل کرنے کے بعد فرمایا؛ ظهر أنه يجوز أن يكون عامل النصب في قوله { وَأَرْجُلَكُمْ } هو قوله { وامسحوا } ويجوز أن يكون هو قوله { فاغسلوا } لكن العاملان إذا اجتمعا على معمول واحد كان إعمال الأقرب أولى، فوجب أن يكون عامل النصب في قوله { وَأَرْجُلَكُمْ } هو قوله { وامسحوا } فثبت أن قراءة { وَأَرْجُلَكُمْ } بنصب اللام توجب المسح أيضاً؛ یعنی اب واضح ہوا کہ ارجل میں نصب کا عامل ممکن ہے امسحوا ہو اور جائز ہے کہ وہ فاغسلوا ہو لیکن جب دو عامل ایک معمول پر جمع ہو جائیں تو جو اس کے زیادہ قریب ہو وہ عمل کرنے میں اولویت رکھتا ہے تو واجب ہے کہ وارجلکم کو امسحوا نے نصب دی ہو تو ارجلکم کو نصب پڑھنے سے بھی مسح واجب ہے۔

اسی طرح ابن حزم نے المحلی میں اور سندی حنفی نے شرح سنن ابن ماجہ میں ان کا واضح اقرار کیا ہے[1]۔

تو قرائتوں کے فرق سے ہر گز کوئی مشکل پیش نہیں آتی کیونکہ قرآن کریم اور ادب عرب میں محلّ پر عطف ہونا فصیح ہے جیسا سورہ براءت میں ہے؛ اور ابن ہشام اسے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے[2]۔

پس قرائتوں کے اختلاف سے یہاں معنی میں اثر نہیں، نافع، ابن عامر، کسائی اور حفص کی روایت میں عاصم کی قرائت میں منقول ہے کہ ارجل پر نصب ہے تو پاوں پر مسح کا حکم واجب ہوگا کیونکہ اس وقت وہ رووس کے محل نصب پر عطف ہوگا۔

---

[1] ابن حزم، المحلی، ج۲ص۵۶، سندی حنفی، شرح سنن ابن ماجہ، ج۱ص۸۸۔

[2]۔ مغنی ابن ہشام میں باب ۶ بحث عطف۔

اور اس کا عطف ہاتھوں پر کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس سے قرآن کریم کی بلاغت پر حرف آتا ہے کہ ایک جملہ مکمل کرنے سے پہلے دوسرا اجنبی جملے کو درمیان میں گھسا دیا، حالانکہ عطف کا قانون ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان اجنبی مفرد کا فاصلہ جائز نہیں چہ جائیکہ پورے اجنبی جملے کا فاصلہ ڈال دیا جائے۔
اور اگر اس کی وہ قراءت لی جائے جس میں ارجل کو جرّ و زیر کے ساتھ پڑھا گیا جیسا کہ وہ ابن کثیر، ابو عمرو، حمزہ اور ابو بکر کی روایت کے مطابق عاصم سے منقول ہے اور غالب بن ہذیل کی روایت امام باقرؑ سے اس کی تاکید کرتی ہے کہ میں نے امام باقر سے وَامْسَحُوا بِرُءُوسِکُمْ وَأَرْجُلَکُمْ کے بارے میں سوال کیا کیا اس پر جرّ ہے یا نصب؟ فرمایا؛ بلکہ اس پر جرّ ہے[۱]، تو اس کا مجرور ہونا اسے سر کے حکم مسح میں داخل کرنے کا موجب ہے، اس صورت میں دھونے والوں کے لیے بہت مشکل ہے اس کے لیے وہ جر جوار کا سہارا لیتے ہیں تو ان کا یہ کہنا کہ جرّ کی صورت میں وہ عطف ہاتھوں پر ہے لیکن سروں سے جوار اور قرب کی بناء پر زیر دی گئی ہے علم نحو میں ایک ردی اور مردود نظریئے کی پیروی ہے جو اصلاً قرآن میں وارد نہیں ہوا اور پھر واو کے ساتھ تو اصلاً نہیں ہے اس کی مثال جُحرُ ضَبٍّ خَربٍ؛ گوہ کی بل خراب ہے اس میں خرب خبر ہے لیکن ضبّ کے قریب ہونے کی وجہ سے اسے جرّ دی ہے اس کے بارے میں زجاج نحوی نے خوب کہا؛ قرآن کی آیت کو ایسی مثالوں کی طرح قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ عربی زبان کے ماہرین کا اتفاق ہے کہ قریب کے اعراب کو کسی دوسرے لفظ پر دینا شاذ و نادر ہے اور جو ایسا ہو اسکو قرآن میں جاری نہیں کیا جاسکتا[۲]، تفسیر خازن بغدادی نے اس آیت کے ذیل میں کہا؛ اگر یہ (جرّ جوار) ہو بھی تو ضرورت شعری کے تحت ہوگا اور واو کے عطف کے ساتھ تو اصلا نہیں ہے، ابن ہشام نے سیرافی اور ابن جنی سے اس کا مفصل ردّ نقل کیا ہے[۳]۔

آیت کی بے ربط تاویلیں

واضح ہوا کہ قرآن کی آیت کریمہ کی صریح دلالت مسح پا، پر ہے اور اس کا اہل انصاف علماء نے اقرار بھی کر لیا لیکن اپنے مذہب کی تائید کے لیے اس آیت کی تاویلوں پر مجبور ہوئے ہیں یعنی اگر انہیں مذاہب اربعہ

۱۔ مستدرک وسائل باب ۲۳ ابواب وضوح ۳.
۲۔ معانی قرآن واعرابہ ۲ ص ۱۵۔
۳۔ مغنی اللبیب، باب ۸۔

کی تقلید کی مشکل نہ ہوتی تو وہ قرآن کریم کے آیت کی پیروی کرتے اور مسح پا، پر عمل کرتے انہوں نے درج ذیل بے ربط تاویلیں کی ہیں:۔

۱۔دھونا مسح کو شامل ہے۔

جصاص نے آیت کو مجمل قرار دیتے ہوئے کہا؛ احتیاط کریں اور پاوں دھوئیں کیونکہ دھونا مسح کو شامل ہے لیکن مسح دھونے کو شامل نہیں، پھر کہا؛ تمام کے اتفاق سے آیت کا ابہام دور ہوگا کہ جس نے دھویا، اس نے فرض کو ادا کر دیا۔

حالانکہ اولًا تو واضح آیت کو مبہم کہنا عجائب روزگار میں سے ہے یہ ہمیشہ مسلمان نمازیوں کے لیے راہ ہدایت معین کرتی ہے اور وہ بالکل واضح ہے، ثانیاً یہ کہنا کہ دھونا مسح کو شامل ہے صحیح نہیں کیونکہ دھونا پانی بہانا ہے اور مسح کرنا تر ہاتھ پھیرنا ہے دونوں کی حقیقت مختلف ہے، ثالثاً تمام کے اتفاق سے آیت کے ابہام کو دور کرنا مصادرہ علی المطلوب ہے خود ہی دعوی کیا اور اسی کو دلیل بھی بنایا دیا حالانکہ صحابہ اور تابعین میں سے بہت سے افراد مسح کے قائل تھے۔

۲۔ مسح کا نسخ ہونا

ابن حزم نے الاحکام میں کہا؛ آیت مسح میں واضح دلالت رکھتی ہے کیونکہ معطوف اور معطوف علیہ میں فاصلہ لانا گمراہ کرنے کے مترادف ہے لیکن سنت غسل (پاوں دھونے کی سنت) نے مسح کو نسخ کر دیا[1]۔

یہ صحیح نہیں کیونکہ اولًا تو قرآن کو سنت قطعیہ کے بغیر نسخ نہیں کیا جاسکتا اور یہاں دھونے پر خبر واحد اور وہ بھی آپس میں اس قدر اختلاف اور تعارض کا شکار ہے کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ بعد میں اس کی تحقیق کی جائے گی۔

ثانیاً سورہ مائدہ آخری سورت ہے اس کی کوئی آیت نسخ نہیں ہوئی،اسے سب جانتے ہیں لیکن یہاں اس چیز کو بھول کر یہ باتیں کی جارہی ہیں، بہتر تھا کہ آیت کو سنت کے لیے ناسخ بنایا جاتا اگر دھونے کی سنت ثابت ہوتی۔

---

[1]۔الاحکام ابن حزم اندلسی ا ص ۵۱۰۔

۳۔ پاوں کو مسح کے بعد ذکر کرنا پانی میں صرفہ جوئی کی تعلیم کے لیے ہے

زمخشری نے تفسیر کشاف میں آیت وضو کی دلالت کو مسح پر مان لینے کے بعد اس کی تاویل کے لیے ایک نیا فلسفہ بنایا ہے، کہتا ہے؛ جرّ دینے سے مسح ثابت ہوتا ہے لیکن پاوں بھی دھونے کے تین اعضاء میں سے ہے لیکن کیونکہ اس پر پانی ڈالا جاتا ہے اس سے بہت زیادہ پانی ضائع ہونے کا گمان تھا اس لیے اس کو مسح والے حصے کے بعد عطف کیا نہ اس لیے کہ مسح واجب ہو بلکہ یہ بیان کرنے کے لیے کہ دھوتے ہوئے پانی ضائع نہ کریں۔

اس کا جواب واضح ہے اولاً تو ایسے نکات کو قرآن کے بیان سے مربوط کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ فہم عرفی کے مطابق ہوں نہ یہ زمخشری جیسے علماء اپنے نظریئے کے اثبات کے لیے جعل کرلیں اور ان سے پہلے کسی صحابی اور تابعی کے لیے قرآن کی آیت سے ظاہر نہ ہو، پس آیت کے وہ معنی مراد ہیں جو فہم مسلمین میں تھے۔

ثانیاً ہاتھ دھوتے ہوئے بھی اسراف آب کا خطرہ ہے کیونکہ ان پر بھی پانی ڈالا جاتا ہے اس لیے ان کو بھی سر کے مسح کے بعد ذکر کرائیں، یہ سب مذہب کی دیوار کی سلامتی کی خاطر ہے ورنہ ایسے ادیب اور مفسر سے ایسے بہانوں کی امید نہ تھی۔

۴۔ پاوں کا دھونا آسان ہے۔

ابن قدامہ نے آیت سے مسح کے معنی کو دیکھ کر دوسرا فلسفہ پیش کیا یہاں سر اور پاوں میں فرق ہے اس لیے دونوں کے ایک حکم کو جمع نہیں کیا جاسکتا، اس کی کئی وجہیں ہیں؛ ۱۔ سر کا دھونا مشکل ہے اور پاوں کا دھونا آسان ہے، ۲۔ دھونے والے اعضاء سے پاوں مشابہہ ہیں ان کی حد بندی کی گئی ہے تو وہ ہاتھوں کی طرح ہے، ۳۔ پاوں پر نجاست لگنے کا امکان ہے کیونکہ وہ زمین پر لگتے ہیں لیکن سر ایسا نہیں ہے۔

یہ آیت کے صریح مطلب کے مقابلے میں ذوقی باتیں ہیں؛

۱۔ بھلا جب منہ دھویا جاسکتا ہے تو اگر واجب ہوتا تو سر کیوں نہ دھوتے۔

۲۔ شباہتوں سے تمسک کرنا صحیح نہیں کیونکہ کتنے مشابہات ہیں ان کے حکم مختلف ہیں۔

۳۔ اور نجس ایڑیوں کی دلیل تو بالکل فاسد ہے کیونکہ مسح کا حکم پاک ایڑی پر ہے اگر وہ نجس ہوں تو انہیں پہلے پاک کرنا شرط ہے اس کا وضو کے حکم سے تعلق نہیں ہے۔

۵۔اسلاف کی پیروی

فخر رازی نے ابن تیمیہ سے نقل کیا؛ جرّ کی قراءت سے سروں پر عطف مان لیا اور مسح کا واجب ہونا بھی سمجھا لیکن یہ تاویل کی جس نے جر پڑھی اس کا معنی مسح نہیں جیسے لوگ گمان کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اسلاف سے پڑھا ہے پس دھونا ہی پڑے گا۔

اگر یہ بات ٹھیک ہو تو اسلاف کا بھی قرآن کا چھوڑنا لازم آئے گا کیونکہ قرآن کا نسخ ہونا تو ثابت نہیں اگر صحیح ہو تو سورہ مائدہ تو یقینا نسخ نہیں ہوئی پھر ایک جگہ خود ابن تیمیہ بھول گئے اور کہنے لگے؛ تیمّم وضو کا بدل ہے تو اعضاء وضو سے کچھ حذف ہوگئے اور کچھ میں تخفیف دی گئی تو مسح والے حذف ہوگئے اور دھونے والے اعضاء کا مسح کرایا۔

اب اگر یہ دلیل مانی جائے تو گویا وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ مسح ثابت ہے کیونکہ پاوں پر تیمّم نہیں ہوا۔

۶۔حد بندی ہونا دھونے کی علامت ہے۔

جیسا کہ ابن قدامہ کی تاویل میں گزر چکا دیگر کئی مفسرین نے بھی اس وجہ کو ذکر کیا، مفسر اسماعیل بروسوی نے دھونے کی تائید کی ہے کیونکہ مسح کی حد بندی نہیں کی جاتی اور حد بندی دھونے والے اعضاء میں ہے تو چونکہ پاوں کو ٹخنوں تک حد بندی کر دی اس لیے دھونا چاہیے[1]۔

یہ بھی کوئی بات ہے کہ جس عضو کی حد بندی ہو گئی اس کا دھونا واجب ہے اسی آیت وضو میں ایک دھونے میں حد بندی ہے اور دوسرے میں نہیں، ہاتھوں کو دھونے کی حد بندی ہے لیکن منہ کے دھونے کے لیے نہیں، اور مسح میں بھی اسی طرح ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جس کی حد بندی ہو اس کا دھونا لازم ہے یہ ایک عام تر چیز کو خاص پر دلیل بنانا ہے وگرنہ منہ کا بھی مسح کرا دیں اور اس بات کا جواب سینکڑوں سال پہلے سید مرتضی نے الانتصار میں دیا ہے[2]۔

---

[1]۔روح البیان۔۲ص۳۵۱۔

[2]۔الانتصار، ص۲۶۔

۷۔آیت کی حجیت کاانکار کر کے سنت سے ترجیح دینا

آلوسی نے آیت کی قرائتوں کو متواتر فرض کیااور ان میں تعارض قائم کیااور انہیں حجیت سے ساقط کر دیا پھر ترجیح دینے کے لیے دھونے کی روایات سے دی ہے[1]۔

یہ قرائتوں کو متعارض قرار دینا بھی مذہبی تقلید کے سبب سے ہے حالانکہ دونوں قرائتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے وہ دونوں مسح کو بیان کرتی ہیں پھر سنت میں آلوسی دوسری متواتر روایات مسح کو اصلا نظر انداز کر دیتے ہیں یہ ان کی ناانصافی ہے۔

۸۔نبی اکرم ﷺ کافرض میں اضافہ

جمال الدین قاسمی نے آیت کو مسح میں صریح مان لیا جیسے ابن عباس وغیرہ نے سمجھا لیکن دھونے کو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اضافہ قرار دیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ فرض میں سنتوں کو اضافہ کرتے تھے۔

یہ بات بھی صحیح نہیں کیونکہ اولا تو نبی اکرم ﷺ نے خدا کے فرائض میں کبھی کمی یا زیادتی نہیں بلکہ وحی کے پیرو تھے جیسا قرآن میں اس کی تصریح ہے[2]،اور اگر نماز میں کچھ اضافہ کیا تو وہ خدا کا حکم تھا پھر اضافہ بھی اس میں جو اصل میں سنت سے ثابت ہوا ہو جیسے ابن عباس نے کہا؛ خدا نے نبیؐ کی زبان پر حضر میں چار اور سفر میں دو رکعتیں واجب کی تھیں[3]۔

ثانیا اگر آیت میں فرض مسح تھا تو فقط دھونے کی روایات ہی کیوں دیکھتے ہیں مسح کی متواتر روایات کا کیا کریں حالانکہ سنت میں اختلاف کی صورت میں قرآن کے ذریعے ترجیح دی جاتی ہے۔

۹۔حکمت مسح میں بحث

صاحب المنار نے آیت سے مسح پا کو ثابت ہوتے دیکھا تو یہ منطق چھیڑ دی پاوں کا مسح گیلے ہاتھ سے معقول نہیں بلکہ وضو کی حکمت کے خلاف ہے کیونکہ تر عضو سے ایسے عضو کو مسح کرنا جس پر غبار یا میل کچیل ہو وہ اس کی میل کو پھیلا دے گی اور ہاتھ بھی میلا ہو جائے گا۔

---

[1]۔ تفسیر روح المعانی، ج۶ ص ۷۴۔
[2]۔ سورہ اعراف، ۲۰۳، یونس، ۱۵۔
[3] صحیح مسلم، باب صلاۃ مسافرین۔

یہ رہی بات، آخر قرآن کے حکم اور اس کی حکمت پر بیٹھ کر اعتراض گھڑیں، بھلا خدا کے حکم کی مصلحتیں سب معلوم ہیں، سر کے مسح کا کیا فلسفہ ہے ؟! جو شافعی نے کہا؛ ایک انگلی سے بھی ہو تو کافی ہے، یہی وجہ ہے اتنا یقین رکھنا کہ خدا کے احکام کے مصالح و مفاسد ہیں لیکن ہماری نظر میں جو مفسدہ یا مصلحت ہو وہ معیار نہیں ہے بلکہ خدا نے ہمیں ادلہ شرعیہ کا پابند بنایا ہے ان سے انحراف کا کوئی راہ نہیں ہے، ان میں پہلی دلیل خدا کا قرآن ہے اس میں سر اور پاوں کے مسح کا حکم ہے تو اس حکم سے فرار کا کوئی راہ نہیں ہے اور باقی رہا پاوں کا گندگی سے پاک ہونا اس کا مسح سے پہلے یقینی ہونا ضروری ہے کیونکہ اعضاء وضو کا پاک ہونا شرط ہے۔

وضو میں مسح پا کی متواتر روایات

یہ آیت مسح کے وجوب پر واضح دلالت کرتی ہے اور اس کے نبی اکرم کے آخری ایام میں نازل ہونے کی وجہ سے نسخ کا خیال ہی نہیں کیا جاسکتا تو وضو کے بارے میں یہی کافی ہے لیکن مسح کی مزید تاکید کے لیے یہاں متواتر روایات مسح کو بھی ذکر کیا جاتا ہے[1]:

۱۔ حدیث رفاعۃ بن رافع کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛ لا يتم صلاة لأحد حتى يسبغ الوضوء كما أمره الله تعالى فيغسل وجهه ويديه إلى المرفقين ويمسح برأسه ورجليه إلى الكعبين[2]؛ کسی شخص کی نماز کامل نہیں ہوسکتی حتی وضو کامل کرے جیسا اس کو خدا نے حکم دیا ہے پس اپنے منہ اور ہاتھوں کہنیوں تک دھوئے اور سر اور پاوں کا ٹخنوں تک مسح کرے۔

۲۔ حدیث عبداللہ بن زید مازنی؛ أن النبى توضأ ومسح بالماء على رجليه؛ نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا اور پاوں کا مسح کیا۔ اسے ابن ابی شیبہ نے مسند میں اور ابن خزیمہ نے صحیح میں نقل کیا اور نیز منقول ہے؛ مسند عبد الله بن زيد المازنی؛ أن النبى ص توضأ فغسل وجهه ثلاثا ويديه

---

[1] ۔ دیکھئے تفسیر طبری، آیت وضو، عمدۃ القاری شرح بخاری عینی، باب وضو، کنزالعمال، فرض وضو، مجمع الزوائد۔

[2] ۔ ابوداود (۱/۲۲۷ ن ۸۵۸)، نسائی (۲/۲۲۵ ن ۱۱۳۶)، ابن ماجہ (۱/۱۵۶ ن ۴۶۰)، طبرانی (۵/۳۷ ن ۴۵۲۵) حاکم (۱/۳۶۸ ن ۸۸۱)، بیہقی (۲/۳۴۵ ن ۳۶۷۳) عمدۃ القاری میں ہے: اس روایت کو ابو علی طوسی حافظ، ابو عیسی ترمذی اور ابو بکر بزار نے حسن کہا اور حافظ ابن حبان و ابن حزم نے صحیح قرار دیا۔

مرتين ومسح رأسه ورجليه مرتين [۱]؛ نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا تین بار منہ دھویا اور دو بار ہاتھ دھوئے اور سر اور پاوں کا دو بار مسح کیا۔

۳۔ حدیث رجل من قیس؛ قال تبعت النبی علیه الصلاة والسلام بقدح فيه ماء فلما قضى حاجته توضأ وضوءه للصلاة قال فيه ثم مسح على قدمه اليمنى ثم قبض أخرى فمسح قدمه اليسرى؛ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس پانی کا ظرف لے لا، آپ نے قضاء حاجت کے بعد نماز کے لیے وضو کیا پھر دائیں پاوں پر مسح کیا پھر بائیں پاوں کا مسح کیا۔ اسے اِبو مسلم کجی نے سنن میں نقل کیا،

۴۔ حدیث جابر بن عبد اللہ؛ اسے طبرانی نے الأوسط میں نقل کیا۔

۵۔ حدیث عمر، اسے ابن شاہین کتاب الناسخ والمنسوخ میں نقل کیا۔

۶۔ نبی اکرم ﷺ کے صحابی، اِوس بن اِوس کی حدیث؛ أنه رأى النبی ص أتى كظامة زقوم بالطائف، فتوضأ ومسح على قدميه؛ اس نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ طائف میں آپ نے وضو کیا اور پاوں پر مسح کیا؛ سے نقل کیا [۲]۔

۷۔ حدیث ابن عباس جسے اِبو داود نے مرفوعا نقل کیا؛--- ثم مسحها بيديه يد فوق القدم ويد تحت النعل ثم صنع باليسرى مثل ذلک؛ اور نیز ابن عباس کا بیان ہے؛ قال: ما اجد فی کتاب الله إلا غسلتين ومسحتين؛ میں نے خدا کے قرآن میں سوائے دو دھونے اور دو مسح کے کوئی چیز نہیں پائی [۳]، نیز ان کا بیان ہے؛ افترض الله غسلتين ومسحتين ألا ترى أنه ذكر التيمم فجعل

---

[۱]۔ کنز عمال ن ۲۶۹۲۲۔

[۲]۔ سنن اِبی داود ۱: ۴۱ ح ۱۶۰، سنن البیہقی ۱: ۲۸۶، الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار: ۶۳۔

[۳]۔ سنن البیہقی ۱: ۷۲، سنن الدار قطنی ۱: ۹۶ ح ۵، کنز العمال ن ۲۶۸۴۰۔

مکان الغسلتین مسحتین وترک المسحتین؛خدا نے دو دھونے اور دو مسح واجب کیے کیا تم نہیں دیکھتے کہ تیمّم کو ذکر کیا تو دھونے کی جگہ مسح قرار دیئے اور مسح کو چھوڑ دیا[1]۔

۸۔حدیث عثمان جسے اِحمد بن علی قاضی نے کتاب مسند عثمان میں سند صحیح سے نقل کیا؛أنه توضأ ثم مسح رأسه ثم ظهر قدميه ثم رفعه إلى النبى ص؛انہوں نے سر کا مسح کیا پھر دونوں پاوں کی پشت کا مسح کیا اور اسے نبی اکرم ﷺ کی طرف نسبت دی۔نیز منقول ہے؛ عن حمران قال : دعا عثمان بماء فتوضأ ثم ضحک فقال : ألا تسألونى مم أضحک ؟ قالوا : يا أمير المؤمنين ما أضحكک ؟ قال : رأيت رسول الله ص توضأ كما توضأت فمضمض واستنشق وغسل وجهه ثلاثا ويديه ثلاثا ومسح برأسه وظهر قدميه[2]؛ عثمان نے پانی منگوایا اور وضو کیا پھر مسکرائے اور فرمایا کیا تم نہیں پوچھتے کہ میں کیوں مسکرایا؟ کہا گیا؛اے مومنو کے امیر! کیوں مسکرائے؟ کہنے لگے میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اس طرح وضو کیا جس طرح میں نے کہا کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر چہرے اور ہاتھوں کو تین بار دھویا اور سر اور پاوں کا مسح کیا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ الْأَشْجَعِيِّ حَدَّثَنَا أَبِی عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَالِمٍ أَبِی النَّضْرِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَتَى عُثْمَانُ الْمَقَاعِدَ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَتَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَيَدَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَرِجْلَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ص هَكَذَا يَتَوَضَّأُ يَا هَؤُلَاءِ أَكَذَاكَ قَالُوا نَعَمْ لِنَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهُ[3]-

۹۔نبی اکرم ﷺ کی سالوں خدمت کرنے والے صحابی اَنس بن مالک سے حجاج ثقفی کا قول بیان کیا گیا کہ قدموں کو اوپر نیچے سے دھونا چاہیے اور انگلیوں کے درمیان بھی پانی پہنچانا چاہیے تو انس نے کہا؛خدا نے قرآن میں سچ کہا(کہ مسح کرنا ہے)اور یہ حجاج جھوٹ بولتا ہے (کہ پاوں کو دھوئیں) اور آیت وضو کی

---

[1]۔ کنز العمال ن ۲۶۸۴۲۔

[2]۔ کنز العمال ن ۲۶۸۶۳۔

[3]۔ مسند احمد ح ۴۵۶۔

تلاوت کی؛ ذکر لانس بن مالک قول الحجاج: إغسلوا القدمين ظاهرهما وباطنهما، وخللوا ما بين الأصابع، فقال أنس: صدق الله وكذب الحجاج قال الله تعالى: ❊ (فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق، وامسحوا برؤسكم وأرجلكم إلى الكعبين)[۱]❊

۱۰۔ ابو مطر کی روایت ہے: قال : بينما نحن جلوس مع على فى المسجد جاء رجل إلى على وقال : أرنى وضوء رسول الله ص فدعا قنبر فقال : ائتنى بكوز من ماء فغسل يديه ووجهه ثلاثا فأدخل بعض أصابعه فى فيه واستنشق ثلاثا وغسل ذراعيه ثلاثا ومسح رأسه واحدة --- ورجليه إلى الكعبين ولحيته تهطل على صدره ثم حسا حسوة بعد الوضوء ثم قال : أين السائل عن وضوء رسول الله ص كذا كان وضوء رسول الله ص. ہم امام علیؑ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے ایک شخص نے امام سے عرض کی؛ مجھے رسول اکرم ﷺ کا وضو دکھائیں تو آپ نے اپنے غلام قنبر کو حکم دیا وہ پانی کا کوزہ لائے تو آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو تین بار دھویا اور ایک انگلی منہ میں داخل کی اور تین بار کلی کی اور سر و پاوں کا ٹخنوں تک مسح کیا جبکہ آپ کی ریش سے پانی سینے پر ٹپک رہا تھا پھر وضو کے بعد فرمایا نبی اکرم کے وضو کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے یہ نبی اکرم کا وضو ہے[۲]۔

۱۱۔ ابو مالک اشعری، انه قال لقومه:اجتمعوا اءصلى بكم صلاة رسول اللّه،فلما اجتمعوا قال : هل فيكم احد غيركم ؟ قالوا: لا, الا ابن اخت لنا. قال:ابن اخت القوم منهم .فدعا بجفنة فيها ماء فتوضاء, ومضمض واستنشق , وغسل وجهه ثلاثا, وذراعيه

---

[۱]۔ المغنی ۱: ۱۵۰-۱۵۱، الشرح الکبیر ۱: ۱۴۷، تفسیر قرطبی ۶: ۹۲، تفسیر طبری ۶: ۸۲، الدر المنثور سیوطی ۲: ۲۶۲، سنن بیہقی ۱: ۷۱.

[۲]۔ کنز العمال ح ۲۶۹۰۸۔

ثلاثا, ومسح راءسه وظهر قدميه .ثم صلى بهم , فكبر ثنتين وعشرين تكبيرة[1]؛ انہوں نے اپنی قوم سے کہا؛سب جمع ہو جاو میں تمہیں نبی اکرم ﷺ کی نماز پڑھاوں جب وہ سب جمع ہو گئے تو کہنے لگے؛ کیا تم میں کوئی پرایا شخص تو نہیں ؟انہوں نے کہا؛ نہیں، سوائے ہمارے بھانجے کے، کہنے لگے؛ کسی قوم کا بھانجا اسی میں سے ہوتا ہے پھر پانی کا ظرف منگوایا وضو کیا کلی کی اور نک میں پانی ڈالا پھر چہرے کو تین بار دھویا اور ہاتھوں کو بھی تین بار دھویا اور سر اور پاوں کی پشت کا مسح کیا پھر ان کو نماز پڑھائی اور ۲۲ تکبیریں کہیں۔

۱۲-طحاوی بسنده , عن نافع ,عن ابن عمر, انه كان اذا توضاء ونعلاه فى قدميه مسح ظهور قدميه بيديه , ويقول : كان رسول اللّه يصنع هكذا-نافع کا بیان ہے کہ ابن عمر جب وضو کرتے اور جوتے ان کے پاوں میں ہوتے تو ہاتھوں سے پاوں کی پشت پر مسح کرتے اور کہتے؛ نبی اکرم ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔

۱۳- عروہ بن زبیر؛طحاوی بسنده،عن عباد بن تميم، عن عمه [عبد اللّه]: ان النبى توضاء,ومسح على القدمين,واءن عروة كان يفعل ذلک- مصنف ابن اءبى شيبة وعبد الرزاق،انه كان يقول بالمسح على القدمين؛ تمیم نے اپنے چچا سے روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا اور قدموں پر مسح کیا اور عروہ بھی ایسا کیا کرتے تھے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ عروہ قدموں پر مسح کرتے تھے۔

۱۴- عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ عَنَّا النَّبِىُّ – صلى الله عليه وسلم – فِى سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا، فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقَتْنَا الصَّلاَةُ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ، فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا، فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ « وَيْلٌ لِلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ » . مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا [2]؛نبی اکرم ﷺ ایک سفر میں ہم سے پیچھے رہے جب آپ ہمارے پاس آئے جب کہ نماز کا وقت ہو چکا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے تو ہم نے

---

[1] مسند احمد ن ۲۱۸۲۵۔
[2] صحیح بخاری ح،۹۶، ۶۰، ۱۶۳۔

اپنے پاوں کو مسح کرنا شروع کر دیا توآپ نے دو تین بار بلند آواز سے فرمایا؛ جہنم کی آگ سے ایڑیوں کے لیے بربادی ہو۔

اس روایت کو بعض اوقات دوسرے مطلب (پاوں دھونے) کے لیے پیش کیا جاتا ہے حالانکہ اس میں ہے کہ ہم سب نے پاوں پر مسح کیا تو کیا اصحاب نبی اکرم کے حکم کے بغیر مسح کیا کرتے تھے، ہر گز نہیں، مسح تو قرآن اور سنت کا حکم تھا لیکن اس خاص مورد میں ہو سکتا ہے وہ کسی نجاست سے گزرے ہوں اور انہیں متوجہ کیا جارہا ہو مزید وضاحت اس حدیث کی بعد میں آئے گی۔

۱۵- رفاعة بن رافع أنه كان جالسا عند رسول الله ص إذ جاء رجل فدخل المسجد فصلى، فلما قضى صلاته جاء فسلم على رسول الله ص وعلى القوم، فقال له رسول الله ص : « ارجع فصل فإنک لم تصل » وذكر ذلک إما مرتين أو ثلاثة، فقال الرجل : ما أدرى ما عبت على من صلاتى، فقال رسول الله ص:« إنها لا تتم صلاة أحد حتى يسبغ الوضوء كما أمره الله عز وجل، يغسل وجهه ويديه إلى المرفقين، ويمسح رأسه ورجله إلى الكعبين، ثم يكبر ويحمد الله ويمجده، ويقرأ من القرآن ما أذن الله له فيه، ثم يكبر، ويركع، ويضع كفيه على ركبتيه حتى يطمئن مفاصله ويستوى ثم يقول : سمع الله لمن حمده، ويستوى قائما حتى يأخذ كل عظم مأخذه، ثم يقيم صلبه، ثم يكبر فيسجد فيمكن جبهته من الأرض حتى يطمئن مفاصله، ويستوى ثم يكبر فيرفع رأسه، ويستوى قاعدا على مقعدته ويقيم صلبه » فوصف الصلاة هكذا حتى فرغ، ثم قال:« لا يتم صلاة أحدكم حتى يفعل ذلک ».« هذا حديث صحيح على شرط الشيخين بعد أن أقام همام بن يحيى إسناده فإنه حافظ ثقة[1]-

رفاعہ کا بیان ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا جب ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے نماز پڑھی جب وہ نماز ختم کر چکا تو اس نے آکر نبی پاکؐ اور اصحاب پر سلام کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛ لوٹ جا

---

[1] مستدرک حاکم ح ۸۴۷۔

اور نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی، اور اسی طرح دو تین بار ہوا، تو وہ شخص عرض کرنے لگا، مجھے معلوم نہیں کہ میں نے نماز میں کیا غلطی کی ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛ کسی کی نماز مکمل نہیں ہوتی یہاں تک کہ اس کا وضو اس طرح کامل ہو جیسے خدا نے اس کا حکم دیا؛ یعنی وہ منہ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوئے اور سر اور پاوں کی ابھری ہوئی جگہ تک پاوں کا مسح کرے پھر تکبیر کہے اور خدا کی حمد و بزرگی بیان کرے اور قرآن میں جتنا پڑھنے کی خدا نے اجازت دی وہ پڑھے پھر تکبیر کہے، رکوع کرے اور اپنی ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھے حتی اس کے جوڑ ساکن ہو جائیں اور وہ سیدھا جھک جائے تو کہے؛ خدا سنتا ہے جو اس کی حمد کرتا ہے، پھر سیدھا کھڑا ہو جائے حتی ہر ہڈی اپنی جگہ پکڑ لے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے تو پیشانی زمین پر رکھ دے حتی سب جوڑ ساکن ہو جائیں اور پوری طرح جھک جائے پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھائے اور بالکل سیدھا بیٹھ جائے اسی طرح آپ نے پوری نماز آخر تک بیان کی پھر فرمایا؛ تم میں سے کسی کی نماز کامل نہ ہوگی حتی وہ اس طرح انجام دے۔ (اور اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم کے معیار کے مطابق ہے اور اس کی سند میں ہمام بن یحییٰ حافظ اور ثقہ اور سچا ہے)۔

۱۶۔ عروہ بن زبیر سے خصائص کبری میں نبی اکرم ﷺ کا معجزہ نقل کیا کہ جبرئیل نے آپ کو وضو کر کے دکھایا تو پاوں کا مسح کیا۔

۱۷۔ عبدالرحمٰن بن نفیر نے باپ سے نقل کیا؛ ابو جبیر نبی اکرم ﷺ کے پاس وہ بیٹی لیکر آئے جس سے آپ نے شادی کی تو نبی اکرم ﷺ نے پانی منگوایا، وضو کیا۔۔۔اور پاوں کا مسح کیا، روى حديثه عبد الرحمن بن جبير بن نفير، عن أبيه: أن أبا جبير قدم على النبي – ص – مع ابنته التي كان تزوجها رسول الله ص، فدعا رسول الله بوضوء فغسل يديه فأنقاهما، ثم مضمض فاه واستنشق بماء، ثم غسل وجهه ويديه إلى المرفقين ثلاثاً، ثم مسح رأسه ورجليه[1]-

۱۵- طبقات ابن سعد (ترجمة ابراهيم):قال:اخبرنا احمد بن عبد اللّه بن يونس , قال : حدثنا فضيل بن عياض عن مغيرة , عن ابراهيم , قال : من رغب عن المسح فقد رغب عن السنة , ولا اعلم ذلک الا من الشيطان .قال فضيل : يعنى تركه المسح؛

---

[1] ۔اسد الغابۃ، ترجمۃ ابو جبیر حضرمی۔

ابراہیم کہتا تھا؛جس نے مسح سے منہ موڑااس نے نبی پاک ﷺ کی سنت سے منہ موڑااور مسح کو چھوڑنا شیطان کی وجہ سے ہے۔

۱۶۔ شعبی کا قول ہے : وضو میں دو دھونے اور دو مسح ہیں: الوضوء مغسولان وممسوحان[1]، أما جبريل فقد نزل بالمسح على القدمين جبرئیل تو پاوں کا دھونا لیکر نازل ہوا[2]۔

۱۷- الطبری فی تفسیره بسنده , عن یونس , اءنه قال : حدثني من صحب عكرمة الى واسط, قال : فما رایته غسل رجلیه [انما كان] یمسح علیهما حتى خرج منها.وبسنده , عن عبد اللّه العتكي , عن عكرمة , اءنه قال : لیس على الرجلین غسل , انما نزل فیهما المسح؛ یونس کا بیان ہے کہ مجھے عکرمہ کے سفر واسط کے ساتھی نے بیان کیا کہ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا کہ اس نے پاوں دھوئے ہوں بلکہ وہ توان کا مسح کرتے رہے حتی وہاں سے واپس ہوئے اور عتکی نے عکرمہ سے نقل کیا؛ پاوں کا دھونا صحیح نہیں بلکہ ان پر تو صرف مسح واجب ہے۔

- ان متواتر روایات کے باوجود بعض ناانصافی کرنے والوں نے الٹا پیروان اہل بیت پر تہمت عائد کی کہ وہ مسح کے قائل ہیں درحالانکہ کوئی روایت مسح کی نہیں جیسے ابن کثیر تفسیر میں آیت وضو کے ذیل میں کہتا ہے :ومن اوجب من الشيعة مسحها كما يمسح الخف , فقد ضل واءضل؛اور شیعہ میں سے جو مسح پا، کے قائل ہیں جیسے خفّ(موزے) پر مسح کیا جاتا ہے وہ گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، حالانکہ خود ہی بعد میں دس صحابہ سے مسح نقل کیا ہے۔
- شہاب خفاجی کہتا ہے : ومن اهل البدع،من جوز المسح على الارجل بدون الخف , مستدلا بظاهر الاية. اہل بدعت میں سے کچھ وہ ہیں جو موزے کے بغیر پاوں پر مسح جائز کہتے ہیں اور آیت کے ظاہری معنی سے استدلال کرتے ہیں۔

---

[1] المغنی۱: ۱۵۱، الشرح الکبیر۱: ۱۴۷
[2] کنزالعمال ۲۶۸۵۱۔

- آلوسی کہتا ہے: لا يخفى ان بحث الغسل والمسح،مما كثر فيه الخصام وطالما زلت الاقدام ... الى ان يقول :... فلنبسط الكلام فى تحقيق ذلک،رغما لانوف الشيعة السالكين من كل سبل حالک؛مخفی نہیں کہ پاوں دھونے و مسح کرنے کے بارے میں بہت اختلاف ہے اور کئی لوگ پھسلے ہیں ہم اس مسئلے کی تحقیق میں مفصل بحث کریں گے تاکہ گمراہی کے راستے کے پیرو شیعہ کی ناک رگڑی جائے۔

ان لوگوں نے معلوم نہیں کس ذہنیت کے تحت ایسے بے بنیاد بیان دیئے اور اتنی متواتر روایات کو نظرانداز کر گئے۔

ثقلین دوم اہل بیتؑ سے وضو نبی اکرم ﷺ کا بیان

اہل بیت نبی اکرم جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرے بعد قرآن کے ہم پلہ ہیں اور ہدایت کے چراغ ہیں ان سے اس مطلب پر بہت زیادہ روایات مسح کے بارے میں نقل ہیں ان میں سے زرارہ کی صحیح السند روایت بھی دلالت کرتی ہے؛ محمد بن على بن الحسين بإسناده، عن زرارة قال: قلت لأبى جعفر (عليه السلام): ألا تخبرنى من أين علمت وقلت، أن المسح ببعض الرأس وبعض الرجلين؟ فضحک فقال: يا زرارة، قاله رسول الله (صلى الله عليه وآله)، ونزل به الكتاب من الله عز وجل، لأن الله عز وجل قال (فاغسلوا وجوهكم) فعرفنا أن الوجه كله ينبغى أن يغسل، ثم قال: (وأيديكم إلى المرافق) فوصل اليدين إلى المرفقين بالوجه، فعرفنا أنه ينبغى لهما أن يغسلا إلى المرفقين، ثم فصل بين الكلام فقال: (وامسحوا برؤسكم) فعرفنا حين قال: « برؤسكم » أن المسح ببعض الرأس لمكان الباء، ثم وصل الرجلين بالرأس، كما وصل اليدين بالوجه، فقال: (وأرجلكم إلى الكعبين) فعرفنا حين وصلهما بالرأس أن المسح على بعضهما ثم فسر ذلک رسول الله (صلى الله عليه وآله) للناس فضيعوه، الحديث.ورواه فى (العلل) عن أبيه، عن سعد بن عبدالله، عن يعقوب بن يزيد، عن حماد، عن حريز، عن

زرارة.ورواه الكلينى، عن على بن إبراهيم، عن أبيه، وعن محمد بن إسماعيل، عن الفضل بن شاذان جميعا، عن حماد بن عيسى، عن حريز، عن زرارة؛ میں نے امام باقرؑ سے عرض کی آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ نے کہاں سے سمجھا کہ سر اور پاوں کے صرف بعض حصے کا مسح کرنا کافی ہے ؟امام نے مسکرا کر فرمایا؛اے زرارہ ! نبی اکرم ﷺ نے بھی اس طرح فرمایا؛ کیونکہ خدا فرماتا ہے؛ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ؛ اپنے چہروں کو دھووااس سے ہم نے سمجھا کہ تمام چہرہ دھونا واجب ہے پھر خدا نے منہ کے ساتھ ملا کر فرمایا؛ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ ؛ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھووااس سے ہم نے سمجھا کہ تمام ہاتھ کو دھونا واجب نہیں بلکہ صرف کہنیوں سے انگلیوں تک دھونا ہے اس کے بعد خدا نے سابقہ کلام سے کچھ فاصلے کر کے دوسرا حکم دیتے ہوئے فرمایا؛ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ؛اور سروں کے کچھ حصے کا مسح کرواس باء بعضیت کی وجہ سے ہم نے سمجھا کہ سر کے صرف بعض حصے کا مسح واجب ہے پھر خدا نے پاوں کو سر سے اس طرح ملا کر جس طرح منہ کے ساتھ ہاتھوں کو ملایا تھافرمایا؛ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ؛ اس سے ہم نے سمجھا کہ اسی طرح پاوں کے بھی بعض حصے کا مسح کرنا واجب ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس کی تفسیر بھی بیان کی مگر لوگوں نے اسے ضائع کر دیا[1]۔

باقی رہی حدیث؛ويل للأعقاب من النار [2]؛جس سے اہل سنت کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور اس کی وجہ سے وہ پاوں دھونے کو ترجیح دے رہے، تو ان میں ہر گز وضو میں پاوں دھونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ وہ پاوں

---

[1] ۔الفقیہ ۱: ۵۶|۲۱۲، علل الشرائع: ۲۷۹|۱. الکافی ۳: ۳۰|۴. التہذیب ۱: ۶۱|۱۶۸، الاستبصار ۱: ۶۲|۱۸۶، وسائل باب ۲۳ ابواب وضوح ۱

[2] ۔ حدیث جابر: إحمد (۳/۳۱۶،ن ۱۴۴۳۲)، ابن إبی شیبہ (۱/۳۲،ن ۲۶۸) حدیث ابن عمرو: بخاری (۱/۳۳،ن ۶۰)، مسلم (۱/۲۱۴،ن ۲۴۱)، إبو داود (۱/۲۴،ن ۹۷)، نسائی (۱/۷۷،ن ۱۱۱)، ابن ماجہ (۱/۱۵۵،ن ۴۵۵)، حدیث إبی ہریرہ: عبد الرزاق (۱/۲۰ ،ن ۵۸) ، إحمد (۲/۴۸۲ ،ن ۱۰۲۵۳) ، بخاری (۱/۷۳،ن ۱۶۳)، مسلم (۱/۲۱۴ ،ن ۲۴۲)، ترمذی (۱/۵۸ ،ن ۴۱)، ابن ماجہ (۱/۱۵۴ ،ن ۴۵۳)، ابن حبان (۳/۳۶۸ ،ن ۱۰۸۸) حدیث عائشۃ : مالک (۱/۱۹ ،ن ۳۵) ،شافعی (۱/۱۷۵)، عبد الرزاق (۱/۲۳ ،ن ۶۹) ، مسلم (۱/۲۱۳ ،ن ۲۴۰) ابن ماجہ (۱/۱۵۴ ،ن ۴۵۱)، حدیث إبی ذر: عبد الرزاق (۱/۲۲ ،ن ۶۴) حدیث إبی إمامہ: طبرانی (۸/۲۸۹ ،ن ۸۱۰۹) ہیثمی (۱/۲۴۰) حدیث معیقیب: إحمد

پاک رکھنے کا ارشادی حکم ہے اور اتنا تو صحیح بھی ہے کہ نجس ایڑیوں سے وضو کر کے نماز کے مصلی پہ چڑھنا ٹھیک نہیں اور ان کو دھونا لازمی ہے لیکن اس کا وضو سے کوئی تعلق نہیں ! اور حضرت عثمان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے وصف میں کہا کہ آپ پاوں دھوتے تھے[1]، تو ہر گز یہ قرآن کی آیت کے واضح معنی اور سابقہ متواتر روایات سے مخالفت کی طاقت نہیں اس لیے وضو میں پاوں کا مسح کرنا واجب ہے۔

(۴۲۶/۳ن۱۵۵۴۹) طبرانی (۳۵۰/۲۰ ،ن۸۲۲) ہیثمی (۲۴۰/۱) ۔دوسرا متن: ویل للأعقاب وبطون الأقدام من النار؛اسے صرف عبد اللہ بن الحارث بن جزء نے نقل کیا مدارک؛ احمد (۱۹۱/۴،ن ۱۷۷۴۳)،ابن خزیمۃ (۸۴/۱ ،ن ۱۶۳) ہیثمی (۲۴۰/۱)، طحاوی (۳۸/۱) دار قطنی (۹۵/۱ن۱)، حاکم (۲۶۷/۱،ن۵۸۰) ضیاء (۲۱۴/۹،ن ۲۰۳) بغیہ الباحث (۲۱۶/۱ ،ن۷۹) بیہقی (۷۰/۱،ن۳۳۱) دیلمی (۳۹۳/۴،ن۷۱۳۹)۔

[1] صحیح مسلم ۱: ۲۰۴-۲۲۶/۲۰۵، سنن ابی داود ۱: ۲۶-۱۰۷/۲۷-۱۰۹، سنن الدارمی ۱: ۱۷۶، مسند احمد ۱: ۶۸۔

۱۔ وضو کے موجبات اور اسباب

(وَمُوجِبُهُ) (الْبَوْلُ وَالْغَائِطُ وَالرِّيحُ) مِنْ الْمَوْضِعِ الْمُعْتَادِ، أَوْ مِنْ غَيْرِهِ مَعَ انْسِدَادِهِ.وَإِطْلَاقُ الْمُوجِبِ عَلَى هَذِهِ الْأَسْبَابِ بِاعْتِبَارِ إيجَابِهَا الْوُضُوءَ عِنْدَ التَّكْلِيفِ بِمَا هُوَ شَرْطٌ فِيهِ، كَمَا يُطْلَقُ عَلَيْهَا النَّاقِضُ بِاعْتِبَارِ عُرُوضِهَا لِلْمُتَطَهِّرِ، وَالسَّبَبُ أَعَمُّ مِنْهُمَا مُطْلَقًا كَمَا أَنَّ بَيْنَهُمَا عُمُومًا مِنْ وَجْهٍ، فَكَانَ التَّعْبِيرُ بِالسَّبَبِ أَوْلَى .

(وَالنَّوْمُ الْغَالِبُ) غَلَبَةً مُسْتَهْلِكَةً (عَلَى السَّمْعِ وَالْبَصَرِ)، بَلْ عَلَى مُطْلَقِ الْإِحْسَاسِ، وَلَكِنَّ الْغَلَبَةَ عَلَى السَّمْعِ تَقْتَضِي الْغَلَبَةَ عَلَى سَائِرِهَا فَلِذَا خَصَّهُ أَمَّا الْبَصَرُ فَهُوَ أَضْعَفُ مِنْ كَثِيرٍ مِنْهَا، فَلَا وَجْهَ لِتَخْصِيصِهِ .

(وَمُزِيلُ الْعَقْلِ) مِنْ جُنُونٍ، وَسُكْرٍ، وَإِغْمَاءٍ (وَالِاسْتِحَاضَةُ) عَلَى وَجْهٍ يَأْتِي تَفْصِيلُهُ .

یہ چیزیں وضو واجب ہونے کا موجب بنتی ہیں؛ پیشاب، پاخانہ اور ہوا کا خارج ہونا یہ عادی راہ سے خارج ہوں یا جب وہ بند ہو تو کسی دوسری جگہ سے خارج ہوں اور وضو کے ان اسباب کو موجب اس لحاظ سے کہا ہے کہ یہ ان چیزوں کے لیے وضو واجب ہونے کا سبب ہیں جن میں طہارت شرط ہے جیسا کہ انہیں ناقض اور مبطل بھی کہتے ہیں اس لحاظ سے کہ جس کا وضو ہو یہ عارض ہوں تو اس کے وضو کو باطل کر دیتے ہیں اور انہیں سبب کہنا ان دونوں عنوانوں

سے عام تر (اعمّ مطلق) ہے جیسا کہ خود موجب اور ناقض ہونے کے درمیان عموم من وجہ کی نسبت ہے تو انہیں سبب کے عنوان سے بیان کرنا بہتر تھا۔

اور اسی طرح ایسی نیند جو سننے اور دیکھنے کی قدرت پر مکمل غلبہ کر لے اور انہیں اپنے کام سے روک دے بلکہ وہ نیند جو تمام احساسات پر غلبہ کر لے لیکن سننے کی قدرت پر غلبہ ہونا تمام حواس پر غلبہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے اس لیے اس کو خاص طور پر ذکر کیا ہے لیکن دیکھنے کی قوت جو بہت سے حواس سے کمزور ہے تو اسے خصوصی طور پر ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے

۔

اور ہر وہ چیز جو عقل کو زائل کر دے جیسے جنون اور پاگل پن اور مستی اور بے ہوشی ۔اور استحاضہ بھی وضو کا موجب بنتا ہے اس بناء پر جس کی تفصیل بیان کی جائے گی[1]۔

---

[1]۔ بعض مسلمانوں نے بعض دیگر اشیاء کو بھی مبطل وضو قرار دیا ان سب کو یہاں گنوانا طول کا باعث ہے ان میں اسے ایک سبب کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے جیسے وہ چیز جو آگ پر پکائی جائے اس سے وضو واجب ہوتا ہے اس کو بہت سے محدثین نے نقل کیا؛ توضئوامما مست النار؛ حدیث إنس: ابن ماجہ (۱/۱۶۴ان ۴۸۷) بوصیری (۱/۷۰) طبرانی،اوسط (۱۶/۷ان ۶۷۲۰) ہیثمی (۱/۲۴۹) حدیث عائشۃ : إحمد (۸۹/۶ن ۲۴۶۲۴) مسلم (۱/۲۷۳ن ۳۵۳) ابن ماجہ (۱/۱۶۴ان ۴۸۶) حدیث إبی ہریرہ؛عبد الرزاق (۱/۳۷ان ۶۶۸) ابن إبی شیبہ (۱/۵۳ن ۵۴۹)، إحمد (۲/۲۶۵ن ۷۵۹۴)، مسلم (۱/۲۷۲ن ۳۵۲) نسائی ،کبری (۱/۱۰۴ان ۱۷۹) ابن ماجہ (۱/۱۶۳ان ۴۸۵) ابن حبان (۳/۴۲۶ن ۱۱۴۷)حدیث زید بن ثابت: إحمد (۵/۱۸۴ان ۲۱۶۳۸) نسائی ،کبری (۱/۱۰۵ان ۱۸۵) .حدیث إبی طلحہ: ابن إبی شیبہ (۱/۵۳ن ۵۵۲) طبرانی (۵/۱۰۳ان ۴۷۲۸)حدیث إم حبیبہ:عبد الرزاق (۱/۷۲ان ۶۶۵) إحمد (۶/۴۲۶ن ۲۷۴۳۹) ابن إبی شیبہ (۱/۵۳ن ۵۵۰) إبو داود (۱/۵۰ن ۱۹۵) نسائی، کبری (۱/۱۰۵ان ۱۸۶) طبرانی (۲۳/۲۴۴ن ۴۸۸) حدیث إبی إیوب: طبرانی (۴/۱۴۰ان ۳۹۳۰) حدیث ابن عمر: طبرانی (۱۲/۲۸۱ن ۱۳۱۱۷)،ہیثمی (۱/۲۴۹) توضئوامما مست النار وغلت بہ من المراجل؛ حدیث إبی سعد الخیر، طبرانی (۲۲/۳۰۶ن ۷۷۶)،ہیثمی (۱/۲۴۹) ابن عساکر (۴۸/۲۴۸) الوضوء مما مست النار؛حدیث زید بن ثابت؛ مسلم (۱/۲۷۲ن ۳۵۱) دارمی (۱/۲۰۰ن ۷۲۶). حدیث إم حبیبہ: طبرانی (۲۳/۲۳۸ن ۴۶۳) طیالسی (ص ۲۲۲ن ۱۵۹۲) إحمد (۶/۴۲۷ن ۲۷۴۴۶) إبو یعلی (۱۳/۶۶ن ۷۱۴۵) ،حدیث عبد اللہ بن زید: طبرانی ،الأوسط (۱/۱۱۶ان ۳۶۲) ،ہیثمی (۱/۲۴۹) الوضوء مما مست النار ولو من ثور إقط؛ حدیث إبی ہریرہ؛ترمذی (۱/۱۱۴ان ۷۹) اب اس حدیث کی حقیقت یہ ہے کہ جس پر ابن عباس وام سلمی نے نقد کیا؛ جعفر بن برقان کا بیان ہے: کان إبو ہریرۃ یتوضأمما مست النار فبلغ

ذلک ابن عباس فأرسل إلیہ إرایت إذا إخذت دہبۃ طیبۃ فدہنت بہا لحیتی إکنت متوضأ فقال إبو ہریرۃ یا ابن إخی إذا حدثت بالحدیث فلا تضرب لہ الأمثال جدلا؛ ابوہریرہ آگ پر پکائی ہوئی چیز سے وضو کرتا تھا ابن عباس کو معلوم ہوا تو اسے پیغام بھیجا جب میں خوشبودار دھونی پکڑوں اور اس سے خوشبو لگاؤں تو کیا میں وضو سے ہونگا ابوہریرہ نے کہا اے برادر زادے! جب میں حدیث بیان کروں تو جھگڑے کے لیے مثالی نہ لاو؛ کنز العمال ۲۷۱۷۴، عبد الرزاق (۱/۱۷۴،ن ۶۷۲، جامع الاحادیث سیوطی ن ۴۲۴۷۴، عبد اللہ بن شداد بن ہاد کا بیان ہے کہ ابوہریرہ نے جب آگ سے پکائی ہو چیز سے وضو کرنے کا کہا تو مروان نے کہا ہمیں امہات المومنین زوجات نبی اکرم ﷺ سے پوچھنا چاہیے تو مجھے ام سلمی کے پاس بھیجا میں نے ان سے پوچھا انہوں نے کہا میرے پاس نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے وضو کیا ہوا تھا میں نے آپ کو جانور کا پکا ہوا بازو دیا، آپ نے کھایا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا؛ فأرسلنی إلی إم سلمۃ فسألتہا فقالت إتانی رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - وقد توضأ فناولتہ عرقا وکتفا فأکل ثم قام إلی الصلاۃ ولم یتوضأ؛ کنز العمال ۲۷۱۳۲، إسحاق بن راہویہ (۱/۱۳۲ن ۸۷) إحمد (۶/۳۱۷ن ۲۶۷۳۸) بخاری، التاریخ الکبیر (۵/۱۱۵، ترجمۃ رقم ۳۴۲)، ابن عباس نے کہا؛ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آگ کی پکی ہوئی چیزیں کھائیں پھر نماز پڑھی لیکن وضو نہیں کیا رایت النبی - صلی اللہ علیہ وسلم - یأکل مما مست النار ثم یصلی ولا یتوضأ؛ کنز العمال ۳۰۱۵۷، ابن إبی شیبہ (۷/۴۰۹ن ۳۶۹۴۲، جامع الاحادیث سیوطی ۳۸۸۶۵، مزید کہا: إنما النار من برکۃ اللہ ولا تحل من شیء ولا تحرمہ ولا وضوء مما مست النار ولا وضوء مما دخل إنما الوضوء مما خرج من الإنسان؛ کنز العمال ۲۷۱۲۱، عبد الرزاق (۱/۱۶۸ن ۶۵۳، سیوطی جامع الاحادیث ۳۸۷۱۲، فلیح بن سلیمان کا بیان ہے کہ ہم نے زہری سے اس مسئلے میں سوال کیا تو اس نے اس میں وضو کرنے کی کچھ حدیث سنادیں۔۔ ہم نے جابر بن عبد اللہ کی حدیث سنائی کہ نبی اکرم ﷺ نے اور ان کے بعد ابو بکر اور عمر نے بھی اس سے وضو نہیں کیا تو (لاجواب ہو کر کہنے لگے ایسی حدیث سننی ہے تو ابن عباس کی ایسی حدیث ہے) قال: سألنا الزہری عما مست النار فأخبرنا فی ذلک بأحادیث إمر فیہا بالوضوء عن إبی ہریرۃ وعن عمر بن عبد العزیز وعن خارجۃ بن زید وعن سعید بن خالد وعن عبد الملک بن إبی بکر فقلت لہ إن ہاہنا رجلا من قریش یقال لہ عبد اللہ بن محمد یحدث عن جابر بن عبد اللہ إن رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - خرج إلی إہل سعد بن الربیع فی نفر من إصحابہ منہم جابر بن عبد اللہ فأکلنا خبزا ولحما ثم صلی بنا رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - فصلینا معہ وما مس إحد منا وضوءا وانصرفت مع إبی بکر فی ولایتہ من المغرب فابتغی عشاء فقیل لیس ہاہنا إلا ہذہ الشاۃ وقد ولدت فحلبہا ثم طبخ لنا لباء فأکل وإکلنا معہ ثم قال کیف قال رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - إذا جاء مال إعطیتک ہکذا وہکذا وہکذا فلما جاءہ إعطانی ثلاث حفنات ثم خرج إلی المسجد فصلی بالناس وما مس ماء ولا مستہ وکان عمر بن الخطاب ربما جفن لنا فی ولایتہ فأکلنا الخبز واللحم فیخرج فیصلی ونصلی معہ وما یمس إحد منا وضوءا قال الزہری وإنا إحدثکم إیضًا إن کنتم تریدونہ حدثنی علی بن عبد اللہ بن عباس إن ابن عباس إخبرہ إن رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - إکل عضوا فصلی ولم یتوضأ وحدثنی جعفر بن عمرو بن إبیۃ الضمری عن إبیہ إنہ رای رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - إکل عضوا فصلی ولم یتوضأ، کنز العمال ۲۷۱۶۴، سیوطی جامع الاحادیث ۳۶۸۹۰۔

۲۔ وضو کے واجبات

قصد قربت

(ووَاجِبُهُ) أَیْ وَاجِبُ الْوُضُوءِ (النِّیَّةُ) وَهِیَ الْقَصْدُ إلَی فِعْلِهِ (مُقَارِنَةً لِغُسْلِ الْوَجْهِ) الْمُعْتَبَرِ شَرْعًا، وَهُوَ أَوَّلُ جُزْءٍ مِنْ أَعْلَاهُ، لِأَنَّ مَا دُونَهُ لَا یُسَمَّی غَسْلًا شَرْعًا، وَلِأَنَّ الْمُقَارَنَةَ تُعْتَبَرُ لِأَوَّلِ أَفْعَالِ الْوُضُوءِ وَالِابْتِدَاءِ بِغَیْرِ الْأَعْلَی لَا یُعَدُّ فِعْلًا (مُشْتَمِلَةً) عَلَی قَصْدِ (الْوُجُوبِ) إنْ کَانَ وَاجِبًا بِأَنْ کَانَ فِی وَقْتِ عِبَادَةٍ وَاجِبَةٍ مَشْرُوطَةٍ بِهِ، وَإِلَّا نَوَی النَّدْبَ، وَلَمْ یَذْکُرْهُ لِأَنَّهُ خَارِجٌ عَنْ الْغَرَضِ.(وَالتَّقَرُّبِ) بِهِ إلَی اللَّهِ تَعَالَی، بِأَنْ یَقْصِدَ فِعْلَهُ لِلَّهِ امْتِثَالًا لِأَمْرِهِ أَوْ مُوَافَقَةً لِطَاعَتِهِ، أَوْ طَلَبًا لِلرِّفْعَةِ عِنْدَهُ بِوَاسِطَتِهِ، تَشْبِیهًا بِالْقُرْبِ الْمَکَانِیِّ، أَوْ مُجَرَّدًا عَنْ ذَلِکَ، فَإِنَّهُ تَعَالَی غَایَةُ کُلِّ مَقْصِدٍ.

(وَالِاسْتِبَاحَةِ) مُطْلَقًا، أَوْ الرَّفْعِ حَیْثُ یُمْکِنُ، وَالْمُرَادُ رَفْعُ حُکْمِ الْحَدَثِ، وَإِلَّا فَالْحَدَثُ إذَا وَقَعَ لَا یَرْتَفِعُ وَلَا شُبْهَةَ فِی إجْزَاءِ النِّیَّةِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلَی جَمِیعِ ذَلِکَ وَإِنْ کَانَ فِی وُجُوبِ مَا عَدَا الْقُرْبَةِ نَظَرٌ، لِعَدَمِ نُهُوضِ دَلِیلٍ عَلَیْهِ .أَمَّا الْقُرْبَةُ فَلَا شُبْهَةَ فِی اعْتِبَارِهَا فِی کُلِّ عِبَادَةٍ، وَکَذَا تَمْیِیزُ الْعِبَادَةِ عَنْ غَیْرِهَا حَیْثُ یَکُونُ الْفِعْلُ مُشْتَرَکًا، إلَّا أَنَّهُ لَا اشْتِرَاکَ فِی الْوُضُوءِ حَتَّی فِی الْوُجُوبِ وَالنَّدْبِ، لِأَنَّهُ فِی وَقْتِ الْعِبَادَةِ الْوَاجِبَةِ الْمَشْرُوطَةِ بِهِ لَا یَکُونُ إلَّا وَاجِبًا، وَبِدُونِهِ یَنْتَفِی-

وضو کے واجبات میں سے ایک نیت ہے اور وہ اسے انجام دینے کا قصد و ارادہ کرنا ہے جو وضو کے پہلے جزء منہ دھونے کے ساتھ ملی ہوئی ہو جو شرعا معتبر ہے اور منہ کو اوپر سے دھونا وضو کا پہلا جزء ہے لیکن اس کے نیچے کو شرعی دھونا نہیں کہتے اور نیت کا وضو کے پہلے جزء کے ساتھ ملا ہونا شرط ہے اور اوپر سے دھونا شروع نہ کرنا شرعا وضو کا فعل شمار نہیں ہوتا۔

نیت میں وجوب کا قصد ہونا چاہیے اگر وضو واجب ہو اور ایسی واجب عبادت کے وقت میں ہو جس میں وضو شرط ہوتا ہے ورنہ مستحب کی نیت کرے اور مستحب کو ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ کتاب کی غرض سے خارج ہے۔

اور نیت خدا کے تقرب کے قصد و ارادے پر مشتمل ہو یعنی وضو کے انجام دینے سے نیت کرے کرے کہ وہ خدا کے حکم کی اطاعت کے لیے ہے یا اس کی اطاعت کی مطابقت کے لیے ہے یا خدا کے دربارے میں وضو کے ذریعے بلند مرتبہ حاصل کرنے لیے ہے یہ سب مقام و مرتبے کے تقرب سے تشبیہ دیتے ہوئے ہے یا اس سے قطع نظر کیونکہ خدا تعالی کی ذات ہر مقصد کی انتہاء اور آخری منزل ہے۔

اور نیت میں بطور مطلق مباح ہونے کا قصد کرنا یا جہاں ممکن ہو وہاں رفع حدث کی نیت کرنا چاہیے اور اس سے مراد ناپاکی کے حکم کو اٹھانا ہوتا ہے وگرنہ تو خود حدث اور ناپاکی جب واقع ہو جائے تو اس کا اٹھنا ناممکن ہے اور اس میں شک و شبہ نہیں کہ ان تمام اجزاء پر مشتمل کافی ہوتی ہے اگرچہ قصد قربت کے علاوہ چیزوں کے نیت میں واجب ہونے میں اشکال ہے کیونکہ ان کے واجب ہونے کی دلیل نہیں ملی۔

اور قصد قربت کے ہر عبادت میں معتبر ہونے میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح نیت میں اس عبادت کو دوسرے کاموں سے امتیاز دینا بھی معتبر ہے جب چند فعل آپس میں مشترک قسم کے ہوں لیکن وضو میں کوئی مشترک صفت نہیں حتی واجب ہونے اور مستحب ہونے میں بھی

وضو مشترک نہیں ہے کیونکہ اس واجب عبادت کے وقت میں جس میں وضو کی شرط ہو یہ صرف واجب ہوگا اور جب اس عبادت کا وقت نہ ہو تو اس کا وجوب نہیں ہوگا۔

منہ دھونا اور اس کی حدّ بندی

(وَجَرْیُ الْمَاءِ) بِأَنْ يَنْتَقِلَ كُلُّ جُزْءٍ مِنْ الْمَاءِ عَنْ مَحَلِّهِ، إلَى غَيْرِهِ بِنَفْسِهِ أَوْ بِمُعَيَّنٍ (عَلَى مَا دَارَتْ عَلَيْهِ الْإِبْهَامُ) بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ (وَالْوُسْطَى) مِنْ الْوَجْهِ (عَرْضًا وَمَا بَيْنَ الْقِصَاصِ) - مُثَلَّثُ الْقَافِ - وَهُوَ مُنْتَهَى مَنْبَتِ شَعْرِ الرَّأْسِ (إلَى آخِرِ الذَّقَنِ) بِالذَّالِ الْمُعْجَمَةِ وَالْقَافِ الْمَفْتُوحَةِ مِنْهُ (طُولًا) مُرَاعِيًا فِی ذَلِکَ مُسْتَوَى الْخِلْقَةِ فِی الْوَجْهِ وَالْيَدَيْنِ .وَيَدْخُلُ فِی الْحَدِّ مَوَاضِعُ التَّحْذِيفِ، وَهِیَ مَا بَيْنَ مُنْتَهَى الْعِذَارِ وَالنَّزَعَةِ الْمُتَّصِلَةِ بِشَعْرِ الرَّأْسِ وَالْعِذَارُ وَالْعَارِضُ، لَا النَّزَعَتَانِ بِالتَّحْرِيکِ، وَهُمَا الْبَيَاضَانِ الْمُکْتَنِفَانِ لِلنَّاصِيَةِ (وَتَخْلِيلُ خَفِيفِ الشَّعْرِ) وَهُوَ مَا تُرَى الْبَشَرَةُ مِنْ خِلَالِهِ فِی مَجْلِسِ التَّخَاطُبِ، دُونَ الْکَثِيفِ وَهُوَ خِلَافُهُ، وَالْمُرَادُ بِتَخْلِيلِهِ إدْخَالُ الْمَاءِ خِلَالَهُ لِغَسْلِ الْبَشَرَةِ الْمَسْتُورَةِ بِهِ، أَمَّا الظَّاهِرَةُ خِلَالَهُ فَلَا بُدَّ مِنْ غَسْلِهَا .

کَمَا يَجِبُ غَسْلُ جُزْءٍ آخَرَ مِمَّا جَاوَرَهَا مِنْ الْمَسْتُورَةِ مِنْ بَابِ الْمُقَدَّمَةِ .وَالْأَقْوَى عَدَمُ وُجُوبِ تَخْلِيلِ الشَّعْرِ مُطْلَقًا وِفَاقًا لِلْمُصَنِّفِ فِی الذِّکْرَى وَالدُّرُوسِ وَلِلْمُعَظَّمِ، وَيَسْتَوِی فِی ذَلِکَ شَعْرُ اللِّحْيَةِ وَالشَّارِبِ، وَالْخَدِّ وَالْعِذَارِ وَالْحَاجِبِ، وَالْعَنْفَقَةِ وَالْهُدْبِ .

اور پانی کو جاری کرنا یعنی اس کا ہر جزء ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرے خود یا کسی کی مدد سے، عرض (چوڑائی) میں چہرے کے اس حصے پر جس پر انگوٹھا اور درمیانی انگلی احاطہ کرے اور طول میں سر کے بال اگنے کی آخری حد سے ٹھوڑی کے آخر تک (پانی جاری کرے) اور چہرے اور ہاتھوں کی اس مقدار میں درمیانی خلقت کے شخص کا لحاظ کیا جائے (یعنی اگر کسی کے ہاتھ یا چہرہ بہت چوڑے یا بہت چھوٹے ہوں درمیانی خلقت کے انسان کے ہاتھوں اور چہرے کے برابر دھو دے)۔

اور (چہرہ دھونے کی اس واجب) حدّ میں مواضع تحذیف بھی داخل ہیں اور وہ کانوں کے بالمقابل بالوں اور گنجے پن کے بالوں سے خالی جگہ درمیانی جگہ ہے جو سر کے بالوں اور کانوں کے بالمقابل بالوں اور رخساروں سے متصل ہے لیکن اس حدّ میں گنجے پن کے دو خالی جگہیں جو پیشانی کو گھیرے ہوئے ہیں داخل نہیں ہیں[۱]۔

اور جس شخص کی ریش کے بال اس قدر کم ہوں کہ آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ان بالوں کے درمیان سے جلد نظر آتی ہو تو اسے چاہیے کہ بالوں کے نیچے جلد تک پانی پہنچائے لیکن اگر داڑھی کے بال اس قدر گھنے ہوں کہ جلد درمیان سے نظر نہ آتی ہو تو اس کے لیے جلد تک پانی پہنچانی ضروری نہیں ہے بلکہ بالوں کو دھونا کافی ہے تو کم بالوں والے حصے کی جلد تک پانی پہنچانا اس جلد کو دھونے کے لیے واجب ہوا لیکن جو جلد کا حصہ بالوں سے خالی ہو تو اسے دھونا واجب ہی ہے جیسا کہ بالوں سے ڈھپے ہوئے حصے کے آخر سے قریبی حصے کا کچھ حصہ دھونا اس لیے مقدمۃً واجب ہے کہ یقین ہو جائے کہ جتنا دھونا واجب تھا وہ ادا ہوا۔

---

[۱]۔ جیسا کہ بیان ہوا مواضع تحذیف کانوں کے بالمقابل بالوں اور گنجے پن کے بالوں کے بالوں سے خالی جگہ درمیانی جگہ ہے یہاں کچھ نرم بال موجود ہیں اور انہیں مواضع تحذیف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ عورتیں اور امیر گھرانوں کے لوگ ان بالوں کو صاف کر دیتے ہیں اور عذار کانوں کے بالمقابل حصہ ہے جس کا اوپر والا حصہ کنپٹی سے اور نیچے والا حصہ رخساروں سے ملا ہوا ہے عارض رخسار اور چہرے کے وہ حصے ہیں جن پر بال اگتے ہیں۔

لیکن قوی تر قول یہ ہے کہ بہر صورت (داڑھی کے بال گھنے ہوں یا کم) بالوں کے نیچے پانی پہنچانا واجب نہیں ہے یہ مصنف کے ذکری و دروس اور علماء کی کثیر جماعت کے فتوی کے مطابق ہے اور اس حکم میں داڑھی اور مونچھ، رخسار اور کانوں کے بالمقابل اگے بال، ابرو اور نچلے ہونٹوں اور ٹھوڑی کے درمیان اگے بال اور پلکوں کے بالوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

دونوں ہاتھوں کا دھونا

(ثُمَّ) غَسْلُ الْيَدِ (الْيُمْنَى مِنْ الْمِرْفَقِ) بِكَسْرِ الْمِيمِ وَفَتْحِ الْفَاءِ أَوْ بِالْعَكْسِ وَهُوَ مَجْمَعُ عَظْمَاتِ الذِّرَاعِ وَالْعَضُد، لَا نَفْسَ الْمَفْصِلِ (إلَى أَطْرَافِ الْأَصَابِعِ ثُمَّ) غَسْلُ (الْيُسْرَى كَذَلِكَ)، وَغَسْلُ مَا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ الْحُدُود مِنْ لَحْمٍ زَائِد، وَشَعْرٍ وَيَدٍ وَإِصْبَعٍ، دُونَ مَا خَرَجَ وَإِنْ كَانَ يَداً، إلَّا أَنْ تُشْتَبَهَ الْأَصْلِيَّةُ فَتُغْسَلَانِ مَعًا مِنْ بَابِ الْمُقَدِّمَة .

پھر دائیں بازوں کو کہنی سے انگلیوں کے کناروں تک[1] دھونا واجب ہے اور کہنی بازو کے کندھے کی طرف والے حصے اور ہاتھ کی طرف والے حصے کے درمیان جوڑ ہے نہ خود دو

---

[1]۔ ہاتھ دھوتے وقت اوپر سے نیچے دھونا واجب ہے، پس اگر الٹا دھوئیں تو کافی نہیں اس میں سید مرتضی اور ابن ادریس نے مخالفت کی اور الٹا دھونے کو جائز قرار دیا مشہور کی دلیل بہت سی معتبر روایات ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ اور اہل بیتؑ نے اوپر سے نیچے دھونے کو بیان کیا جیسے زرارہ نے امام باقرؑ سے صحیح السند روایت میں نقل کیا؛ الکافی عن علی بن إبراہیم، عن ابیہ، وعن محمد بن إسماعیل، عن الفضل بن شاذان جمیعا، عن حماد بن عیسی، عن حریز، عن زرارة قال: قال أبو جعفر (عليه السلام): ألا أحكي لكم وضوء رسول الله (صلى الله عليه وآله)؟ فقلنا: بلى، فدعا بقعب فيه شيء من ماء، فوضعه بين يديه، ثم حسر عن ذراعيه، ثم غمس فيه كفه اليمنى، ثم قال: هكذا، إذا كانت الكف طاهرة، ثم غرف ملأها ماء، فوضعها على جبينه ، ثم قال: بسم الله، وسدله على أطراف لحيته، ثم أمر يده على وجهه، وظاهرجبينه، مرة واحدة، ثم غمس يده اليسرى، فغرف بها ملأها، ثم وضعه

علی مرفقه الیمنی، فأمر کفه علی ساعده حتی جری الماء علی أطراف أصابعه، ثم غرف بیمینه ملأها، فوضعه علی مرفقه الیسری، فأمر کفه علی ساعده حتی جری الماء علی أطراف أصابعه، ومسح مقدم رأسه، وظهر قدمیه، ببلة یساره، وبقیة بلة یمناه.قال: وقال أبو جعفر (علیه السلام): إن الله وتر، یحب الوتر، فقد یجزیک من الوضوء ثلاث غرفات: واحدة للوجه، واثنتان للذراعین، وتمسح ببلة یمناک ناصیتک، وما بقی من بلة یمینک ظهر قدمک الیمنی، وتمسح ببلة یسارک ظهر قدمک الیسری. قال زرارة: قال أبو جعفر (علیه السلام): سأل رجل أمیر المؤمنین (علیه السلام) عن وضوء رسول الله (صلی الله علیه وآله)، فحکی له مثل ذلک. فرمایا کیا میں تمہیں نبی اکرمؐ کا وضو بیان نہ کروں ؟ ہم نے عرض کی ہاں مولا، توآپ نے ایک پیالہ منگوایا جس میں کچھ پانی تھااور اسے اپنے سامنے رکھ لیا پھر اپنی کلائیوں سے کپڑے ہٹایا پھر پیالے میں دائیں ہتھیلی ڈالی پھر فرمایا ؛ جب ہاتھ پاک ہوں تو اس طرح کرنا چاہیے پھر اسے پانی سے پر کر کے پیشانی پر رکھ کر اور بسم اللہ پڑھ کر اسے اپنی ریش مبارک کے اطراف پر ڈالا پھر اپنی ظاہری پیشانی اور منہ اور اس کے دونوں طرفوں پر ہاتھ پھیرا صرف ایک بار ایسا کیا پھر بایاں ہاتھ پانی میں ڈبویا اور چلو بھر کر دائیں ہاتھ کی کہنی پر ڈالا اور پھر دائیں کلائی پر اس طرح ہاتھ پھیرا کہ پانی انگلیوں کے سروں سے بہہ نکلا اس کے بعد دایاں ہاتھ پانی میں ڈالا اور چلو بھر کر بائیں ہاتھ کی کہنی پر ڈالا اور پھر اس ہاتھ کی کلائی پر اس طرح ہاتھ پھیرا کہ پانی انگلیوں کے سروں سے بہہ نکلا بعد میں باقی تری سے سر کے اگلے حصے پر اور دونوں پاوں کی پشت پر مسح کیا، راوی کا بیان ہے کہ امام باقر نے فرمایا ؛ خدا ایک ہے اور ایک ہی کو پسند کرتا ہے لہٰذا وضو کے لیے تمہیں تین چلو کافی ہیں یعنی ایک چلو منہ کے لیے اور دو چلو دونوں ہاتھ کے لیے پھر دائیں کی تر سے اپنے سر اور دائیں پاوں کی پشت کا مسح کرو اور بائیں ہاتھ کی تری سے اپنے بائیں پاوں کی پشت پر مسح کرو ،زرارہ کا بیان ہے کہ امام باقر نے فرمایا ؛ایک آدمی نے امام علیؑ سے نبی اکرمؐ کے وضو کے بارے میں سوال کیا توآپ نے بھی اس طرح اسے وضو کر کے دکھیا تھا (کافی ۳ ص ۲۵ ح ۴، فقیہ ا ص ۲۴ ح ۷۴. وسائل باب ۱۵ ابواب وضو ح ۲)۔

لیکن الٹا دھونے کے لیے قرآن کی آیت وضو میں لفظ الی سے استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ اس وقت ہے جب آیت دھونے کی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے ہو حالانکہ قرآن کریم کی آیت دھوئے جانے والے حصے کی حدبندی کو بیان کرنے کے لیے ہے جیسا کہ چہرہ دھونے کی کیفیت اور طریقہ بیان نہیں کیا بلکہ اس کے دھونے کی حد بیان کی ہے جس حصے پر لفظ وجہ بولا جائے۔

ہڈیوں کے جدا ہونے کی جگہ پھر اسی طرح بائیں ہاتھ کو دھویا جائے[1] اور اس حد کے اندر جو زائد گوشت اور بال، ہاتھ اور انگلی ہوں اس کا دھونا بھی واجب ہے لیکن جو چیز اس حد سے باہر ہو اگرچہ ہو ایک ہاتھ ہی ہو اس کا دھونا ضروری نہیں مگر یہ کہ وہ زائد ہاتھ اصلی ہاتھ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو تو مقدمہ علمی کے تحت ان دونوں کو دھویا جائے تاکہ یقین ہو جائے کہ جس کا دھونا حقیقت میں واجب تھا وہ اداء ہوا۔

سر کا مسح کرنا

(ثُمَّ مَسْحُ مُقَدَّمِ الرَّأْسِ)، أَوْ شَعْرِهِ الَّذِی لَا یَخْرُجُ بِمَدِّهِ عَنْ حَدِّهِ، وَاکْتَفَی الْمُصَنِّفُ بِالرَّأْسِ تَغْلِیبًا لِاسْمِهِ عَلَی مَا نَبَتَ عَلَیْهِ (بِمُسَمَّاهُ) أَیْ مُسَمَّی الْمَسْحِ، وَلَوْ بِجُزْءٍ مِنْ إصْبَعٍ، مَمَرًّا لَهُ عَلَی الْمَمْسُوحِ لِیَتَحَقَّقَ اسْمُهُ لَا بِمُجَرَّدِ وَضْعِهِ، وَلَا حَدَّ لِأَکْثَرِهِ نَعَمْ یُکْرَهُ الِاسْتِیعَابُ، إلَّا أَنْ یَعْتَقِدَ شَرْعِیَّتَهُ فَیَحْرُمُ، وَإِنْ کَانَ الْفَضْلُ فِی مِقْدَارِ ثَلَاثِ أَصَابِعَ .

پھر سر کے اگلے حصے کا یا اس کے ان بالوں کا مسح کرنا واجب ہے جو بہت لمبے ہونے کی وجہ سے کھینچ کر اس حد سے نہ نکل جاتے ہوں اور مصنف نے یہاں صرف سر پر مسح کرنے کو

---

[1]۔ بائیں ہاتھ کے دھونے کا وجوب تو قرآن و سنت میں موجود ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا بائیں ہاتھ کو دائیں کے بعد ترتیب سے دھونا لازم ہے یا چہرے کے بعد دائیں سے پہلے بھی دھو سکتے ہیں تو ترتیب کے لازم ہونے پر بہت سی روایات دلیل ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیتؑ کا وضو بیان ہوا ہے اور صحیح منصور بن حازم میں ہے؛ محمد بن الحسن باسنادہ عن الحسین بن سعید عن صفوان، عن منصور بن حازم، عن ابی عبداللہ (علیہ السلام)، فی الرجل یتوضأ فیبدأ بالشمال قبل الیمین، قال: یغسل الیمین ویعید الیسار. امام صادقؑ نے اس شخص کے جو بائیں ہاتھ کو دائیں سے پہلے دھوئے کے بارے میں فرمایا؛ دائیں ہاتھ دھوئے اور اس کے بعد بائیں ہاتھ دوبارہ دھوئے (تہذیب ۱: ۹۷|۲۵۳، استبصار ۱: ۷۳|۲۲۵. وسائل باب ۳۵ ابواب وضوح ۲)

بیان کیا اور اسی کو کافی سمجھا اس وجہ سے کہ سر کا نام غلبہ استعمال کی وجہ سے ان بالوں پر بھی بولا جاتا ہے جو اس پر اگتے ہیں اور مسح اتنی مقدار میں ہو کہ اس کا نام بولا جائے اگرچہ وہ انگلی کے ایک حصے کے ساتھ ہو اور انگلی کو سر کے حصے پر پھیرا جائے تاکہ مسح کا عنوان حاصل ہو نہ یہ کہ انگلی کو سر پر رکھ دیں لیکن مسح کی زیادہ حدّ کی تعیین نہیں ہاں پورے سر کا مسح کرنا مکرو ہے مگر جب پورے سر کے مسح کو واجب سمجھ کر انجام دے تو وہ حرام ہے[1]، اگرچہ تین انگلیوں کے برابر مسح کرنا فضیلت رکھتا ہے۔

---

[1]۔ کیونکہ جو چیز شریعت میں واجب نہیں ہے اسے واجب بنا کر کرنا بدعت اور تشریع کے زمرے میں آتا ہے تو وہ حرام ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا راستہ جہنم میں ہے اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں ان میں سے صحیح ترین یہ ہے: محمد بن علی بن الحسين بأسانيده عن زرارة ومحمد بن مسلم والفضيل أنهم سألوا أبا جعفر الباقر وأبا عبدالله الصادق (عليهما السلام) عن الصلاة فى شهر رمضان نافلة بالليل فى جماعة ؟ فقالا : إن رسول الله (صلى الله عليه وآله) كان إذا صلى العشاء الاخرة انصرف إلى منزله ، ثم يخرج من آخر الليل إلى المسجد فيقوم فيصلى ، فخرج فى أول ليلة من شهر رمضان ليصلى كما كان يصلى ، فاصطف الناس خلفه فهرب منهم إلى بيته وتركهم ، ففعلوا ذلک ثلاث ليال ، فقام فى اليوم الثالث على منبره فحمد الله وأثنى عليه ثم قال : أيها الناس ، إن الصلاة بالليل فى شهر رمضان من النافلة فى جماعة بدعة ، وصلاة الضحى بدعة ، ألا فلا تجمعوا (۱) ليلا فى شهر رمضان لصلاة الليل ، ولاتصلوا صلاة الضحى فان تلک معصية ، ألا وإن كل بدعة ضلالة وكل ضلالة سبيلها إلى النار ، ثم نزل وهو يقول : قليل فى سنة خير من كثير فى بدعة. محمد بن الحسن بإسناده عن الحسين ابن سعيد، عن حماد بن عيسى ، عن حريز ، عن زرارة ومحمد بن مسلم والفضيل ، مثله ؛ زرارہ ، محمد بن مسلم اور فضیل نے امام باقر و صادقؑ سے ماہ رمضان کے نوافل میں جماعت کے بارے میں سوال کیا؟ فرمایا؛ نبی اکرم ﷺ نماز عشاء کے بعد گھر چلے جاتے تھے پھر رات کے آخری حصے میں مسجد میں آتے اور نمازیں پڑھتے تھے اور ماہ رمضان کی پہلی رات جب آپ حسب سابق نماز پڑھنے کے لیے باہر تشریف لائے تو لوگ آپ کے صف باندھ کر کھڑے ہوگئے تو آپ ان سے جان چھڑا کر گھر میں تشریف لائے اور برابر تین راتوں تک لوگوں نے ایسا کیا چوتھے دن آپ منبر پر تشریف لائے اور خدا تعالی کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا؛ اے لوگو! ماہ رمضان کی رات کے وقت نافلہ پڑھنا مستحب ہے اور نافلہ کا جماعت کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے اور

پاوں کا مسح کرنا

(ثُمَّ مَسَحَ) بَشَرَةِ ظَهْرِ الرِّجْلِ (الْيُمْنَى) مِنْ رُءُوسِ الْأَصَابِعِ إلَى الْكَعْبَيْنِ وَهُمَا قُبَّتَا الْقَدَمَيْنِ عَلَى الْأَصَحِّ وَقِيلَ إلَى أَصْلِ السَّاقِ، وَهُوَ مُخْتَارُهُ فِي الْأَلْفِيَّةِ .(ثُمَّ) مَسَحَ ظَهْرَ (الْيُسْرَى) كَذَلِكَ (بِمُسَمَّاهُ) فِي جَانِبِ الْعَرْضِ (بِبَقِيَّةِ الْبَلَلِ) الْكَائِنِ عَلَى أَعْضَاءِ الْوُضُوءِ مِنْ مَائِهِ (فِيهِمَا) أَيْ فِي الْمَسْحَيْنِ، وَفُهِمَ مِنْ إطْلَاقِهِ الْمَسْحَ أَنَّهُ لَا تَرْتِيبَ فِيهِمَا فِي نَفْسِ الْعُضْوِ فَيَجُوزُ النَّكْسُ فِيهِ دُونَ الْغُسْلِ، لِلدَّلَالَةِ عَلَيْهِ ب "مِنْ" وَ"إلَى"، وَهُوَ كَذَلِكَ فِيهِمَا عَلَى أَصَحِّ الْقَوْلَيْنِ .وَفِي الدُّرُوسِ رَجَّحَ مَنْعَ النَّكْسِ فِي الرَّأْسِ دُونَ الرِّجْلَيْنِ وَفِي الْبَيَانِ عَكْسٌ، وَمِثْلُهُ فِي الْأَلْفِيَّةِ (مُرَتَّبًا) بَيْنَ أَعْضَاءِ الْغُسْلِ وَالْمَسْحِ: بِأَنْ يَبْتَدِئَ بِغَسْلِ الْوَجْهِ، ثُمَّ بِالْيَدِ الْيُمْنَى، ثُمَّ الْيُسْرَى، ثُمَّ بِمَسْحِ الرَّأْسِ، ثُمَّ الرِّجْلُ الْيُمْنَى، ثُمَّ الْيُسْرَى، فَلَوْ عَكَسَ أَعَادَ عَلَى مَا يَحْصُلُ مَعَهُ التَّرْتِيبُ مَعَ بَقَاءِ الْمُوَالَاةِ .وَأَسْقَطَ الْمُصَنِّفُ فِي غَيْرِ الْكِتَابِ التَّرْتِيبَ بَيْنَ الرِّجْلَيْنِ (مُوَالِيًا) فِي فِعْلِهِ (بِحَيْثُ لَا يَجِفُّ السَّابِقُ) مِنْ الْأَعْضَاءِ عَلَى الْعُضْوِ الَّذِي هُوَ فِيهِ

چاشت کی نماز بدعت ہے آگاہ رہو کہ ماہ رمضان میں رات کے وقت نافلہ شب کے لیے اکٹھے نہ ہوا کرو اور چاشت کی نماز نہ پڑھا کرو کہ یہ گناہ ہے آگاہ رہو کہ ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا راستہ جہنم کی طرف ہے پھر یہ فرماتے ہوئے منبر سے اترے کہ سنت کے مطابق تھوڑا عمل اس بہت سے عمل سے بہتر ہے جو بدعت ہو۔ [فقیہ ۲ ص ۸۷ ح ۳۹۴ . تہذیب ۳ ص ۶۹ ح ۲۲۶، استبصار ۱ ص ۴۶۷ ح ۱۸۰۷ وسائل، ابواب نوافل شہر رمضان، باب ۱۰، ح ۱].

مُطْلَقًا، عَلَى أَشْهَرِ الْأَقْوَالِ، وَالْمُعْتَبَرُ فِي الْجَفَافِ الْحِسِّيِّ لَا التَّقْدِيرِيِّ، وَلَا فَرْقَ فِيهِ بَيْنَ الْعَامِدِ وَالنَّاسِي وَالْجَاهِلِ .

پھر دائیں پاوں کی انگلیوں کے سروں سے پاوں کی ابھری ہوئی جگہ تک پاوں کی پشت کی جلد پر مسح کرے[1]۔اور کعبین صحیح تر قول کی بناء پر پاوں کے ابھری ہوئی جگہیں ہیں[2] اور ایک قول ہے کہ وہ پنڈلی کی جڑ ہیں، اور اسی کو الفیہ میں مصنف نے اختیار کیا ہے، پھر اسی طرح بائیں پاوں کی پشت کا مسح کرے اور عرض میں اتنا ہو کہ مسح کا نام بولا جائے اور مسح اعضاء وضو پر وضو کے پانی سے باقی بچ جانے والی تری سے ہو یہ دونوں مسحوں میں ہے اور ان کے بطور مطلق بیان کرنے سے سمجھا گیا کہ دونوں مسحوں میں خود عضو کے مسح کرنے میں ترتیب نہیں ہے تو اس عضو میں الٹا مسح کرنا بھی جائز ہوگا لیکن دھونے کے اعضاء میں الٹا دھونا جائز نہ تھا کیونکہ وہاں من اور الی (سے وہاں تک) کی دلالت تھی لیکن صحیح تر قول کی بناء پر دونوں (دھونے اور مسح) میں اسی طرح ترتیب ضروری ہے لیکن دروس میں الٹے مسح کو سر میں جائز

---

[1]۔ جیسا کہ اس بحث کو قرآن وسنت کی روشنی میں آیت کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے۔

[2]۔ معتبر میں اسے مذہب اہل بیت قرار دیا ہے اور نہایہ ابن اثیر میں ہے ایک قوم کعبین کو پاوں کی پشت پر ابھری ہوئی ہڈیاں سمجھتی ہے اور یہ شیعہ کا مذہب ہے اور سنی اسے ٹخنوں کے معنی میں لیتے ہیں[المبسوط سرخسی ۱: ۹، إحکام القرآن جصاص ۲: ۳۴۷، الأم ۱: ۲۷، إحکام القرآن ابن العربی ۲: ۵۷۹، بدائع الصنائع ۱: ۷، مغنی المحتاج ۱: ۵۳ - ۵۴، التفسیر الکبیر ۱۱: ۱۶۲، المجموع ۱: ۴۲۲، المغنی ۱: ۱۵۵.] لیکن حنفی اور بعض شافعی (محمد بن حسن شیبانی) شیعہ کی مانند نظریہ رکھتے ہیں[المبسوط سرخسی ۱: ۹، إحکام القرآن جصاص ۲: ۳۴۷، بدائع الصنائع ۱: ۷، شرح فتح القدیر ۱: ۱۵، شرح الازہار ۱: ۸۹.] اور عمید الروساء ماہر لغت نے اس کے معنی میں کتاب لکھی اور ثابت کیا کہ کعبین کا معنی پاوں کی ابھری ہوئی جگہ ہے اور اس میں بیان کیا کہ ٹخنوں کو اہل سنت کعب کہتے ہیں حالانکہ فصیح عرب انہیں منجمین اور رہرین کہتے ہیں اس پر میسر کی امام باقرؑ سے روایت بھی دلالت کرتی ہے (وسائل باب ۱۵ ابواب وضوح ۹) اور امام باقر سے اس کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا؛ یہاں، اور اشارہ فرمایا پشت کی ابھری ہوئی جگہ کی طرف قد سئل فائین الکعبان؟: "ہاہنا" [التہذیب ۱: ۱۹۱/۷۶، الکافی ۳: ۲۶ح ۵.] لیکن علامہ حلی نے اسے پنڈلی اور قدم کا جوڑ قرار دیا اور شہید اول نے بیان میں اسی کی پیروی کی اور اس کی دلیل زرارہ وبکیر کی امام باقر سے روایت کو قرار دیا (سابقہ ح ۳)

ہونے کو ترجیح دی ہے نہ پاوں میں اور بیان میں اس کے بر عکس کہا یعنی پاوں میں الٹا مسح جائز کہا لیکن سر میں نہیں اور اسی طرح الفیہ میں ہے اور وضو کے اعضاء غسل اور مسح میں ترتیب کا خیال رکھنا چاہیے یعنی منہ دھونے سے شروع کرے پھر دائیں ہاتھ دھوئے پھر بائیں ہاتھ پھر سر کا مسح کرے پھر دائیں پاوں کا مسح کرے پھر بائیں پاوں کا مسح کرے پس اگر ترتیب کے الٹ کرے تو وہاں سے وضو دوبارہ کرے جہاں سے ترتیب حاصل ہو جائے اور وضو کے اعضاء میں پے در پے اعمال وضو بھی باقی رہے اور مصنف نے دیگر کتابوں میں پاوں کے مسح میں ترتیب کو ساقط کر دیا یعنی واجب نہیں کی اور وضو کے اعمال کو اس طرح پے در پے انجام دے کہ جس عضو کے فعل کو وہ انجام دے رہا ہے اس سے پہلے اعضاء خشک نہ ہوئے ہو یہ مشہور تر قول ہے اور خشک ہونے کا معیار حسی خشکی ہے نہ تقدیری[1] اور اس میں فرق نہیں کہ وہ جان بوجھ کر خشک کرے یا بھولے سے یا حکم سے جاہل ہو۔

۳۔ وضو کے مستحبات

(وَسُنَنُهُ السِّوَاکُ) وَهُوَ دَلْکُ الْأَسْنَانِ بِعُود، وَخِرْقَة، وَإِصْبَعٍ، وَنَحْوِهَا، وَأَفْضَلُهُ الْغُصْنُ الْأَخْضَرُ، وَأَكْمَلُهُ الْأَرَاکَ، وَمَحَلُّهُ قَبْلَ غُسْلِ الْوُضُوءِ الْوَاجِبِ وَالنَّدْبُ كَالْمَضْمَضَة، وَلَوْ أَخَّرَهُ عَنْهُ أَجْزَأَ.وَاعْلَمْ أَنَّ السِّوَاکَ سُنَّةٌ مُطْلَقًا، وَلَكِنَّهُ يَتَأَكَّدُ فِي مَوَاضِعَ مِنْهَا: الْوُضُوءُ وَالصَّلَاةُ، وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ، وَاصْفِرَارُ الْأَسْنَانِ وَغَيْرُهُ .

---

[1]۔ اگر ہوا میں نمی ہوتی اور پے در پے اعمال وضو بجانہ لاتا تو تری ختم نہ ہوتی لیکن جب ہوا کے گرم ہونے کی وجہ سے فورا خشکی حاصل ہو رہی ہے تو اسی خشکی کو معیار قرار دیں نہ اس فرضی تری کو معیار بنائیں جو سردی اور ہوا کی نمی کی صورت میں ہو سکتی تھی۔

(وَالتَّسْمِيَةُ) وَصُورَتُهَا:" بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ،ويُسْتَحَبُّ إتْبَاعُهَا بِقَوْلِهِ:" اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنْ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنْ الْمُتَطَهِّرِينَ " وَلَوْ اقْتَصَرَ عَلَى " بِسْمِ اللَّهِ " أَجْزَأَ، وَلَوْ نَسِيَهَا ابْتِدَاءً تَدَارَكَهَا حَيْثُ ذَكَرَ، قَبْلَ الْفَرَاغِ كَالْأَكْلِ، وَكَذَا لَوْ تَرَكَهَا عَمْدًا.(وَغَسْلُ الْيَدَيْنِ) مِنْ الزَّنْدَيْنِ (مَرَّتَيْنِ) مِنْ حَدَثِ النَّوْمِ وَالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ، لَا مِنْ مُطْلَقِ الْحَدَثِ كَالرِّيحِ عَلَى الْمَشْهُورِ.وَقِيلَ مِنْ الْأَوَّلَيْنِ مَرَّةً، وَبِهِ قَطَعَ فِي الذِّكْرَى، وَقِيلَ مَرَّةً فِي الْجَمِيعِ، وَاخْتَارَهُ الْمُصَنِّفُ فِي النَّفْلِيَّةِ، وَنُسِبَ التَّفْصِيلُ إلَى الْمَشْهُورِ وَهُوَ الْأَقْوَى.وَلَوْ اجْتَمَعَتْ الْأَسْبَابُ تَدَاخَلَتْ إنْ سَاوَتْ، وَإِلَّا دَخَلَ الْأَقَلُّ تَحْتَ الْأَكْثَرِ.وَلْيَكُنْ الْغُسْلُ (قَبْلَ إدْخَالِهِمَا الْإِنَاءَ) الَّذِي يُمْكِنُ الِاغْتِرَافُ مِنْهُ، لِدَفْعِ النَّجَاسَةِ الْوَهْمِيَّةِ، أَوْ تَعَبُّدًا.وَلَا يُعْتَبَرُ كَوْنُ الْمَاءِ قَلِيلًا لِإِطْلَاقِ النَّصِّ، خِلَافًا لِلْعَلَّامَةِ حَيْثُ اعْتَبَرَهُ .

(وَالْمَضْمَضَةُ) وَهِيَ إدْخَالُ الْمَاءِ الْفَمَ، وَإِدَارَتُهُ فِيهِ (وَالِاسْتِنْشَاقُ) وَهُوَ جَذْبُهُ إلَى دَاخِلِ الْأَنْفِ (وَتَثْلِيثُهُمَا) بِأَنْ يَفْعَلَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَلَاثًا، وَلَوْ بِغُرْفَةٍ وَاحِدَةٍ، وَبِثَلَاثٍ أَفْضَلُ، وَكَذَا يُسْتَحَبُّ تَقْدِيمُ الْمَضْمَضَةِ أَجْمَعَ عَلَى الِاسْتِنْشَاقِ، وَالْعَطْفُ بِالْوَاوِ لَا يَقْتَضِيهِ (وَتَثْنِيَةُ الْغَسَلَاتِ) الثَّلَاثِ بَعْدَ تَمَامِ الْغَسْلَةِ الْأُولَى فِي الْمَشْهُورِ، وَأَنْكَرَهَا الصَّدُوقُ.(وَالدُّعَاءُ عِنْدَ كُلِّ فِعْلٍ) مِنْ الْأَفْعَالِ الْوَاجِبَةِ وَالْمُسْتَحَبَّةِ الْمُتَقَدِّمَةِ بِالْمَأْثُورِ.(وَبَدْأَةُ الرَّجُلِ) فِي غَسْلِ الْيَدَيْنِ (بِالظَّهْرِ وَفِي) الْغَسْلَةِ (الثَّانِيَةِ بِالْبَطْنِ، عَكْسُ الْمَرْأَةِ).فَإِنَّ السُّنَّةَ لَهَا الْبَدْأَةُ بِالْبَطْنِ، وَالْخَتْمُ بِالظَّهْرِ- كَذَا ذَكَرَهُ الشَّيْخُ وَتَبِعَهُ عَلَيْهِ الْمُصَنِّفُ هُنَا

وَجَمَاعَةٌ، وَالْمَوْجُودُ فِى النُّصُوصِ بَدأَةُ الرَّجُلِ بِظَهْرِ الذِّرَاعِ، وَالْمَرْأَةُ بِبَاطِنِه، مِنْ غَيْرِ فَرْقٍ فِيهِمَا بَيْنَ الْغَسْلَتَيْنِ وَعَلَيْهِ الْأَكْثَرُ، (وَيَتَخَيَّرُ الْخُنْثَى) بَيْنَ الْبَدْأَةِ بِالظَّهْرِ وَالْبَطْنِ عَلَى الْمَشْهُورِ وَبَيْنَ الْوَظِيفَتَيْنِ عَلَى الذُّكُورِ .

وضو کے مستحبات میں یہ ہیں :

۱۔ مسواک کرنا[1]؛ اور وہ دانتوں کو لکڑی، کپڑے کے ٹکڑے اور انگلی وغیرہ سے ملنا ہے اور افضل یہ ہے کہ سبز ٹہنی سے مسواک کیا جائے اور اس سے کامل تر یہ ہے کہ اراک کی لکڑی ہو اور اس کا موقع واجب یا مستحب وضو سے پہلے ہے کلی کی طرح کہ اگر اس کو وضو سے موخر کردے تو بھی کافی ہے اور جان لو کہ مسواک بطور مطلق (ہر حال میں) سنت ہے لیکن چند

---

[1] ۔ مسواک کے مستحب ہونے پر بہت زیادہ روایات ہیں جن کے لیے صاحب وسائل اور دیگر محدثین نے کئی ابواب ذکر کیے ہیں ان میں کثرت سے معتبر روایات بھی ہیں جن میں مسواک کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے جیسے مشہور معتبر روایت ہے ؛ محمد بن یعقوب ، عن عدّة من إصحابنا، عن إحمد بن محمد ، عن ابن محبوب ، عن العلاء، عن محمد بن مسلم ، عن إبی جعفر (علیہ السلام) قال : قال النبی (صلی الله علیه واله) : ما زال جبرئیل یوصینی بالسواک حتی خفت أن أحفی أو أدرد ؛امام باقرؑ نے نقل کیا ؛ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ؛ مجھے جبرئیل نے مسواک کی اتنی تاکید کی مجھے خوف ہونے لگا کہ مسواک کی کثرت سے دانت نہ ٹوٹیں (کافی ۳ : ۲۳ح ۳ وسائل باب۱ابواب مسواک ح ۷،۶،۱،۱۶،۱۵،۳۲،۳۱) اور ایک غیر معتبر روایت میں ہے ؛فی السواک عشر خصال : مطهرة للفم ، ومرضاة للرب ، ومفرحة للملائكة ، وهو من السنة ، ویشد اللثة ، ویجلو البصر ، ویذهب بالبلغم ، ویذهب بالحفر (وسائل ابواب مسواک باب ۱ ح۱۱، ۱۲، ۱۷، ۲۵) ؛ مسواک کرنے میں دس خصلتیں ہیں ؛ منہ کی پاکی ، خدا کی رضا ، ملائکہ کی خوشی ، اور یہ سنت ہے ، مسوڑوں کو مضبوط کرتا ہے اور آنکھوں کی طاقت کو تیز کرتا ہے اور بلغم کو دور کرتا ہے اور دانتوں کی زردی دور کرتا ہے وغیرہ ، اگرچہ ان میں سے بعض چیزیں تجربے سے ثابت ہیں اور بعض دیگر معتبر روایات میں ذکر ہیں جیسے جمیل کی معتبر روایت میں ہے ؛ عن محمد بن یحیٰی ، عن إحمد بن محمد ، عن ابن فضال ، عن حماد بن عیسی ، عن إبی عبدالله (علیہ السلام) : السواک یذهب بالدمعة ، ویجلو البصر . مسواک کرنے سے بلغم دور ہوتی ہے اور بینائی تیز ہوتی ہے (وسائل سابقہ ح ۱۴) اور بعض روایات میں ہے کہ مسواک کرنا انبیاء کی سنتوں میں سے ایک ہے (وسائل سابقہ ، ح ۵)

موارد میں اس کی تاکید کی گئی ہے ان میں سے وضو اور نماز، قرآن کریم کی قراء ت کے وقت اور اس وقت جب دانت زرد پیلے ہو چکے ہوں وغیرہ (منہ کی بدبو کو دور کرنے) کے لیے مسواک کرنے کی تاکید ہے۔

۲۔ بسملہ پڑھنا اور اس کی صورت یہ ہے بسم اللہ و باللہ اور اس کے بعد یہ پڑھنا مستحب ہے؛ خدایا مجھے توبہ کرنے والوں اور طہارت کرنے والوں میں سے قرار دے اور اگر فقط بسم اللہ پر اکتفاء کرے تو بھی کافی ہے اور اگر ابتداء میں بھول جائے تو جہاں یاد آجائے وضو سے فارغ ہونے سے پہلے اس کا تدارک کرے جیسے کھانے کے وقت ہوتا ہے اور اسی طرح ہے اگر جان بوجھ کر اسے چھوڑ دے تو فارغ ہونے سے پہلے اسکا تدارک کرے۔

۳۔ ہاتھوں کو دو بار کلائی سے دھونا نیند اور پیشاب و پاخانہ کی ناپاکی کو دور کرنے کے لیے نہ ہر قسم کی ناپاکی کے لیے جیسے ہوا کا خارج ہونا یہ مشہور ہے اور ایک قول ہے کہ پہلے دو اسباب کے لیے ایک بار دھوئے اور ذکری میں اسی کا یقین کیا ہے اور ایک قول ہے کہ سب میں ایک بار کافی ہے اور مصنف نے کتاب نفلیہ میں اسے اختیار کیا ہے اور اس تفصیل کو مشہور کی طرف نسبت دی ہے اور یہی قوی تر قول ہے اور اگر چند اسباب جمع ہو جائیں تو اگر برابر ہوں تو آپس میں تداخل ہو جائے گا ان سب کے لیے ایک بار اس طریقے پر عمل کرنا کافی ہوگا وگرنہ جو کم ہوگا وہ زیادہ کے تحت داخل ہوگا اور ہاتھوں کو دھونا پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہو وہ برتن جس سے چلو بھرنا ممکن ہو تاکہ جس نجاست کا احتمال ہو اس کو دور کیا جائے یا یہ حکم تعبدی ہے یعنی شارع نے اس کا حکم دیا ہے اس کی غرض وہ خود جانتا ہے اور ضروری نہیں کہ پانی قلیل ہو تو یہ مستحب ہو کیونکہ روایت کا مفہوم وسیع ہے علامہ حلی کے نظریئے کے خلاف ہے کہ انہوں نے اس کو اس وقت مستحب قرار دیا جب پانی قلیل ہو۔

۴۔ اور کلی کرنا یعنی منہ میں پانی ڈالنا اور اس کو منہ میں گھمانا ہے۔

۵۔ ناک میں پانی ڈالنا اور وہ پانی کو ناک میں کھینچنا ہے۔

۶۔ اور یہ دونوں کام تین تین بار ہوں یعنی ان میں ہر کام کو تین بار انجام دے اگرچہ ایک ہی چلو سے تین بار کرے اور تین چلو ہونے افضل ہے اور اسی طرح سب کلیوں کا ناک میں پانی ڈالنے سے پہلے ہونا مستحب ہے اور یہاں (لمعہ میں) انہوں نے جو بیان کیا تو اس میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے درمیان واو کے ساتھ عطف کیا ہو وہ تو کلی کے پہلے ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

۷۔ اور مشہور قول کی بناء پر پہلے دھونے کے تمام ہونے کے بعد تینوں دھونے (منہ اور دونوں ہاتھوں) کو دوبارہ دھوئے لیکن شیخ صدوق نے اس کا انکار کیا ہے[1]۔

۸۔ وضو کے ہر گذشتہ واجب اور مستحب فعل کے وقت وہ دعائیں پڑھے جو منقول ہیں[2]۔

---

[1]۔ اعضاء ثلاثہ یعنی منہ اور دونوں ہاتھوں کو دھونا ایک بار دھونا تو ایک میں دھونے کے امر سے لازمی ہے کیونکہ جب ایک مرتبہ دھویا تو دھونے کے امر کی اطاعت ہوگئی اور زرارہ نے امام باقرؑ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے بیان میں ایک بار کو نقل کیا لیکن مشہور قول کی بناء پر دوسری بار دھونا مستحب ہے جیسا زرارہ نے امام صادقؑ سے صحیح روایت میں نقل کیا؛ وضو دو دو بار ہے جو اس سے زیادہ ہو تو اس پر اجر نہیں ملے گا (وسائل باب ۳۱ ابواب وضو ح ۵) لیکن شیخ صدوق، کلینی، بزنطی اور فاضل ہندی نے ایک دفعہ سے زیادہ دھونے کا انکار کیا اور کہا جو ایک سے زیادہ دھوئے اس کا اجر نہیں ملے گا اور اس پر ابن ابی عمیر کی مرسلہ اور ابن ابی یعفور کی روایت نقل کی (وسائل سابقہ، ح ۳ و ۲۷) لیکن ایک تو وہ معتبر نہیں ثانیاً ان کی یہ توجیہ کی گئی کہ جب دوسری بار دھونے کو واجب سمجھا جائے تو اجر نہیں ملے گا اور یہ بات ٹھیک ہے کیونکہ دھونا تو ایک بار واجب ہے اور ابن جنید نے تیسری بار دھونے کو اضافہ قرار دیا جس کی ضرورت نہیں اور ابن ابی عقیل نے کہا اس پر اجر نہیں ملے گا اور شیخ مفید نے کہا یہ تکلف ہے ان کے کلام سے تیسری بار دھونے کا حرام ہونا ثابت نہیں جبکہ مشہور نے تیسری بار دھونے کو بدعت اور حرام قرار دیا اور روایات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں جو وسائل کے اسی باب میں ذکر ہیں۔

[2]۔ جیسا کہ عبد الرحمان بن کثیر نے امام صادقؑ سے روایت کی ایک دن امام علیؑ، محمد بن حنفیہؒ کے ساتھ تشریف فرما تھے ان سے فرمایا اے محمد! میرے پاس پانی کا برتن لاو تاکہ میں نماز کے لیے وضو کروں تو محمد پانی لایا آپ نے دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالا اور یہ دعا پڑھی: بسم الله وبالله، والحمد لله الذی جعل الماء طهورا ولم يجعله نجسا. پھر جا کر استنجاء کیا اور یہ دعا پڑھی: اللهم حصن فرجی، وأعفه، واستر عورتی، وحرمنی علی النار؛ امام صادقؑ کا بیان ہے کہ پھر تین بار کلی کی اور یہ دعا پڑھی: اللهم لقنی حجتی یوم ألقاک، وأطلق لسانی بذکرک، پھر تین بار ناک میں پانی

۹۔ مرد کو بازو دھوتے وقت پشت کی طرف سے شروع کرنا چاہیے اور دوسرے دھونے میں اندر کی طرف سے دھونا چاہیے لیکن عورت اس کے برعکس کرے کہ اس لیے سنت یہ ہے کہ پہلی بار بازو کے اندر سے دھوئے اور دوسری بار باہر کی جانب سے دھوئے اسی طرح شیخ طوسی نے ذکر کیا اور مصنف نے یہاں اور ایک جماعت علماء نے ان کی پیروی کی حالانکہ

ڈالا اور یہ دعا پڑھی: اللهم لا تحرم علی ریح الجنة، واجعلنی ممن یشم ریحها، وروحها، وطیبها، پھر منہ دھویا اور یہ دعا پڑھی: اللهم بیض وجهی یوم تسود فیه الوجوه، ولا تسود وجهی یوم تبیض الوجوه: پھر دایاں بازو دھویا اور یہ دعا پڑھی: اللهم أعطنی کتابی بیمینی، والخلد فی الجنان بیساری، وحاسبنی حسابا یسیرا، اس کے بعد بایاں ہاتھ دھویا اور یہ دعا پڑھی: اللهم لا تعطنی کتابی بشمالی، ولا تجعلها مغلولة إلی عنقی، وأعوذ بک من مقطعات النیران، پھر سر کا مسح کیا اور یہ دعا پڑھی: اللهم غشنی برحمتک وبرکاتک وعفوک، اس کے بعد پاوں کا مسح کیا اور یہ دعا پڑھی: اللهم ثبتنی علی الصراط یوم تزل فیه الأقدام، واجعل سعیی فیما یرضیک عنی، پھر سر اٹھا کر محمد بن حنفیہؒ کی طرف دیکھا اور فرمایا اے محمد جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے اور میری ان دعاوں کی طرح دعائیں پڑھے تو خدا اس کے وضو کے پانی کے ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا کرے گا جو اس کی تسبیح اور تکبیر کرے گا اور حدا اس کے اس عمل کا ثواب قیامت تک اس وضو کرنے والے کے نامہ اعمال میں درج کرے گا [التہذیب ۱: ۵۲|۱۵۳. الکافی ۳: ۷۰|۶. التہذیب ۱: ۵۳|۱۵۳. الفقیہ ۱: ۲۶|۸۴. المقنع: ۳. اِمالی الصدوق: ۴۴۵|۱۱ وثواب الأعمال: ۳۱. المحاسن: ۴۵|۶۱؛

تذکر: یہ روایت بعینہٖ مشہور فقہ منسوب بہ امام رضاؑ میں بھی لیکن اس کے آخر میں ہے کہ سر کے مسح کے بعد امام علیؑ نے اپنے پاوں دھوئے اور وہ پاوں کے عمل کے ساتھ والی دعا پڑھی اور پھر اس وضو کے وہ فضائل بیان کیے فقہ رضاؑ مقدمہ کی ح۳۱ باب اسے پہلے آخری حدیث، یہی وجہ ہے کہ صاحب فصول اور محققین اس کتاب فقہ رضوی کو کسی مخالف کی جعلی کتاب قرار دیتے ہیں کہ اس نے اپنے نظریات کو اس غیر محسوس طریقے سے پہنچانے کے لیے اسے جعل کیا اور اسی طرح دیگر کئی مقامات پر اس میں جعلی اور غیر معقول و منقول روایات ہیں کہ اگر انہیں امام رضاؑ کی تالیف مان لیا جائے تو اس سے مذہب کی توہین لازم آتی اور ان کی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ویسے بھی امام رضاؑ سے دس صدیوں بعد علامہ مجلسی کے والد کے زمانے میں ظاہر ہونے والی کتاب کی نہ کوئی سند درست کی جاسکتی ہے اور نہ اس کو امام کی تالیف مانا جاسکتا ہے وگرنہ متقدمین کے زمانے میں وہ علماء امامیہ میں معروف ہوتی اس کی مکمل تحقیق ہم نے میزان فقہ رضوی کے عنوان سے کی ہے]۔

روایات میں یہ موجود ہے کہ مرد کہنی کی پشت سے دھونا شروع کرے اور عورت اس کے اندر سے لیکن ان میں دونوں دھونوں میں فرق نہیں کیا گیا اور اسی پر اکثر علماء کا فتوی ہے، اور خنثی کو پہلے دھونے میں پشت یا اندر سے دھونے میں اختیار ہے یہ مشہور ہے اور مصنف کے قول کی بناء پر اسے دو وظیفوں میں کسی پر عمل کرنے کا اختیار ہے۔

۴۔ وضو میں شک کا حکم اور عبارت [والشاکّ فی الطھارۃ]

(وَالشَّاکُّ فِيهِ) أَيْ فِي الْوُضُوءِ (فِي أَثْنَائِهِ يَسْتَأْنِفُ) وَالْمُرَادُ بِالشَّکِّ فِيهِ نَفْسُهُ فِي الْأَثْنَاءِ الشَّکُّ فِي نِيَّتِهِ، لِأَنَّهُ إذَا شَکَّ فِيهَا فَالْأَصْلُ عَدَمُهَا، وَمَعَ ذَلِکَ لَا يَعْتَدُّ بِمَا وَقَعَ مِنْ الْأَفْعَالِ بِدُونِهَا، وَبِهَذَا صَدَقَ الشَّکُّ فِيهِ فِي أَثْنَائِهِ، وَأَمَّا الشَّکُّ فِي أَنَّهُ هَلْ تَوَضَّأَ أَوْ هَلْ شَرَعَ فِيهِ أَمْ لَا ؟ فَلَا يُتَصَوَّرُ تَحَقُّقُهُ فِي الْأَثْنَاءِ .

وَقَدْ ذَکَرَ الْمُصَنِّفُ فِي مُخْتَصَرَيْهِ الشَّکَّ فِي النِّيَّةِ فِي أَثْنَاءِ الْوُضُوءِ وَأَنَّهُ يَسْتَأْنِفُ، وَلَمْ يُعَبِّرْ بِالشَّکِّ فِي الْوُضُوءِ إلَّا هُنَا.(وَ) الشَّاکُّ فِيهِ بِالْمَعْنَى الْمَذْکُورِ (بَعْدَهُ) أَيْ بَعْدَ الْفَرَاغِ (لَا يُلْتَفَتُ) کَمَا لَوْ شَکَّ فِي غَيْرِهَا مِنْ الْأَفْعَالِ (وَ) الشَّاکُّ (فِي الْبَعْضِ يَأْتِي بِهِ) أَيْ بِذَلِکَ الْبَعْضِ الْمَشْکُوکِ فِيهِ إذَا وَقَعَ الشَّکُّ (عَلَى حَالِهِ) أَيْ حَالِ الْوُضُوءِ، بِحَيْثُ لَمْ يَکُنْ فَرَغَ مِنْهُ، وَإِنْ کَانَ قَدْ تَجَاوَزَ ذَلِکَ الْبَعْضَ (إلَّا مَعَ الْجَفَافِ) لِلْأَعْضَاءِ السَّابِقَةِ عَلَيْهِ (فَيُعِيدُ) لِفَوَاتِ الْمُوَالَاةِ .(وَلَوْ شَکَّ) فِي بَعْضِهِ (بَعْدَ انْتِقَالِهِ) عَنْهُ وَفَرَاغِهِ مِنْهُ (لَا يُلْتَفَتُ) وَالْحُکْمُ مَنْصُوصٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .(وَالشَّاکُّ فِي الطَّهَارَةِ) مَعَ تَيَقُّنِ

الْحَدَث (مُحْدِثٌ)، لأَصَالَة عَدَمِ الطَّهَارَة، (وَالشَّاکُّ فِی الْحَدَث) مَعَ تَيَقُّنِ الطَّهَارَة (مُتَطَهِّرٌ) أَخْذًا بِالْمُتَيَقِّنِ، (وَالشَّاکُّ فيهِمَا) أَیْ فِی الْمُتَأَخِّرِ مِنْهُمَا مَعَ تَيَقُّنِ وُقُوعِهِمَا (مُحْدِثٌ) لتَكَافُؤِ الاحْتمَالَيْن، إنْ لَمْ يَسْتَفِدْ مِنْ الاتِّحَاد وَالتَّعَاقُب حُكْمًا آخَرَ هَذَا هُوَ الْأَقْوَى وَالْمَشْهُورُ .وَلَا فَرْقَ بينَ أَنْ يَعْلَمَ قَبْلَهُمَا بِالطَّهَارَة، أَوْ بِالْحَدَث، أَوْ يَشُکَّ .

وَرُبَّمَا قِيلَ بِأَنَّهُ يَأْخُذُ مَعَ عِلْمِه بِحَالِه ضِدَّ مَا عَلِمَهُ، لِأَنَّهُ إنْ كَانَ مُتَطَهِّرًا فَقَدْ عَلِمَ نَقْضَ تِلْکَ الْحَالَة وَشَکَّ فِی ارْتِفَاعِ النَّاقِض، لِجَوَازِ تَعَاقُبِ الطَّهَارَتَيْن، وَإِنْ كَانَ مُحْدِثًا فَقَدْ عَلِمَ انْتِقَالَهُ عَنْهُ بِالطَّهَارَة وَشَکَّ فِی انْتِقَاضِهَا بِالْحَدَث، لِجَوَازِ تَعَاقُبِ الْأَحْدَاث، وَيَشْكُلُ بِأَنَّ الْمُتَيَقَّنَ حِينَئِذ ارْتِفَاعُ الْحَدَث السَّابِق، أَمَّا اللَّاحِقُ الْمُتَيَقَّنُ وُقُوعُهُ فَلَا، وَجَوَازُ تَعَاقُبِه لِمِثْلِه مُتَكَافِئٌ، لِتَأَخُّرِه عَنْ الطَّهَارَة، وَلَا مُرَجِّحَ .

نَعَمْ لَوْ كَانَ الْمُتَحَقَّقُ طَهَارَةً رَافِعَةً، وَقُلْنَا بِأَنَّ الْمُجَدِّدَ لَا يَرْفَعُ، أَوْ قَطَعَ بِعَدَمِه تَوَجَّهَ الْحُكْمُ بِالطَّهَارَة فِی الْأَوَّل، كَمَا أَنَّهُ لَوْ عَلِمَ عَدَمَ تَعَاقُبِ الْحَدَثَيْنِ بِحَسَبِ عَادَتِه، أَوْ فِی هَذِه الصُّورَة تَحَقَّقَ الْحُكْمُ بِالْحَدَث فِی الثَّانِی، إلَّا أَنَّهُ خَارِجٌ عَنْ مَوْضِعِ النِّزَاع، بَلْ لَيْسَ مِنْ حَقِيقَة الشَّکِّ فِی شَیْءٍ إلَّا بِحَسَبِ ابْتِدَائِه، وَبِهَذَا يَظْهَرُ ضَعْفُ الْقَوْلِ بِاسْتِصْحَابِ الْحَالَة السَّابِقَة بَلْ بُطْلَانُهُ .

۱۔اور جو شخص وضو کے دوران اس میں شک کرے تو شروع سے اسے انجام دے اور اس کے دوران میں خود وضو میں شک کرنے سے مراد اس کی نیت میں شک کرنا ہے کیونکہ جب نیت

میں شک ہو گا تو اصل یہ ہے کہ اس نے نیت نہیں کی تو جب نیت نہیں ہو گی تو نیت کے بغیر جتنے افعال انجام دے چکا ان کی پرواہ نہیں کی جائے گی تو اس طرح وضو کے دوران خود وضو میں شک کرنا صدق آئے گا لیکن یہ شک کرنا کہ کیا اس نے وضو یا ہے یا کیا اس نے وضو شروع کیا ہے یا نہیں ؟ تو ان کا وضو کے دوران تصور نہیں ہو سکتا اور مصنف نے اپنی دو مختصر کتابوں (بیان و دروس) میں ذکر کیا کہ وضو کے دوران وضو کی نیت میں شک ہو تو اس کو دوبارہ انجام دے لیکن وضو کے دوران وضو میں شک کرنے کی تعبیر صرف یہاں ذکر کی ہے۔

۲۔ اور اسی معنی میں وضو سے فارغ ہونے کے بعد شک کرنے والا اس کی طرف توجہ نہ کرے جیسے اگر وہ اس کے علاوہ دیگر افعال میں شک کرے۔

۳۔ اور جسے وضو کے بعض افعال میں وضو کے دوران شک ہو تو ان کو انجام دے یعنی ابھی وہ وضو سے فارغ نہ ہوا ہو اور اسے کسی فعل کے بارے میں شک ہو کہ اسے انجام دیا نہ، اگرچہ وہ اس فعل کے موقع سے گزر چکا ہو وہ اس کو دوبارہ انجام دے مگر یہ کہ اس مشکوک جزء سے پہلے اعضاء خشک ہو چکے ہوں تو موالات اور وضو کا پے در پے ہونے کی صفت فوت ہو جانے کی وجہ سے پورے وضو کو دوبارہ کرے۔

۴۔ اور اگر اسے وضو کے بعض افعال میں شک ہو لیکن وہ وضو سے فارغ ہو چکا ہو تو اس شک کی طرف توجہ نہ کرے اور اس حکم پر روایت آئی ہے اور اس پر تمام کا اتفاق ہے۔

۵۔ اور جسے طہارت میں شک ہو اور ناپاکی کا یقین ہو تو وہ اپنے آپ کو بغیر طہارت کے شمار کرے کیونکہ اصل استصحاب یہی ہے کہ وہ پاکی پر نہیں ہے (یعنی اپنی سابقہ حالت کو سمجھے کہ اب بھی باقی ہے کیونکہ جس کا یقین ہو اس کو شک کے ساتھ نہیں اٹھایا جا سکتا)۔

۶۔ اور جسے ناپاکی کے بارے میں شک ہو لیکن اپنی طہارت کے بارے میں یقین ہو تو اپنے آپ کو طہارت پر سمجھے کیونکہ جس کا یقین ہو اسی پر عمل کرنا چاہیے۔

۷۔ اور جسے دونوں میں شک ہو یعنی اسے یقین ہو کہ طہارت بھی کی اور ناپاکی بھی واقع ہوئی لیکن شک یہ ہے کہ ان میں سے بعد میں کون سی تھی تو وہ اپنے آپ کو بغیر طہارت کے سمجھے کیونکہ دونوں احتمال برابر ہیں (اور جب دو احتمالوں میں تعارض اور اختلاف ہو تو کسی کو ترجیح دینا بغیر کسی دلیل کے عقلا محال ہے تو لازم ہے کہ دوبارہ وضو کرے) یہ حکم تب ہے جب اتحاد اور ایکدوسرے کے بعد ہونے سے کوئی دوسرا حکم نہ سمجھا جائے اور یہی بات اس مسئلے میں قوی تر اور مشہور ہے۔

اور بعض اوقات (محقق اول اور محقق ثانی) کہا جاتا ہے؛ اگر اسے سابقہ حالت کا علم ہو تو اس کے بعد یہ دونوں واقع ہوں تو اس سابقہ حالت کے مخالف طرف کو اخذ کرے کیونکہ اگر وہ طہارت کی حالت میں تھا تو اسے اس حالت کے باطل ہونے کا یقین ہو گیا اور اس باطل ہونے کے اٹھ جانے کی حالت میں شک ہے کیونکہ ممکن ہے کہ دونوں طہارتیں پے در پے ہوں (تو اپنے آپ کو بغیر طہارت کے سمجھے) اور اگر وہ پہلے بغیر طہارت کے تھا تو اسے یقین ہو گیا کہ اس کے بعد طہارت کرنے کی وجہ سے وہ پاک ہو چکا اور ناپاکی کے ذریعے اس حالت کے اٹھنے کا شک ہے تو چونکہ احتمال ہے کہ دونوں حدث اور ناپاکی پے درپے واقع ہوئی ہوں تو اپنے آپ کو پاک سمجھے۔

اس پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اس صورت میں یقینی یہ ہے کہ سابقہ حدث اٹھ چکا ہے لیکن جو ناپاکی بعد میں واقع ہوئی اور اس کا یقین ہے اس کے اٹھنے کا ہرگز یقین نہیں ہے اور یہ امکان کہ ہر دو حدث اور ناپاکیاں پے درپے ایکدوسرے کے بعد واقع ہوئی ہوں دوسرے طرف کے امکان کے ساتھ برابر ہے کہ وہ دوسری ناپاکی طہارت کے بعد واقع ہوئی ہو اور جب یہ دونوں امکان برابر ہیں تو پہلے امکان کو کسی طرح ترجیح دی حالانکہ اس کو ترجیح دینے کا کوئی سبب ہی نہیں ہے (اور بغیر سبب کے ترجیح دینا محال اور قبیح ہے)۔

ہاں اگر طہارت کے بارے میں یقین ہو کہ وہ طہارت ناپاکی کو اٹھا دینے والی ہے اور ہم کہیں کہ طہارت کے بعد دوسری طہارت ناپاکی کو اٹھانے والی نہی ہوتی یا ہمیں یقین ہو کہ وہ طہارت تجدیدی نہیں تھی تو اس وقت پہلی صورت میں جب اسے سابقہ طہارت کا یقین ہو تو طہارت کا حکم لگانا ممکن ہے اسی طرح اگر اسے یقین ہو کہ دونوں حدث پے در پے نہیں تھے اپنی عادت کو دیکھتے ہوئے یقین ہو یا اس مورد میں اسے یقین ہو جائے اگر اس کی عادت نہ ہو تو دوسرے صورت میں حدث کا حکم لگانا صحیح ہے مگر یہ دونوں صورتیں محل بحث و مناقشہ سے خارج ہیں (کیونکہ اس میں قرینہ موجود ہے اور اس سے وہ اپنی وضعیت کی تشخیص دے رہا ہے) بلکہ اس میں شک ہی نہیں مگر ابتدائی طور پر ہے کہ بعد میں وہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس طرح (علامہ حلی) کا اس قول کا ضعیف ہونا واضح ہو گیا کہ وہ سابقہ حالت کو استصحاب کرے اور سمجھے کہ وہی باقی ہے بلکہ اس کا بالکل باطل اور فاسد ہونا واضح ہوا کیونکہ وہ سابقہ حالت تو یقینا ختم ہو چکی پھر اس کو کس بناء پر باقی سمجھے۔

چند متعلقہ مسائل

۱۔بیت الخلاء جانے کے احکام

(يَجبُ عَلَى الْمُتَخَلِّى سَتْرُ الْعَوْرَة)قُبُلًا وَدُبرًاعَنْ نَاظِرٍ مُحْتَرَمٍ، (وَتَرْكُ اسْتقْبَال الْقِبْلَة) بمَقَاديم بَدنه، (وَدُبرهَا) كَذَلكَ فى الْبنَاء وَغَيْره، (وَغَسْل الْبَوْل بالْمَاء) مَرَّتَيْن كَمَا مَرَّ،(وَ)كَذَا يَجبُ غَسْلُ (الْغَائط) بالْمَاء (مَعَ التَّعَدِّى) للْمَخْرَج، بأَنْ تَجَاوَزَ حَوَاشيه وَإنْ لَمْ يَبْلُغْ الْأَلْيَةَ،(وَإلَّا) أَىْ وَإنْ لَمْ يَتعَدَّ الْغَائطُ الْمَخْرَجَ (فَثَلَاثَةُ أَحْجَارٍ) طَاهرَة جَافَّة قَالعَة للنَّجَاسَة (أَبْكَار) لَمْ يُسْتَنْجَ بهَا بحَيْثُ تَنَجَّسَتْ به، (أَوْ بَعْدَ طَهَارَتهَا) إنْ لَمْ تَكُنْ أَبْكَارًا وَتَنَجَّسَتْ .وَلَوْ لَمْ تَنْجُسْ- كَالْمُكَمِّلَة للْعَدَد بَعْدَ نَقَاء الْمَحَلِّ – كَفَتْ منْ غَيْر اعْتبَار الطُّهْر (فَصَاعدًا) عَنْ الثَّلَاثَة إنْ لَمْ يَنقَّ يُنَقَّ الْمَحَلُّ بهَا (أَوْ شبْههَا) منْ ثَلَاث خرَق، أَوْ خزَفَات، أَوْ أَعْوَاد وَنَحْو ذَلكَ منْ الْأَجْسَام الْقَالعَة للنَّجَاسَة غَيْر الْمُحْتَرَمَة.وَيُعْتَبَرُ الْعَدَدُ فى ظَاهر النَّصِّ، وَهُوَ الَّذى يَقْتَضيه إطْلَاقُ الْعبَارَة، فَلَا يَجْزى ذُو الْجهَات الثَّلَاث .وَقَطَعَ الْمُصَنِّفُ فى غَيْر الْكتَاب بإجْزَائه، وَيُمْكنُ إدْخَالُهُ عَلَى مَذْهَبه فى شبْههَا.وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَاءَ مُجْزٍ مُطْلَقًا، بَلْ هُوَ أَفْضَلُ منْ الْأَحْجَار عَلَى تَقْدير إجْزَائهَا، وَلَيْسَ فى عبَارَته هُنَا مَا

يَدُلُّ عَلَى إِجْزَاءِ الْمَاءِ فِي غَيْرِ الْمُتَعَدِّي نَعَمْ يُمْكِنُ اسْتِفَادَتُهُ مِنْ قَوْلِهِ سَابِقًا الْمَاءُ مُطْلَقًا، وَلَعَلَّهُ اجْتَزَأَ بِهِ .

ا۔اور بیت الخلاء جانے والے پر واجب ہے کہ اپنی شرمگاہوں کو ہر اس دیکھنے والے سے چھپائے جو عاقل و بالغ ہو۔

۲۔ اور واجب ہے کہ اپنے بدن کے اگلے حصے اور اسی طرح پشت کو قبلہ کی طرف نہ کرے چاہے کسی عمارت میں رفع حاجت کرے یا صحراء و بیابان میں ہو۔

۳۔اور پیشاب کے مخرج کو دو بار پانی سے دھوئے جیسا کہ پہلے گزر چکا (کہ پیشاب کا مخرج صرف پانی سے پاک ہوگا اور وہ بھی دو بار دھونے سے پاک ہوگا)۔

۴۔اور اسی طرح پاخانہ کے مخرج کو اس صورت میں پانی سے دھونا واجب ہے جب وہ حد سے زیادہ تجاوز کر چکا ہو اور حدود میں پھیل چکا ہو اگرچہ دوسری شرمگاہ تک نہ پہنچا ہو وگرنہ اگر وہ حد سے زیادہ پھیلا نہ ہو تو تین پاک و خشک و نجاست کو دور کرنے والے پتھروں سے اس مخرج کو پاک کرے وہ پتھر جو پہلے اس طرح استعمال نہ ہوئے ہوں کہ وہ نجس ہو چکے ہوں یا اگر استعمال شدہ پتھروں کو استعمال کرے تو ان کو پہلے پاک کر لے اور اگر وہ استعمال ہوئے ہوں لیکن وہ نجس نہ ہوئے ہوں جیسے ایک مرتبہ سے نجاست دور ہونے کے بعد استعمال ہونے والے پتھر تو ان کو پاک کرنا بھی ضروری نہیں ہے اور اگر تین پتھروں سے مخرج پاک نہ ہو تو اس سے زیادہ اتنے پتھر استعمال کریں کہ وہ پاک ہو جائے یا پتھروں کے مشابہہ کوئی چیز جیسے کپڑے کے ٹکڑے یا ڈھیلے یا لکڑی کے ٹکڑے وغیرہ وہ اجسام جو نجاست کو دور کریں لیکن ایسی چیزیں استعمال نہ کرے جس کا احترام واجب ہے جیسے ایسے کاغذ جن پر آیات روایات وغیرہ لکھی ہوں یا تربت کربلا وغیرہ اور یہ عدد تین پتھر کا روایت کے ظاہری معنی میں موجود ہے اور مصنف کی عبارت کا وسیع مفہوم بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے تو ایک پتھر جس کی تین اطراف ہوں کافی نہیں ہوگا لیکن مصنف نے دیگر کتابوں میں اس تین طرفہ پتھر کے کافی

ہونے کا یقین کیا ہے اور ممکن ہے کہ اس کو ان کے نظریئے کے مطابق تین پتھروں کے مشابہہ چیزوں میں داخل کیا جائے جو ان کی عبارت میں موجود ہے۔

اور جان لو کہ پانی تو ہر صورت میں پاکی کے لیے کافی ہے بلکہ وہ پتھروں سے افضل ہے جب پتھر کافی ہوں (جب نجاست پھیلی ہوئی نہ ہو) لیکن مصنف کی اس عبارت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو دلالت کرے کہ جب نجاست پھیلی ہوئی نہ ہو تو پانی سے پاک کرنا کافی ہو گا ہاں اسے مطہرات کی بحث میں ایک عبارت سے سمجھا جاسکتا ہے کہ وہاں کہا تھا کہ پانی ہر صورت میں پاک کرنے والا ہے اور شاید مصنف نے اپنی اسی عبارت کو کافی سمجھا ہو۔

بیت الخلاء جانے کے مستحبات

(وَيُسْتَحَبُّ التَّبَاعُدُ) عَنْ النَّاسِ بِحَيْثُ لَا يُرَى تَأَسِّيًا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِه، فَإِنَّهُ لَمْ يُرَ قَطُّ عَلَى بَوْلٍ وَلَا غَائِطٍ.(وَالْجَمْعُ بَيْنَ الْمُطَهِّرَيْنِ) الْمَاءِ وَالْأَحْجَارِ مُقَدَّمًا لِلْأَحْجَارِ فِي الْمُتَعَدِّي وَغَيْرِهِ مُبَالَغَةً فِي التَّنْزِيهِ، وَلِإِزَالَةِ الْعَيْنِ وَالْأَثَرِ عَلَى تَقْدِيرِ إجْزَاءِ الْحَجَرِ، وَيَظْهَرُ مِنْ إطْلَاقِ الْمُطَهِّرِ اسْتِحْبَابُ عَدَدٍ مِنْ الْأَحْجَارِ مُطَهِّرٌ، وَيُمْكِنُ تَأَدِّيهِ بِدُونِهِ لِحُصُولِ الْغَرَضِ (وَتَرْكُ اسْتِقْبَالِ) جِرْمِ (النَّيِّرَيْنِ) الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ بِالْفَرْجِ، أَمَّا جِهَتُهُمَا فَلَا بَأْسَ، وَتَرْكُ اسْتِقْبَالِ (الرِّيحِ) وَاسْتِدْبَارِهَا بِالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ لِإِطْلَاقِ الْخَبَرِ، وَمِنْ ثَمَّ أَطْلَقَ الْمُصَنِّفُ، وَإِنْ قَيَّدَ فِي غَيْرِهِ بِالْبَوْلِ.(وَتَغْطِيَةُ الرَّأْسِ) إنْ كَانَ مَكْشُوفًا، حَذَرًا مِنْ وُصُولِ الرَّائِحَةِ الْخَبِيثَةِ إلَى دِمَاغِهِ، وَرُوِيَ التَّقَنُّعُ مَعَهَا.

(وَالدُّخُولُ) بِالرِّجْلِ (الْيُسْرَى) إنْ كَانَ بِبِنَاءٍ، وَإِلَّا جَعَلَهَا آخِرَ مَا يُقَدِّمُهُ (وَالْخُرُوجُ) بِالرِّجْلِ (الْيُمْنَى) كَمَا وَصَفْنَاهُ عَكْسُ الْمَسْجِدِ.(وَالدُّعَاءُ فِي

أَحْوَاله) الَّتِى وَرَدَ استِحْبَابُ الدُّعَاءِ فِيهَا، وَهِىَ عِنْدَ الدُّخُول، وَعِنْدَ الْفِعْل، وَرُؤْيَة الْمَاء، وَالاسْتِنْجَاء، وَعِنْدَ مَسْحِ بَطْنِه إِذَا قَامَ مِنْ مَوْضِعه، وَعِنْدَ الْخُرُوجِ بِالْمَأْثُور.(وَالاعْتِمَاد عَلَى) الرِّجْلِ (الْيُسْرَى)، وَفَتْحِ الْيُمْنَى.(وَالاسْتِبْرَاءُ) وَهُوَ طَلَبُ بَرَاءَة الْمَحَلِّ مِنْ الْبَوْلِ بِالاجْتِهَاد الَّذِى هُوَ مَسْحُ مَا بَيْنَ الْمَقْعَدَة وَأَصْلُ الْقَضِيب ثَلَاثًا، ثُمَّ نَتْرُهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ عَصْرُ الْحَشَفَة ثَلَاثًا.(وَالتَّنَحْنُحُ ثَلَاثًا) حَالَةَ الاسْتِبْرَاء، نَسَبَهُ الْمُصَنِّفُ فِى الذِّكْرَى إِلَى سَلَّارَ، لِعَدَمِ وُقُوفه عَلَى مَأْخَذِه .(وَالاسْتِنْجَاءُ بِالْيَسَارِ) لِأَنَّهَا مَوْضُوعَةٌ لِلْأَدْنَى، كَمَا أَنَّ الْيَمِينَ لِلْأَعْلَى كَالْأَكْلِ وَالْوُضُوء .

اور بیت الخلاء جاتے ہوئے درج ذیل چیزوں کا خیال رکھنا مستحب ہے:

۱۔ لوگوں سے اتنا دور جانا کہ وہ اسے نہ دیکھیں کیونکہ اس میں نبی اکرم کے طریقے کی پیروی ہے کہ آپ کے کسی نے بیت الخلاء کی حالت میں کبھی نہیں دیکھا۔

۲۔اور پاکی کے دونوں طریقوں کو جمع کرنا یعنی پہلے پتھروں کو استعمال کرے پھر پانی سے دھوئے چاہئے نجاست حد سے پھیلی ہو یا نہ کیونکہ دونوں کو جمع کرنے سے پاکی میں اضافہ اور نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہے اور اور چونکہ مصنف نے پاکی کے طریقے کو بطور مطلق بیان کیا تو اس سے سمجھا جاتا ہے کہ پتھروں کی تعداد کو پورا کرنا بھی مستحب ہے لیکن اس استحباب کو اس عدد سے کم سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے کیونکہ غرض تو کم عدد سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

۳۔اور شرمگاہ کو سورج و چاند کی ٹکیہ کے طرف نہ کرے لیکن ان کی طرف منہ کر کے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔بیت الخلاء کے وقت ہوا کے رخ کا یا اس کی طرف پشت بھی نہیں کرنی چاہیے چاہے پیشاب کرے یا پاخانہ، کیونکہ روایت کا مفہوم وسیع ہے اور اسی لیے مصنف نے بھی اسے بطور مطلق بیان کیا ہے اگرچہ دیگر کتابوں میں اس کو پیشاب کے ساتھ مختص کیا ہے۔

۵۔اگر بیت الخلاء کی چھت نہ ہو تو سر کو ڈھانپے کہیں اس کی بد بو اس کے دماغ کو نہ چڑھ جائے اور روایت میں آیا ہے کہ منہ پر کپڑا ڈالے۔

۶۔اگر بیت الخلاء کی عمارت ہو تو بائیں پاوں سے اس میں داخل ہو اور اگر کمرہ نہ ہو تو جہاں بیٹھنا ہو اس جگہ پر آخری قدم بائیں رکھے۔

۷۔اور نکلتے ہوئے دائیں پاوں پہلے رکھے جیسا ہم نے بیان کیا اگر کمرہ ہو تو اس سے باہر پہلی قدم دائیں ہو و گرنہ پہلا قدم دائیں ہو اور یہ مسجد کے مستحبات کے برعکس ہے۔

۸۔بیت الخلاء کے مختلف احوال میں وہ دعائیں پڑھے جن کا استحباب منقول ہے اور وہ داخل ہوتے وقت، اس کے انجام دیتے وقت، پھر پانی کو دیکھتے وقت، استنجاء کرتے وقت، اور جب اس جگہ سے اٹھے تو پیٹ کو ہاتھ لگاتے وقت اور اس جگہ سے نکلتے وقت کی دعائیں منقول ہیں۔

۹۔بیت الخلاء کے وقت اپنے بائیں پاوں پر سہارا لے اور دائیں پاوں کو کھلا چھوڑ دے۔

۱۰۔استبراء کرنا بھی مستحب ہے یعنی ایسی کوشش کرے کہ اسے پیشاب کے محل سے پیشاب کے مکمل طور پر خارج ہو جانے کا یقین ہو جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ مقعد اور آلہ تناسل کی جڑ کے درمیان تک بار مسح کرے پھر تین بار اسے نچوڑے پھر تین بار اسے حشفہ کو جھٹکے دے۔

۱۱۔ استبراء کے وقت تین بار کھانسے اسے مصنف نے ذکری میں سلار کی طرف نسبت دی ہے کیونکہ انہیں اس کی کوئی دلیل نہیں ملی[1]۔

۱۲۔ بائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مستحب ہے کیونکہ وہ ہاتھ ادنی قسم کے کاموں کے ہیں جیسا کہ دائیں ہاتھ اعلی کاموں کے لیے ہے جیسے کھانا پینا۔

بیت الخلاء جانے کے مکروہات

(وَيُكْرَهُ بِالْيَمِينِ) مَعَ الاخْتِيَارِ، لِأَنَّهُ مِنْ الْجَفَاءِ.(وَيُكْرَهُ الْبَوْلُ قَائِمًا) حَذَرًا مِنْ تَخْبِيلِ الشَّيْطَانِ (وَمَطْمَحًا بِهِ) فِي الْهَوَاءِ لِلنَّهْيِ عَنْهُ، (وَفِي الْمَاءِ) جَارِيًا وَرَاكِدًا لِلتَّعْلِيلِ فِي أَخْبَارِ النَّهْيِ بِأَنَّ لِلْمَاءِ أَهْلًا فَلَا تُؤْذِهِمْ بِذَلِكَ .

(وَالْحَدَثُ فِي الشَّارِعِ) وَهُوَ الطَّرِيقُ الْمَسْلُوكُ.(وَالْمَشْرَعُ) وَهُوَ طَرِيقُ الْمَاءِ لِلْوَارِدَةِ (وَالْفِنَاءُ) بِكَسْرِ الْفَاءِ، وَهُوَ مَا امْتَدَّ مِنْ جَوَانِبِ الدَّارِ، وَهُوَ حَرِيمُهَا خَارِجَ الْمَمْلُوكِ مِنْهَا (وَالْمَلْعَنُ) وَهُوَ مَجْمَعُ النَّاسِ، أَوْ مَنْزِلُهُمْ، أَوْ قَارِعَةُ الطَّرِيقِ، أَوْ أَبْوَابُ الدُّورِ (وَتَحْتَ) الشَّجَرَةِ (الْمُثْمِرَةِ) وَهِيَ مَا مِنْ شَأْنِهَا أَنْ تَكُونَ مُثْمِرَةً وَإِنْ لَمْ تَكُنْ كَذَلِكَ بِالْفِعْلِ، وَمَحَلُّ الْكَرَاهَةِ مَا يُمْكِنُ أَنْ تَبْلُغَهُ الثِّمَارُ عَادَةً وَإِنْ لَمْ يَكُنْ تَحْتَهَا .

---

[1]۔ ظاہرا اسکی کوئی دلیل نہیں ملی اور اسی طرح مستحبات میں سے بہت سے موارد کی دلیلیں ضعیف ہیں لیکن بعض لوگوں کا عمل انہیں پر زیادہ ہوتا ہے اور اسی پر وہ زیادہ توجہ دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ زمان حاضر میں واجبات کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسے بے دلیل مستحبات کی وجہ سے لوگوں کے ہاں مسخرہ نہ بن جائے، اور کبھی یہ حالت طہارت و نجاست کے بارے میں شک اور مرض کی صورت اختیار کر لیتی ہے حالانکہ ایسا نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

(وَفَىءُ النُّزَّالِ) وَهُوَ مَوْضِعُ الظِّلِّ الْمُعَدُّ لِنُزُولِهِمْ، أَوْ مَا هُوَ أَعَمُّ مِنْهُ كَالْمَحَلِّ الَّذِي يَرْجِعُونَ إِلَيْهِ وَيَنْزِلُونَ بِهِ مِنْ فَاءَ يَفِيءُ إِذَا رَجَعَ (وَالْجِحَرَةُ) بِكَسْرِ الْجِيمِ فَفَتْحِ الْحَاءِ وَالرَّاءِ الْمُهْمَلَتَيْنِ جَمْعُ " جُحْرٍ " بِالضَّمِّ فَالسُّكُونِ، وَهِيَ بُيُوتُ الْحُشَارِ.(وَالسِّوَاكُ حَالَتَهُ)، رُوِيَ أَنَّهُ يُورِثُ الْبَخَرَ.(وَالْكَلَامُ إِلَّا بِذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى).(وَالْأَكْلُ وَالشُّرْبُ) لِمَا فِيهِ مِنَ الْمَهَانَةِ، وَلِلْخَبَرِ-

درج ذیل کام بیت الخلاء کے وقت مکروہ ہیں :

۱۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے کیونکہ خوف ہے کہ شیطان اسے اپنے وسوسے میں نہ لے لے[۱]۔

۲۔ پیشاب کو ہوا میں اچھالنا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس سے روکا گیا ہے۔

۳۔ پانی میں پیشاب کرنا بھی مکروہ ہے چاہے پانی جاری ہو یا کھڑا ہو کیونکہ روایات میں اس منع کی یہ علت اور سبب بیان ہوا ہے کہ پانی میں بھی کچھ مخلوقات رہتی ہیں تو اس میں پیشاب کر کے انہیں اذیت نہ دو۔

۴۔ شارع عام میں بیت الخلاء بیٹھنا مکروہ ہے۔

---

[۱]۔ بعض کاموں کی کراہت متدینین میں مشہور ہے اور وہ طبیعت بشری کے خلاف ہے جیسے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ہے اور اس پر بعض روایات بھی دلالت کرتی ہیں لیکن تعجب ہے ان نام نہاد محدثین پر جنہوں نے اپنی کتابوں کے عنوان صحیح قرار دیئے اور ان میں سید الانبیاء خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ صرف اس کام کی نسبت دی بلکہ اس کے لیے تین باب قائم کیے اور اس میں بار بار ایسی روایات کو تکرار کیا نہ معلوم ان کی غرض ایسی حدیثوں کے تکرار سے کیا تھی اور انہیں ان کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ اور اعلی سیرت میں سے کوئی نمونہ نہیں ملا کہ وہ یہ اور ان جیسی روایات کے جمع کرنے پر لگے رہے اور وہ متواتر اور صحیح السند بہت سے روایات چھوڑ دیں جو ان کے مبنی کے خلاف تھیں یا ان سے نبوت کے بلند مرتبہ اور ان کی عصمت اور اعلی کردار کی جھلک آتی تھی۔ خدا تعالی ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اہل بیتؑ کی پاکیزہ سیرت کو جاننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ایسی جھوٹی اور توہین آمیز روایات سے بچنے کی توفیق دے۔

۵۔ پانی کے راستوں (گھاٹ) میں پیشاب کرنا مکروہ ہے۔

۶۔ گھر کی اطراف میں پھیلے ہوئے حصوں میں بھی مکروہ ہے یعنی وہ حصے جو کسی کی ملکیت سے خارج ہوں وگرنہ دوسروں کی ملکیت میں ایسا کرنا حرام ہوگا جب وہ راضی نہ ہوں۔

۷۔ایسی جگہوں پر پیشاب کرنا مکروہ ہے جہاں ایسا کرنے سے لعن طعن کی جاتی ہو جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں یا ان کے گھروں کے ارد گرد ایسا کرنا یا راستے کے کنارے ایسا کرنا یا لوگوں کے گھروں کے دروازوں کے سامنے ایسا کرنا کہ ان سے لوگ لعن طعن کرتے ہیں۔

۸۔ پھل دار درختوں کے نیچے بیت الخلاء بیٹھنا مکروہ ہے اور وہ ایسے درخت ہیں جو پھل دینے کی قابلیت میں ہوں اگرچہ حالیہ طور پر ان پر پھل موجود نہ ہوں اور کراہت کی حد یہ ہے کہ جہاں تک عادۃً ان کے پھل پہنچ سکتے ہیں اگرچہ ان کے نیچے نہ ہو۔

۹۔ قافلوں کے ٹھہرنے کی جگہوں میں سایہ کے مقام پر رفع حاجت کرنا مکروہ ہے اور وہ سایہ دار جگہ ہے جو قافلوں کے اترنے کے لیے بنائی گئی ہو یا وہ جگہ جو سایہ کے حصے سے زیادہ ہو جیسے وہ جگہ جہاں وہ لوٹتے اور اترتے ہیں اور فاء یفییٔ کا معنی لوٹنا ہے۔

۱۰۔ بلوں اور حشرات الارض کی جگہوں میں رفع حاجت کرنا مکروہ ہے۔

۱۱۔ رفع حاجت کے وقت مسواک کرنا مکروہ ہے روایت میں ہے کہ اس سے منہ کی بدبو پیدا ہوتی ہے۔

۱۲۔ رفع حاجت کے وقت باتیں کرنا بھی مکروہ ہے سوائے ذکر خدا تعالی کے کہ وہ مکروہ نہیں ہے۔

۱۳۔ اس وقت کھانا پینا کیونکہ اس میں اس کی توہین ہے اور روایت بھی اس پر وارد ہوئی ہے۔

کچھ جائز کاموں کی تصریح

(وَيَجُوزُ حِكَايَةُ الْأَذَانِ) إذَا سَمِعَهُ، وَلَا سَنَدَ لَهُ ظَاهِرًا عَلَى الْمَشْهُورِ، وَذِكْرُ اللَّهِ لَا يَشْمَلُهُ أَجْمَعَ، لِخُرُوجِ الْحَيْعَلَاتِ مِنْهُ، وَمِنْ ثَمَّ حَكَاهُ الْمُصَنِّفُ فِي الذِّكْرَى بِقَوْلِهِ وَقِيلَ.(وَقِرَاءَةُ آيَةِ الْكُرْسِيِّ)، وَكَذَا مُطْلَقُ حَمْدِ اللَّهِ وَشُكْرِهِ وَذِكْرِهِ، لِأَنَّهُ حَسَنٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ.(وَلِلضَّرُورَةِ) كَالتَّكَلُّمِ لِحَاجَةٍ يَخَافُ فَوْتَهَا لَوْ أَخَّرَهُ إلَى أَنْ يَفْرَغَ .وَيُسْتَثْنَى أَيْضًا الصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ سَمَاعِ ذِكْرِهِ، وَالْحَمْدَلَةُ عِنْدَ الْعُطَاسِ مِنْهُ وَمِنْ غَيْرِهِ، وَهُوَ مِنْ الذِّكْرِ وَرُبَّمَا قِيلَ بِاسْتِحْبَابِ التَّشْمِيتِ مِنْهُ أَيْضًا وَلَا يَخْفَى وُجُوبُ رَدِّ السَّلَامِ وَإِنْ كُرِهَ السَّلَامُ عَلَيْهِ، وَفِي كَرَاهَةِ رَدِّهِ مَعَ تَأَدِّي الْوَاجِبِ بِرَدِّ غَيْرِهِ وَجْهَانِ .وَاعْلَمْ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْجَوَازِ فِي حِكَايَةِ الْأَذَانِ وَمَا فِي مَعْنَاهُ مَعْنَاهُ الْأَعَمُّ، لِأَنَّهُ مُسْتَحَبٌّ لَا يَسْتَوِي طَرَفَاهُ، وَالْمُرَادُ مِنْهُ هُنَا الِاسْتِحْبَابُ، لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ لَا تَقَعُ إلَّا رَاجِحَةً وَإِنْ وَقَعَتْ مَكْرُوهَةً، فَكَيْفَ إذَا انْتَفَتْ الْكَرَاهَةُ

۱۔ رفع حاجت کے وقت جب اذان کی آواز سن رہا ہو تو اس کو دہرا سکتا ہے لیکن ظاہراً اس کی کوئی سند اور دلیل نہیں ہے یہ مشہور ہے[1]، اور ذکر خدا کا رفع حاجت کے وقت جائز ہونا پوری

---

[1] اس مطلب پر صحیح محمد بن مسلم دلالت کرتی ہے کہ امام باقرؑ سے فرمایا؛ اے محمد بن مسلم! کسی حالت میں ذکر خدا ترک نہ کرو اور جب بیت الخلاء میں اذان دینے والے کی آواز سنو تو ذکر خدا کرو اور ویسے کہو جیسے وہ کہے (وسائل باب ۸ ابواب احکام خلوۃ، ح۱) اور دیگر روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ شہید ثانی نے جو یہ کہا کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے صحیح نہیں ہے جیسا کہ صاحب مدارک نے اس کی تصریح کی ہے اور غیر معصوم سے ایسے اشتباہات بعید نہیں ہے۔

اذان کے دہرانے کو شامل نہیں کیونکہ اذان میں حیعلے ذکر نہیں ہیں اسی لیے مصنف نے ذکری میں اسے (یعنی اذان کی حکایت کے جائز ہونے کو) ایک قول کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

۲۔اور آیت الکرسی کی قراءت کرنا بھی جائز ہے اور اسی طرح ہر قسم کا حمد، شکر اور ذکر خدا تعالی بھی جائز ہے کیونکہ وہ ہر حال میں اچھا ہوتا ہے۔

۳۔اور ضرورت کے وقت کلام کر سکتا ہے جیسے ایسی ضرورت کے لیے بات کرنا کہ اگر اسے رفع حاجت سے فارغ ہونے تک موخر کرے تو اس کے فوت ہونے اور چھوٹ جانے کا خوف ہو۔

۴۔اور اسی طرح نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا بھی کراہت کے حکم سے مستثنی کیا گیا ہے جب آپ کا ذکر سنے تو درود پڑھے۔

۵۔اور جب خود چھینکے یا کسی دوسرے کو چھینکتا سنے تو اس وقت حمد خدا کر سکتا ہے اور وہ ذکر خدا تعالی میں شامل ہے۔

۶۔اور بعض اوقات کہا گیا ہے کہ جب چھینکے تو تسمیت بھی کہہ سکتا ہے۔

۷۔اور مخفی نہیں کہ جب اس پر سلام کیا جائے تو اس کا جواب دینا تو اس پر واجب ہے اگرچہ اس پر سلام کرنا مکروہ ہے اور جب دوسرا کوئی سلام کا جواب دے دے اور واجب ادا ہو جائے تو اس کا جواب دینا مکروہ ہوگا یا نہیں اس میں دو جہیں ہیں۔

جان لو کہ یہاں اذان وغیرہ کی حکایت اور دوسرے مستثنی موارد میں جائز ہونے سے مراد جواز کا عام معنی ہے کیونکہ یہ مستحب ہے اس کی دونوں طرفیں برابر نہیں ہیں اور یہاں بھی استحباب مراد ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور وہ واقع نہیں ہوتی مگر جب اس میں رجحان اور ترجیح پائی جائے اگرچہ وہ مکروہ ہو تب بھی اس میں ترجیح ہوگی (اور کراہت کا معنی ثواب میں کچھ کمی ہوگی نہ اس کا مبغوض اور ناپسند ہونا مراد ہوگا) تو جب کراہت ہی نہ ہو تو عبادت کیوں مستحب نہ ہوگی۔

فصل ۲: واجب غسل

غسل کے موجبات

(الْفَصْلُ الثَّانِی فِی الْغُسْلِ)(وَمُوجِبُهُ) سِتَّةٌ (الْجَنَابَةُ) بِفَتْحِ الْجِیمِ (وَالْحَیْضُ وَالاسْتِحَاضَةُ مَعَ غَمْسِ الْقُطْنَةِ)، سَوَاءٌ سَالَ عَنْهَا أَمْ لَا، لِأَنَّهُ مُوجِبٌ حِینَئِذٍ فِی الْجُمْلَةِ (وَالنِّفَاسُ، وَمَسُّ الْمَیِّتِ النَّجِسِ) فِی حَالِ کَوْنِهِ (آدَمِیًّا) فَخَرَجَ الشَّهِیدُ وَالْمَعْصُومُ، وَمَنْ تَمَّ غُسْلُهُ الصَّحِیحُ وَإِنْ کَانَ مُتَقَدِّمًا عَلَی الْمَوْتِ، کَمَنْ قَدَّمَهُ لِیُقْتَلَ فَقُتِلَ بِالسَّبَبِ الَّذِی اغْتَسَلَ لَهُ، وَخَرَجَ بِالْآدَمِیِّ غَیْرُهُ مِنْ الْمَیْتَاتِ الْحَیَوَانِیَّةِ فَإِنَّهَا وَإِنْ کَانَتْ نَجِسَةً إِلَّا أَنَّ مَسَّهَا لَا یُوجِبُ غُسْلًا، بَلْ هِیَ کَغَیْرِهَا مِنْ النَّجَاسَاتِ فِی أَصَحِّ الْقَوْلَیْنِ، وَقِیلَ: یَجِبُ غَسْلُ مَا مَسَّهَا وَإِنْ لَمْ یَکُنْ بِرُطُوبَةٍ (وَالْمَوْتُ) الْمَعْهُودُ شَرْعًا وَهُوَ مَوْتُ الْمُسْلِمِ وَمَنْ بِحُکْمِهِ غَیْرَ الشَّهِیدِ .

دوسری فصل غسل کے بارے میں ہے[1] اور اس کے موجبات اور اسباب چھ ہیں :

---

[1] غسل کا فلسفہ؛ حالت جنب کے لیے اسلام غسل کا حکم کیوں دیتا ہے جبکہ ایک خاص حصّہ آلودہ ہوتا ہے۔ پیشاب کرنے اور مَنی خارج ہونے میں کیا فرق ہے؟ جب کہ ایک میں تو فقط اس جگہ کو دھونے کا حکم ہے اور دوسرے میں سارے بدن کو دھونے کا۔ اس سوال کا ایک جواب اجمالی ہے اور دوسرا تفصیلی۔ اجمالی جواب یہ ہے کہ اخراج منی پیشاب اور دیگر فضلات کی طرح کسی ایک حصّے کا عمل نہیں ہے کیونکہ اس کا اثر سارے بدن پر ہوتا ہے۔ بدن کے تمام خلیے اس کے اخراج کے بعد ایک خاص سُستی میں ڈوب جاتے ہیں جو کہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ کام سارے بدن کے اعضاء پر اثر انداز ہوتا ہے اس کی وضاحت کچھ یوں ہے: سائنس دانوں اور ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق انسانی جسم میں نباتی اعصاب کے دو سلسلے ہیں جو بدن

۱۔جنابت، ۲۔ حیض۔ ۳۔استحاضہ جب روئی خون سے بھر جائے چاہے روئی سے باہر بہہ نکلے یا نہ کیونکہ اس وقت وہ بھی کسی حد تک غسل کا موجب ہے، ۴۔ نفاس، ۵۔آدمی کی نجس میت کو مسّ کرنا پس اس سے شہید اور معصوم کی میت خارج ہو گئی اور وہ شخص بھی جس کا غسل

کی تمام فعالیت کو کنٹرول کرتے ہیں ایک سمپاتھیک اور دوسرا پیرا سمپاتھیک سارے انسانی بدن میں اور اس کی مشینریوں میں یہ سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔ سمپاتھک اعصاب کی ذمہ داری ہے "تیز کرنا" اور بدن مختلف مشینریوں کو فعالیت پر ابھارنا اور پیرا سمپاتھیک کا کام ہے ان کی فعالیت کو سست کرنا،ان دو طرح کے نباتی اعصاب کی فعالیت کے اعتدال سے جسم کا کارخانہ معتدل طور پر کام کرتا رہتا ہے۔بعض اوقات انسانی بدن میں اس طرح کے حوادث نمودار ہوتے ہیں جو اس اعتدال کو درہم برہم کردیتے ہیں۔ جنسی لذّت کا عروج پر پہنچنا بھی ایسے حوادث میں سے ہے جو عام طور پر منی کے اخراج کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے اس موقع پر پیرا سمپاتھیک کا سلسلہ سمپاتھیک اعصاب پر سبقت حاصل کرلیتا ہے اور اعتدال منفی شکل میں بدل جاتا ہے، یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ سمپاتھیک اعصاب کو کام پر ابھارنے اور بدن کے اعتدال کو واپس لانے کے لیے بدن سے پانی کا مَس کرنا بھی موثر ہے اور چونکہ جنسی لذت کا عروج تمام اعضائے بدن پر حسی طور پر اثر انداز ہوتا ہے اور اعصاب کے ان دونوں سلسلوں کا اعتدال سارے بدن میں ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا حکم دیا گیا ہے کہ جنسی ملاپ یا اخراج منی کے بعد سارے بدن کو پانی سے دھویا جائے تا کہ اس کا حیات بخش اثر پورے جسم میں اعصاب کے اعتدال کے بحالی کی صورت میں ظاہر ہو۔

امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے منقول ہے، آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: ان الجنابۃ خارجۃ من کل جسد فلذلک وجب علیہ تطہیر جسدہ کلہ ؛ جنابت سارے بدن سے خارج ہوتی ہے لہٰذا پورے بدن کو دھویا جائے، یہ روایت بھی اسی امر کی طرف اشارہ ہے، البتہ غسل کا بس یہی فائدہ نہیں بلکہ یہ غسل ایک طرح کی عبادت بھی ہے جس کے اخلاقی اثرات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا اسی لیے قصد قربت اور فرمانِ خدا کی اطاعت کی نیّت بغیر ایسا غسل صحیح نہیں ہے۔ در حقیقت جنسی ملاپ اور اخراج منی کے وقت روح بھی متاثر ہوتی ہے اور جسم بھی۔ روح مادی شہوات کی طرف کھینچتی ہے اور جسم سستی کا شکار ہوتا ہے۔ جسم کو چونکہ قصد قربت سے دھویا جاتا ہے لہٰذا یہ ایک طرح سے غُسلِ روح بھی ہے۔ اس طرح سے روح خدا اور معنویت کی طرف مائل ہوتی ہے اور جسم پاکیزگی، نشاط اور فعالیت کی طرف۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر، زندگی بھر غسلِ جنابت کا وجوب بدن کی نگہداشت اور صحت کی حفاظت کے لیے ایک لازمی اور ضروری اسلامی حکم ہے۔ کیونکہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنی نظافت اور سُتھرائی سے غافل رہتے ہیں لیکن یہ اسلامی حکم مختلف وقتی فاصلوں پر انھیں نہانے اور بدن کو پاک رکھنے پر ابھارتا ہے۔ یہ امر گذشتہ زمانے کے لوگوں سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ خود ہمارے زمانے میں بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو جسم کی نظافت اور صفائی سے مختلف وجوہ کی بناپر غافل رہتے ہیں (البتہ یہ حکم کُلی اور عمومی ہے یہاں تک کہ اس شخص کے لیے بھی ہے جس نے ابھی تازہ غسل کیا ہے)۔

صحیح طریقے سے کامل ہوگیا اگرچہ وہ موت سے پہلے کرلے جیسے وہ شخص جو غسل کو اس لیے مقدم کرے تاکہ اسے قتل کیا جائے اور اسے اسی سبب کی وجہ سے قتل کردیا جائے جس کے لیے اس نے غسل کیا تھا اور انسان کی میت کو مسّ کرنے کی قید سے حیوانوں کے مردار خارج ہوگئے اگرچہ وہ نجس ہوں لیکن ان کو مسّ کرنا غسل مسّ میت کا موجب نہیں بنتا بلکہ وہ دیگر نجاسات کی طرح ہے یہ صحیح تر قول کی بناء پر ہے اور ایک قول ہے کہ جو حصہ اس مردے سے مس ہوا اس کو دھولے اگرچہ وہ تری کے ساتھ مس نہ ہوا ہو۔

۶۔اور موت بھی غسل میت کا سبب ہے جو شرعا معتبر ہو اور وہ مسلمان اور اس شخص کی موت ہے جو اس کے حکم میں ہو سوائے شہید کے کہ اس کے احکام کو احکام مردگان میں ذکر کیا جائے گا۔

جنابت کے اسباب

(وَمُوجِبُ الْجَنَابَةِ) شَيْئَانِ : أَحَدُهُمَا (الْإِنْزَالُ) لِلْمَنِيِّ يَقَظَةً وَنَوْمًا (وَ) الثَّانِي (غَيْبُوبَةُ الْحَشَفَةِ) وَمَا فِي حُكْمِهَا كَقَدْرِهَا مِنْ مَقْطُوعِهَا (قُبُلًا أَوْ دُبُرًا) مِنْ آدَمِيٍّ وَغَيْرِهِ، حَيًّا وَمَيِّتًا، فَاعِلًا وَقَابِلًا، (أَنْزَلَ) الْمَاءَ (أَوْ لَا).

اور جنابت کا سبب دو چیزیں ہیں:

۱۔جاگتے ہوئے یا سوتے ہوئے منی کا خارج ہونا[1]۔

---

[1]۔اس پر معتبر روایات دلالت کرتی ہیں جیسے محمد بن الحسن باسنادہ عن الحسن بن محبوب، عن ابن سنان۔یعنی عبداللہ۔ عن ابی عبداللہ (علیہ السلام) قال : ثلاث یخرجن من الإحلیل وهنّ : المنی ، وفیه الغسل ؛امام صادقؑ نے فرمایا تین چیزیں آلہ تناسل سے خارج ہوتی ہیں ان میں سے ایک منی ہے اور اس کے نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے (وسائل ب ۷ ابواب جنابۃ ح ۱۰)، عنبسہ بن مصعب کی صحیحہ از امام صادقؑ فرمایا؛ باسنادہ عن الحسین بن سعید، عن فضالۃ، عن ابان بن عثمان، عن عنبسۃ بن مصعب، عن ابی عبداللہ (علیہ السلام) قال : کان علی (علیه السلام) لا یری فی شیء

۲۔ حشفہ کی حدّتک دخول کرنااور جس کا وہ حصہ کٹا ہوا ہو اس کے لیے اتنی مقدار کا داخل کرنا چاہے اگلی شرمگاہ میں ہو یا پچھلی میں، انسان کی ہو یا غیر آدمی یعنی کسی دیگر حیوان کی، وہ مردہ کی ہو یا زندہ کی اور فاعل ہو یا مفعول ان سب صورتوں میں غسل واجب ہو گا، چاہے منی خارج ہو یا نہ۔

تحلیل و تجزیہ

عورت سے قبل میں وطی سے جماع کا ہونا یقینی ہے اور اس کی مقدار حشفہ و سپاری کی حدّتک دخول ہے اور جب دبر سے ہو تو اگر منی خارج ہو تو اس سے غسل واجب ہو جائے گا کیونکہ

الغسل إلا فی الماء الأکبر؛ امام علی فرمایا کرتے تھے؛ کسی چیز میں غسل نہیں مگر جب آب اکبر یعنی منی خارج ہو (وسائل ب۷ ابواب جنابۃ ح۱۱ اور دیگر روایات اس باب میں ملاحظہ ہوں) اور ان روایات کا مفہوم وسیع ہے جو سونے اور جاگنے دونوں حالتوں میں منی نکلنے کو شامل ہے بلکہ بعض روایات میں سونے کی حالت میں احتلام سے غسل جنابت واجب ہونے کی تصریح کی ہے؛

جیسے سماعہ کی امام صادقؑ سے معتبر روایت میں ہے؛ باسنادہ عن الحسین بن سعید، عن إخیہ الحسن، عن زرعۃ، عن سماعۃ، عن إبی عبداللہ (علیہ السلام) قال : سألتہ عن الرجل یری فی ثوبہ المنی بعدما یصبح ولم یکن رأی فی منامہ أنہ قد احتلم ؟ قال : فلیغتسل ولیغسل ثوبہ ویعید صلاتہ؛ میں نے آپ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو صبح کو اپنے کپڑوں میں منی دیکھے لیکن نیند میں نہیں دیکھا کہ احتلام ہورہا ہے؟ فرمایا وہ غسل کرے اور کپڑے دھوئے اور نماز کا اعادہ کرے (جو اس حالت میں پڑھی ہو) [تہذیب ا ص ۳۶۷ ح ۱۱۱۸، استبصار ا: ۱۱۱ ح ۳۶۷، وسائل ب۱۰ ابواب جنابۃ ۲] بعض معتبر روایات میں مرد اور عورت کے منی نکلنے میں فرق نہیں لیکن اس کے مقابلے میں دیگر روایات جو معتبر ہیں کہ اس کے لیے انزال کے وقت غسل نہیں ہے اور مشہور علماء کے فتوی غسل کے خلاف شیخ صدوق نے مقنع میں اختیار کیا ہے کہ عورت کے لیے انزال کی صورت میں غسل نہیں ہے مشہور نے ایسی روایات سے مراد تقیہ لیا ہے یا موافقت عامہ کی وجہ سے ان سے استدلال نہیں کیا جیسا وسائل کے ابواب جنابۃ میں باب ہفتم میں ذکر کیا، لیکن اس کے بارے میں جدید طبّی تحقیقات کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت بھی ہے کیونکہ عورت کی منی نہیں ہوتی، بلکہ وہ ایک بیضہ ہوتا ہے جو بڑھ کر بچے کی شکل اختیار کرتا ہے، اس لیے بعض نے کہا کہ اس کے لیے فقط شدید شہوت کے حاصل ہونے سے جنابت واجب ہے اور اسی کو مجازاً انزال کہا گیا۔

منی کا خارج کرنا کسی طریقے سے ہو غسل کو واجب کرتا ہے، لیکن جب دبر میں انزال نہ ہو تو بھی روایات کا وسیع مفہوم اس کو شامل ہے اس پر جماع اور بیوی سے ہمبستری لازم آتی ہے بلکہ بعض روایات میں اسے دو میں سے ایک راہ ہمبستری قرار دیا گیا؛ محمد بن الحسن باسنادہ عن الحسین بن سعید، عن ابن ابی عمیر، عن حفص بن سوقۃ، عمن أخبره قال : سألت أبا عبدالله (عليه السلام) عن الرجل يأتي أهله من خلفها ؟ قال : هو أحد المأتيين، فيه الغسل [1]، حفص نے ایک شخص سے روایت کی کہ میں نے امام صادقؑ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو اپنی بیوی کی پشت سے ہمبستری کرے؟ فرمایا؛ وہ دو میں سے ایک راہ ہمبستری ہے۔ لیکن اس روایت سے محض تائید ہو سکتی ہے دلیل نہیں کیونکہ اس کی سند مرسلہ ہے۔

لیکن چونکہ قرآن و سنت کے اطلاقات اور ادلہ غسل کے وسیع مفہوم سے استدلال کیا جانا صحیح ہے کہ دبر سے دخول سے بھی غسل جنابت واجب اور روزہ باطل ہوگا کیونکہ خدا نے فرمایا؛ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ الخ [2] یا تم عورتوں سے ہمبستری کرو اور پانی نہ ملے تو پاکیزہ مٹی سے تیمّم کرو اور اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو؛ تو یہ ملامسہ اور ہمبستری جیسے قبل سے دخول کو شامل ہے اسی طرح دبر سے وطی کو شامل ہے بلکہ لغت عرب میں لفظ فرج کا صرف قبل کے لیے وضع ہونا ثابت نہیں بلکہ یہ قبل و دبر بلکہ ذکر کے درمیان جامع معنی کے لیے وضع ہوا

---

[1] التہذیب ۷ : ۴۶۱ | ۷ ۱۸۴۴، والاستبصار ۱ : ۱۱۲ | ۳ ۷۳ ۳. الوسائل، ج ۲ ص ۲۰۰ ح ۱۹۲۱، باب ۱۲ ابواب جنابت، ح ۱۔

[2] نساء، ۴۳، اور اس کی مانند ہے؛ مائدہ ۶۔

ہے جیسے خداوند نے فرمایا؛ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ[1]؛اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے، اس آیت میں لفظ فرج مرد کے ذکر کے معنی میں استعمال ہوا ہے بلکہ بعض روایات میں بھی صرف دبر کے معنی میں لفظ فرج استعمال ہوا ہے جیسے موثقہ سماعہ؛ الطوسي بإسناده عن الحسين بن سعيد، عن أخيه الحسن، عن زرعة، عن سماعة قال سألت أبا عبد الله عليه السلام عن الرجل يمس ذكره أو فرجه أو اسفل من ذلک وهو قائم يصلی يعيد وضوئه؟ فقال لا بأس بذلک انما هو من جسده[2] فان الفرج فيها بمعنى الدبر إذ لا قبل للرجل والذكر مذكور بنفسه كما هو واضح وعليه فلفظة الفرج اما انها بالمعنى الاعم من القبل والدبر، سماعہ کا بیان ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے سوال کیا؛اس شخص کے بارے میں جس نے اپنے آلہ تناسل یا شرمگاہ یا اس کے نیچے ہاتھ لگایا جبکہ وہ نماز کے لیے کھڑا تھا تو کیا دوبارہ وضو کرے؟ فرمایا؛اس میں کوئی حرج نہیں، یہ اس کے جسم کا ایک حصہ ہے، اس میں لفظ فرج دبر کے معنی میں ہے کیونکہ مرد کی قبل نہیں ہوتی اور اس کا ذکر روایت میں مذکور ہے پس ثابت ہوا کہ لفظ فرج قبل اور دبر کے درمیان جامع اور کلی معنی کے لیے وضع ہوا ہے، پس دبر سے ہمبستری سے بھی عنوان جنابت صادق آتا ہے۔

---

[1]۔ سورہ مومنون، ۵ و ۶، ان آیات میں ان مومنین کا ذکر ہے جو آخرت میں کامیاب ہونے والے ہیں ان کی علامات ذکر کی گئی ہیں ؛ وہ نماز میں خشوع و خضوع کرتے ہیں ، زکات اور واجبات مالی ادا کرتے ہیں ، لغویات سے پرہیز کرتے ہیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں وغیرہ۔۔

[2]۔ تہذیب ۱: ۳۴۶|۱۰۱۵، إستبصار ۱: ۸۸|۲۸۳. وسائل، ح۱۱۷، ج۱، ص ۲۷۲ ط جدید۔ باب ۹ إبواب نواقض الوضوء، حدیث ۸.

بعض غیر معتبر روایات میں ہے کہ اس سے روزہ باطل نہیں ہوتا اور نہ اس سے غسل واجب ہوتا ہے جیسے شیخ طوسی نے اپنی سند سے نقل کیا؛عن محمد بن علی بن محبوب، عن أحمد بن محمد، عن بعض الكوفيين يرفعه إلى أبی عبدالله (عليه السلام) فی الرجل يأتی المرأة فی دبرها وهی صائمة، قال: لا ينقض صومها وليس عليها غسل.ورواه ابن إدريس فی آخر (السرائر) نقلا من كتاب محمد بن علی بن محبوب،مثله، وعنه، عن أحمد بن محمد، عن علی بن الحكم، عن رجل، عن أبی عبدالله (عليه السلام)، مثله[۱].امام صادقؑ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جو اپنی روزہ دار بیوی سے پشت سے ہمبستری کرے،فرمایا؛ نہ اس عورت کا روزہ باطل ہوتا ہےاور نہ اس پر غسل واجب ہوتا ہے۔

- شیخ طوسی نے اس روایت کو اس کی سند کے معتبر نہ ہونے کی وجہ سے نقد کیا اور فرمایا؛اس پر عمل نہیں کیا گیا، صحیح بھی یہی ہے جب ایک روایت کی سند ہی غیر معتبر ہو تو اس سے کیسے حکم شرعی کی اساس قائم کی جاسکتی ہے لیکن محدث بحرانی نے اس مسئلے میں تردد کا اظہار کیا کیونکہ انہیں کتب اربعہ کی احادیث کے بارے میں بہت زیادہ حسن ظن ہے۔

لیکن مرد کی پشت سے فعل حرام کرنے یا کسی حیوان سے وطی کرنے سے مشہور وجوب غسل کے قائل ہیں اور سید مرتضی نے اجماع کا دعوی کیا ہے اور اس کی دوسری دلیل یہ دی گئی ہے کہ اس کام سے سزا و حدّ اور غسل کے واجب ہونے میں ملازمہ ہے جیسے صحیحہ حلبی؛ الصدوق بإسناده عن عبيدالله بن علی الحلبی قال سئل أبو عبد الله عليه

---

[۱] تہذیب ۴ : ۳۱۹ | ۹۷۵، مستطرفات السرائر : ۱۰۳ | ۴۰، تہذیب ۷ : ۴۶۰ | ۱۸۴۳، وسائل ،ج ۲ص ۲۰۰، ح ۱۹۲۳۔

السلام عن الرجل يصيب المرأة فلا ينزل أعليه غسل؟ قال: كان على عليه السلام يقول إذا مس الختان فقد وجب الغسل قال وكان على عليه السلام يقول كيف لا يوجب الغسل والحد يجب فيه وقال: يجب عليه المهر والغسل [1]؛

امام صادقؑ سے سوال کیا گیا اس شخص کے بارے میں جو بیوی سے ہمبستری کرے مگر منی خارج نہ ہو کیا، اس پر غسل واجب ہے ؟ فرمایا؛ امام علیؑ فرمایا کرتے تھے؛ جب دو ختنے آپس میں مل جائیں تو غسل واجب ہے اور فرمایا کرتے تھے؛ کیسے اس پر غسل واجب نہ ہو حالانکہ اس کام سے حد واجب ہو جاتی ہے (جب حرام ہو) اور فرمایا اس پر مہر و غسل واجب ہو گا۔

صحيحة زرارة؛محمد بن الحسن بإسناده عن الحسين بن سعيد، عن حماد، عن ربعى بن عبدالله، عن زرارة عن أبى جعفر عليه السلام قال: جمع عمر بن الخطلاب اصحاب النبى صلى الله عليه وآله فقال: ما تقولون فى الرجل ياتى اهله فيخالطها ولا ينزل؟ فقالت الانصار: الماء من الماء وقال المهاجرون: إذا التقى الختانان فقد وجب عليه الغسل فقال عمر لعلى عليه السلام ما تقول يا ابا الحسن؟ فقال على عليه السلام اتوجبون عليه الحد والرجم ولا توجبون عليه صاعا من الماء؟ إذا التقى الختانان فقد وجب عليه الغسل فقال عمر القول ما قال المهاجرون ودعوا ما قالت الانصار [2]؛

---

[1] ـ الفقیہ ۱: ۴۷ | ۱۸۴، الوسائل: ج ۱ باب ۶ من ابواب الجنابۃ، حدیث ۴.

[2] ـ التہذیب ۱: ۱۱۹ | ۳۱۴. کتاب السرائر: ۱۹، الوسائل: ج ۱ باب ۶ من ابواب الجنابۃ، حدیث ۵.

امام باقرؑ نے فرمایا؛ حضرت عمر نے نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کو جمع کیا اور پوچھا اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو بیوی سے ہمبستری کرے لیکن منی خارج نہ ہو؟ انصار نے کہا؛ غسل کا پانی منی کے پانی کی وجہ سے ہوتا ہے اور مہاجرین نے کہا جب ختنے آپس میں مل جائیں تو غسل واجب ہوتا ہے تو حضرت عمر نے امام علیؑ سے کہا؛ اے ابوالحسن! آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ تو امام علیؑ نے فرمایا؛ کیا تم اس کام کی وجہ سے اس پر حدّ اور سنگساری کو واجب کرتے ہو لیکن اس پر ایک صاع پانی کا واجب نہیں کرتے؟! جب دو ختنے مل جائیں تو اس پر غسل واجب ہوگا، تو حضرت عمر نے کہا؛ مہاجرین کی بات صحیح ہے اور انصار کی بات کو چھوڑ دو۔

ان دو روایات میں حدّ واجب ہونے اور غسل کے واجب ہونے کو لازم ملزوم قرار دیا گیا، پس جب مرد یا حیوان سے وطی کرنے سے حدّ واجب ہوتی ہے تو غسل بھی واجب ہوگا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ روایات کا اطلاق اور وسیع مفہوم اس پر دلالت کرتا ہے کہ غسل اس وقت واجب ہوتا ہے جب دخول ہو اور مرد یا حیوان سے وطی کی صورت میں بھی دخول ہوتا ہے۔

چوتھی دلیل ہے حضرمی کی معتبر روایت ہے؛محمد بن يعقوب، عن علی بن إبراهيم، عن أبيه،عن ابن أبی عمير، عن أبی بكر الحضرمی، عن أبی عبدالله (عليه السلام) قال : قال رسول الله (صلى الله عليه وآله) : من جامع غلاما جاء يوم القيامة جنبا لا ينقيه ماء الدنيا، وغضب الله عليه ولعنه وأعد له جهنم وساءت مصيرا، ثم قال : ان الذكر يركب الذكر فيهتز العرش لذلک، الحديث

---

[1] الوسائل: ج ۱ باب ۶ و ۷ من ابواب الجنابۃ.

[۱]؛امام صادقؑ نے نقل فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے لڑکے سے بد فعلی کی تو قیامت کے دن جنب کی حالت میں آئے گا اسے دنیا کا پانی پاک نہیں کر سکتا (اسے جہنم کی آگ پاک کرے گی) اور خدا تعالیٰ اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لیے جہنم آمادہ کرے گا اور وہ برا ٹھکانہ ہے پھر فرمایا مرد کے مرد سے بد فعلی سے عرش خدا ہل جاتا ہے۔

- لیکن ان دلیلوں میں بحث ہے کیونکہ اجماع ثابت نہیں کیونکہ بہت سے علماء نے اس میں بحث کو وجوب غسل پر معلّق کیا ہے اور تردد کا اظہار کیا ہے دوسری دلیل جن میں غسل اور حد کے درمیان ملازمہ بیان ہوا تو ان کا بھی بیان یہ نہیں کہ جس سبب سے بھی حدّ واجب ہو غسل واجب ہو جائے گا کیا اگر کوئی کسی پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت لگائے تو اس پر حدّ قذف تو واجب ہو گی کیا اس پر غسل بھی واجب ہو گا؟! اسی طرح دیگر اسباب حدّ ہیں جن کے ساتھ غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ ان روایتوں سے صرف عورت سے وطی کے ساتھ غسل اور حدّ کے باہم متلازم ہونے کو بیان کیا گیا ہے تو اس سے ہر مورد میں استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور دخول کے وسیع مفہوم کی روایات بھی جنابت کی کمیت و کیفیت کو بیان کرتی ہیں کہ وہ دخول سے حاصل ہوتی لیکن اس کے متعلق کو بیان کرنے کے لیے نہیں کہ ان سے اطلاق سے استدلال کیا جائے اور چوتھی دلیل جس میں کہا گیا کہ دنیا کے پانی سے غسل سے اس کی جنابت ختم نہ ہو گی تو وہ اصطلاحی جنابت سے متعلق نہیں تاکہ اس سے غسل کا وجوب سمجھا جائے اور مسجد میں ٹھہرنے کو حرام سمجھا جائے بلکہ وہ گناہ کی حقیقت کو بیان کرنے کے لیے ہے اور غسل جنابت سے مربوط نہیں کیونکہ

---

[۱]۔الوسائل، باب ۱۷ من ابواب النکاح المحرم، حدیث ۱۔

یقینا جب ایسا شخص غسل کرے تو اس کا غسل صحیح اور اس کی نماز بھی صحیح ہو گی جس میں طہارت شرط ہے تو وہ بھی اس پر وجوب غسل جنابت کی دلیل نہیں بن سکتی، اس بحث سے معلوم ہوا اگر اجماع علماء و فقہاء ثابت ہو جس سے رائے معصوم کشف ہو اور وہ محققین کی ادلہ کی وجہ سے قائم نہ ہوا ہو جسے اجماع مدر کی کہتے ہیں تو وطی کے وسیع مفہوم کو موجب غسل قرار دیا جاسکتا ہے ہاں، اس میں احتیاط کا تقاضا بہتر ہے اور یقینا احتیاط ہی نجات کا راستہ ہے۔

جنابت کے محرمات

وَمَتَى حَصَلَتْ الْجَنَابَةُ لِمُكَلَّفٍ بِأَحَدِ الْأَمْرَيْنِ تَعَلَّقَتْ بِهِ الْأَحْكَامُ الْمَذْكُورَةُ (فَيَحْرُمُ عَلَيْهِ قِرَاءَةُ الْعَزَائِمِ) الْأَرْبَعِ وَأَبْعَاضِهَا حَتَّى الْبَسْمَلَةِ.وَبَعْضِهَا إذَا قَصَدَهَا لِأَحَدِهَا.(وَاللُّبْثُ فِي الْمَسَاجِدِ) مُطْلَقًا،(وَالْجَوَازُ فِي الْمَسْجِدَيْنِ) الْأَعْظَمَيْنِ بِمَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ،(وَوَضْعُ شَيْءٍ فِيهَا) أَيْ فِي الْمَسَاجِدِ مُطْلَقًا، وَإِنْ لَمْ يَسْتَلْزِمْ الْوَضْعُ اللُّبْثَ بَلْ لَوْ طَرَحَهُ مِنْ خَارِجٍ، وَيَجُوزُ الْأَخْذُ مِنْهَا.(وَمَسُّ خَطِّ الْمُصْحَفِ) وَهُوَ كَلِمَاتُهُ وَحُرُوفُهُ الْمُفْرَدَةُ، وَمَا قَامَ مَقَامَهَا كَالشَّدَّةِ وَالْهَمْزَةِ، بِجُزْءٍ مِنْ بَدَنِهِ تُحِلُّهُ الْحَيَاةُ.(أَوْ اسْمُ اللَّهِ تَعَالَى) مُطْلَقًا، (أَوْ اسْمِ النَّبِيِّ، أَوْ أَحَدِ الْأَئِمَّةِ عَلَيْهِمْ السَّلَامُ) الْمَقْصُودِ بِالْكِتَابَةِ، وَلَوْ عَلَى دِرْهَمٍ أَوْ دِينَارٍ فِي الْمَشْهُورِ.

اور جب ان میں سے کسی ایک سبب سے کسی عاقل بالغ کے لیے جنابت حاصل ہو جائے تو اس کے ساتھ درج ذیل احکام متعلق ہونگے :

۱۔اس پر واجب سجدہ والی چار سورتیں اور ان کے بعض حصے حتی بسملہ کا پڑھنا بھی حرام ہے اور بسملہ کا بعض حصہ پڑھنا بھی جب ان میں سے کسی ایک سورت کی نیت سے پڑھے۔

۲۔کسی بھی مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے۔

۳۔اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی بڑی دو مسجدوں سے گزرنا حرام ہے۔

۴۔کسی مسجد میں کوئی چیز رکھنا حرام ہے اگرچہ اس کے لیے مسجد میں ٹھہرنا لازم نہ ہو بلکہ اسے باہر سے اندر پھینکنا بھی حرام ہے لیکن اس سے کوئی چیز اٹھانا حرام نہیں ہے۔

۵۔قرآن کریم کے خطوط یعنی اس کے کلمات اور حروف اور ان چیزوں کو جو حروف کی جگہ ہوتی ہیں جیسے شدّ و ہمزہ ان کو اپنے بدن کے کسی ایسے حصے سے مسّ کرنا جس میں زندگی حلول کیئے ہو حرام ہے۔

۶۔خداتعالی کے کسی بھی نام کو مسّ کرنا حرام ہے۔

۷۔اور نبی اکرم ﷺ یا ائمہ معصومینؑ میں سے کسی کے نام کو مسّ کرنا بھی حرام ہے جب اس نام سے انہی کا قصد کیا گیا ہوا گرچہ وہ درہم یا دینار پر ہو یہ مشہور قول ہے۔

جنابت کے مکروہات

وَيُكْرَهُ لَهُ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ حَتَّى يَتَمَضْمَضَ وَيَسْتَنْشِقَ)، أَوْ يَتَوَضَّأَ، فَإِنْ أَكَلَ قَبْلَ ذَلِكَ خِيفَ عَلَيْهِ الْبَرَصُ، وَرُوِيَ أَنَّهُ يُورِثُ الْفَقْرَ، وَيَتَعَدَّدُ بِتَعَدُّدِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ مَعَ التَّرَاخِي عَادَةً، لَا مَعَ الِاتِّصَالِ.(وَالنَّوْمُ إلَّا بَعْدَ الْوُضُوءِ)، وَغَايَتُهُ هُنَا إيقَاعُ النَّوْمِ عَلَى الْوَجْهِ الْكَامِلِ، وَهُوَ غَيْرُ مُبِيحٍ، إمَّا لِأَنَّ غَايَتَهُ الْحَدَثُ أَوْ لِأَنَّ الْمُبِيحَ لِلْجُنُبِ هُوَ الْغُسْلُ خَاصَّةً.(وَالْخِضَابُ) بِحِنَّاءٍ وَغَيْرِهِ.وَكَذَا يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يُجْنِبَ وَهُوَ مُخْتَضِبٌ(وَقِرَاءَةُ مَا زَادَ عَلَى سَبْعِ آيَاتٍ) فِي جَمِيعِ أَوْقَاتِ جَنَابَتِهِ وَهَلْ يَصْدُقُ الْعَدَدُ بِالْآيَةِ الْمُكَرَّرَةِ سَبْعًا ؟ وَجْهَانِ،(وَالْجَوَازُ فِي

الْمَسَاجِدِ) غَيْرِ الْمَسْجِدَيْنِ، بِأَنْ يَكُونَ لِلْمَسْجِدِ بَابَانِ فَيَدْخُلُ مِنْ أَحَدِهِمَا وَيَخْرُجُ مِنْ الْآخَرِ، وَفِي صِدْقِهِ بِالْوَاحِدَةِ مِنْ غَيْرِ مُكْثٍ وَجْهٌ.نَعَمْ لَيْسَ لَهُ التَّرَدُّدُ فِي جَوَانِبِهِ بِحَيْثُ يَخْرُجُ عَنْ الْمُجْتَازِ-

اور مجنب شخص کے لیے چند چیزیں مکروہ ہیں :

۲،۱۔ کھانا پینا یہاں تک کہ کلی کرلے اور ناک میں پانی ڈال لے یا وضو کرے پس اگر ان کاموں سے پہلے کھائے پیئے تو خوف ہے کہ اسے برص کی بیماری لگے اور روایت میں ہے کہ ایسا کرنے سے فقر و تنگ دست لاحق ہوتی ہے اور اگر کئی بار کھائے پیئے اور درمیان میں معمولا خاصا فاصلہ ہو تو کلی و وضو بھی بار بار کرے لیکن اگر آپس میں متصل ہوں تو تکرار کی ضرورت نہیں۔

۳۔ مجنب کے لیے سونا مکروہ ہے مگر وضو کے بعد اور یہاں اس وضو کا مقصد یہ ہے کہ اس کی نیند کامل طریقے سے واقع ہو لیکن یہ وضو نماز کے لیے مباح کرنے والا نہیں ہے کیونکہ یا تو اس کا مقصد ہی حدث اور نیند ہے یا اس لیے کہ مجنب شخص کے نماز کو مباح کرنے والا فقط غسل ہے تو وضو کے ذریعے اس کے لیے نماز کیسے جائز ہو جائیگی ؟!

۴۔ مہندی یا کسی دوسری چیز سے خضاب کرنا بھی مکروہ ہے اور اسی طرح مکروہ ہے کہ جب وہ خضاب لگائے ہو تو جنب ہو۔

۵۔ سات آیات سے زیادہ آیتوں کی تلاوت کرنا مکروہ ہے اور جنابت کے تمام وقت میں سات کی اجازت ہے اور کیا ایک آیت کو سات بار تکرار کرنے سے سات آیات کی تلاوت کہلائے گا یا نہیں ؟اس میں دو وجہیں ہیں۔

۶۔ مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے علاوہ کسی مسجد سے گزرنا یعنی جب کسی مسجد کے دو دروازے ہوں اور وہ ایک دروازے سے داخل ہو اور دوسرے سے نکل جائے تو یہ مکروہ ہے اور جب

مسجد کا ایک دروازہ ہو تو مسجد میں چکر لگا کر نکلنے کو گزرنا کہتے ہیں جب اصلا مسجد میں نہ ٹھہرے یا نہیں، ایک وجہ ہے کہ یہ بھی گزرنا ہے ہاں اس کے لیے جائز نہیں کہ مسجد کے اندر ٹہلنا شروع کردے کہ جس سے کہا جائے کہ وہ گزر نہیں رہا۔

۳۔ غسل جنابت کے واجبات

(ووَاجِبهُ النِّيَّةُ) وَهِيَ الْقَصْدُ إلَى فِعْلِهِ مُتَقَرِّبًا وَفِي اعْتِبَارِ الْوُجُوبِ وَالِاسْتِبَاحَةِ، أَوْ الرَّفْعِ مَا مَرَّ.(مُقَارِنَةً) لِجُزْءٍ مِنْ الرَّأْسِ وَمِنْهُ الرَّقَبَةُ إنْ كَانَ مُرَتَّبًا،وَلِجُزْءٍ مِنْ الْبَدَنِ إنْ كَانَ مُرْتَمِسًا، بِحَيْثُ يَتْبَعُهُ الْبَاقِي بِغَيْرِ مُهْلَةٍ.

(وَغَسْلُ الرَّأْسِ وَالرَّقَبَةِ) أَوَّلًا وَلَا تَرْتِيبَ بَيْنَهُمَا، لِأَنَّهُمَا فِيهِ عُضْوٌ وَاحِدٌ، وَلَا تَرْتِيبَ فِي نَفْسِ أَعْضَاءِ الْغُسْلِ، بَلْ بَيْنَهَا كَأَعْضَاءِ مَسْحِ الْوُضُوءِ، بِخِلَافِ أَعْضَاءِ غُسْلِهِ فَإِنَّهُ فِيهَا وَبَيْنَهَا (ثُمَّ) غَسْلُ الْجَانِبِ (الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ) كَمَا وَصَفْنَاهُ، وَالْعَوْرَةُ تَابِعَةٌ لِلْجَانِبَيْنِ، وَيَجِبُ إدْخَالُ جُزْءٍ مِنْ حُدُودِ كُلِّ عُضْوٍ مِنْ بَابِ الْمُقَدِّمَةِ كَالْوُضُوءِ.(وَتَخْلِيلُ مَانِعِ وُصُولِ الْمَاءِ) إلَى الْبَشَرَةِ، بِأَنْ يُدْخِلَ الْمَاءَ خِلَالَهُ إلَى الْبَشَرَةِ عَلَى وَجْهِ الْغُسْلِ .

غسل کے واجبات درج ذیل ہیں :

۱۔نیت کرنا، یعنی غسل بجالانے میں قربت الی اللہ کی نیت کرے اور کیا نیت میں وجوب اور مباح ہونے یا حدث کو اٹھانے کی نیت کرنا معتبر ہے یا نہیں اس کی بحث وضو کی نیت میں گزر چکی ہے اور یہ نیت غسل کے پہلے جزء کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور وہ سر و گردن کو دھونا ہے اگر غسل ترتیبی ہو اور اگر غسل ارتماسی کرے تو بدن کو پانی میں ڈبوتے ہوئے نیت کرلے اس طرح کہ باقی حصہ بدن کا بغیر فاصلے کے پانی میں ڈوب جائے۔

۲۔نیت کے بعد پہلے سر اور گردن کا دھونا اور خود سر اور گردن کے دھونے کے درمیان ترتیب نہیں کیونکہ یہ ایک عضو ہیں اور اعضاء غسل کو دھوتے ہوئے خود ان میں کوئی ترتیب نہیں بلکہ یہ وضو کے مسح والے اعضاء کی طرح ہیں (یعنی ان کو نیچے سے اوپر بھی دھویا جاسکتا ہے).بخلاف وضو کے دھونے والے اعضاء کے خود ان میں بھی ترتیب ہے (ان کو اوپر سے نیچے دھویا جائے) اور اعضاء وضو کے درمیان بھی ترتیب ہے (یعنی پہلے منہ پھر دائیں بازو اور پھر بائیں بازو)۔

۳۔ پھر بدن کی دائیں جانب کو دھوئے۔

۴۔ پھر بائیں جانب کو دھوئے جیسا ہم نے بیان کیا (خود عضو کر دھونے میں ترتیب نہیں ہے)اور شرمگاہ دونوں طرف کے ساتھ آدھی آدھی دھوئی جائے اور مقدمہ علمیہ کے باب سے ہر عضو کی حدود کو کچھ زیادہ دھونا واجب ہے جیسا وضو میں بیان ہوا (مثلا دائیں حصہ کو دھوتے ہوئے کچھ حصہ بائیں کا بھی دھوئے تاکہ یقین ہو جائے کہ واجب ادا ہوا)۔

۵۔اور اس چیز کو جو پانی کے جلد تک پہنچنے میں مانع ہو اسے ہٹانا اور اس پر ہاتھ پھیرنا واجب ہے یعنی اس کے نیچے پانی کو جلد تک پہنچائے۔

مستحبات غسل جنابت

(وَيُسْتَحَبُّ الاسْتِبْرَاءُ) لِلْمُنْزِلِ لَا لِمُطْلَقِ الْجُنُبِ بِالْبَوْلِ، لِيُزِيلَ أَثَرَ الْمَنِيِّ الْخَارِجِ، ثُمَّ بِالاجْتِهَادِ بِمَا تَقَدَّمَ مِنْ الاسْتِبْرَاءِ وَفِي اسْتِحْبَابِهِ بِهِ لِلْمَرْأَةِ قَوْلٌ، فَتَسْتَبْرِئُ عَرَضًا، أَمَّا بِالْبَوْلِ فَلَا، لاخْتِلَافِ الْمَخْرَجَيْنِ.(وَالْمَضْمَضَةُ وَالاسْتِنْشَاقُ) كَمَا مَرَّ (بَعْدَ غَسْلِ الْيَدَيْنِ ثَلَاثًا) مِنْ الزَّنْدَيْنِ، وَعَلَيْهِ الْمُصَنِّفُ فِي الذِّكْرَى وَقِيلَ مِنْ الْمِرْفَقَيْنِ، وَاخْتَارَهُ فِي النَّفْلِيَّةِ وَأَطْلَقَ فِي غَيْرِهِمَا كَمَا هُنَا، وَكِلَاهُمَا مُؤَدٍّ لِلسُّنَّةِ وَإِنْ كَانَ الثَّانِي أَوْلَى.(وَالْمُوَالَاةُ) بَيْنَ الْأَعْضَاءِ،

بِحَیْثُ کُلَّمَا فَرَغَ مِنْ عُضْوٍ شَرَعَ فِی الْآخَرِ، وَفِی غَسْلِ نَفْسِ الْعُضْوِ لِمَا فِیهِ مِنْ الْمُسَارَعَةِ إلَی الْخَیْرِ، وَالتَّحَفُّظِ مِنْ طَرَیَانِ الْمُفْسِدِ وَلَا تَجِبُ فِی الْمَشْهُورِ إلَّا لِعَارِضٍ، کَضِیقِ وَقْتِ الْعِبَادَةِ الْمَشْرُوطَةِ بِهِ، وَخَوْفِ فَجْأَةِ الْحَدَثِ لِلْمُسْتَحَاضَةِ، وَنَحْوِهَا.وَقَدْ تَجِبُ بِالنَّذْرِ لِأَنَّهُ رَاجِحٌ .(وَنَقْضُ الْمَرْأَةِ الضَّفَائِرَ) جَمْعُ ضَفِیرَةٍ، وَهِیَ الْعَقِیصَةُ الْمَجْدُولَةُ مِنْ الشَّعْرِ، وَخَصَّ الْمَرْأَةَ لِأَنَّهَا مَوْرِدُ النَّصِّ، وَإِلَّا فَالرَّجُلُ کَذَلِکَ، لِأَنَّ الْوَاجِبَ غَسْلُ الْبَشَرَةِ دُونَ الشَّعْرِ، وَإِنَّمَا أُسْتُحِبَّ النَّقْضُ لِلِاسْتِظْهَارِ، وَالنَّصِّ.(وَتَثْلِیثُ الْغُسْلِ) لِکُلِّ عُضْوٍ مِنْ أَعْضَاءِ الْبَدَنِ الثَّلَاثَةِ، بِأَنْ یَغْسِلَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (وَفِعْلُهُ) أَیْ الْغُسْلِ بِجَمِیعِ سُنَنِهِ، الَّذِی مِنْ جُمْلَتِهِ تَثْلِیثُهُ (بِصَاعٍ) لَا أَزْیَدَ.وَقَدْ رُوِیَ عَنْ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ أَنَّهُ قَالَ:{ الْوُضُوءُ بِمُدٍّ،وَالْغُسْلُ بِصَاعٍ وَسَیَأْتِی أَقْوَامٌ بَعْدِی یَسْتَقِلُّونَ ذَلِکَ فَأُولَئِکَ عَلَی خِلَافِ سُنَّتِی، وَالثَّابِتُ عَلَی سُنَّتِی مَعِی فِی حَظِیرَةِ الْقُدْسِ } .

غسل میں درج ذیل چیزیں مستحب ہیں :

۱۔جس مرد کی جنابت منی خارج ہونے کی وجہ سے ہو اس کے لیے مستحب ہے کہ پیشاب کر کے استبراء کرے نہ ہر جنابت والے کے لیے یہ مستحب ہے اور اس استبراء کا فائدہ یہ ہے کہ آلہ تناسل میں رہ جانے والی منی کو نکال دیا جائے پھر اس کے بعد استبراء کرے جس کا طریقہ بیت الخلاء جانے کے مستحبات میں گزر چکا یعنی ایسی کوشش کرے کہ اسے آلہ کے پیشاب سے خالی ہو جانے کا علم ہو جائے اور اس استبراء کے عورت کے لیے مستحب ہونے میں ایک قول ہے تو وہ عرض میں استبراء کرے لیکن اس کے لیے استبراء بالبول نہیں ہے کیونکہ پیشاب اور منی کا مخرج جدا ہیں۔

۲۔ کلی کرنا مستحب ہے۔
۳۔ ناک میں پانی ڈالنا بھی مستحب ہے جیسا کہ ان کا معنی اور تین بار ہونا وضو میں گزر چکا ہے
۔
۴۔ اور کلی اور ناک میں پانی ڈالنا ہاتھوں کو تین بار کلائی سے دھونے کے بعد ہونا مستحب ہے اور مصنف نے ذکری میں اس کی مقدار کلائی ہی بتائی ہے اور ایک قول ہے کہ کہنیوں سے دھوئے اور اس قول کو مصنف نے نفلیہ میں اختیار کیا ہے لیکن دیگر کتابوں میں اسے بغیر قید کے ذکر کیا جیسے یہاں کیا ہے اور یہ دونوں ہی سنت کو ادا کر دیتے ہیں اگرچہ کہنیوں تک دھونا زیادہ بہتر ہے۔
۵۔ اعضاء کو پے در پے دھونا مستحب ہے اس طرح کہ جب ایک عضو سے فارغ ہو تو دوسرے کو انجام دینا شروع کر دے اور خود ایک عضو کو دھونا بھی پے در پے ہو کیونکہ اس میں نیکی کی طرف جلدی کرنا ہے اور اس سے بھی بچاو ہے کہ غسل کے درمیان کوئی ایسی چیز سرزد ہو جو اسے باطل کر دے اور مشہور قول کی بناء پر اعضاء غسل میں موالات اور پے در پے ہونا واجب نہیں مگر کوئی بیرونی مشکل ہو جیسے اس عبادت کا وقت تنگ ہو جس کے لیے غسل شرط ہے یا مستحاضہ کے لیے خون آ جانے کا خوف ہو وغیرہ (یا وہ شخص جسے بول و براز کی بیماری ہو) اور کبھی نذر کی وجہ سے غسل میں موالات واجب ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی نذر کرنا ترجیح رکھتا ہے۔
۶۔ اور عورت کے لیے جوڑے کو کھولنا مستحب ہے اور وہ بالوں کو اکٹھا کر کے باندھنا ہے تو غسل کے وقت اس کو کھول دیا جائے اور عورت کو اس مورد میں خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ روایت میں اسی کا نام آیا ہے وگرنہ مرد کا بھی یہی حکم ہے (اگر اس کے سر میں لٹیں باندھی ہوں یا جوڑے بندھے ہوں تو ان کو کھول دے) کیونکہ غسل میں جلد کو دھونا واجب

ہے اور بالوں کو دھونا کافی نہیں ہے تو جوڑے کو کھولنا مستحب ہوا تاکہ اچھی طرح پانی جلد تک پہنچ جائے اور اس پر روایت بھی ہے۔

۷۔اور غسل میں اس کے تینوں اعضاء میں سے ہر ایک کو تین بار دھونا مستحب ہے۔

۸۔اور غسل کو اس کے تمام مستحبات کے ساتھ انجام دینا مستحب ہے جن میں سے ایک یہ تھا کہ ہر عضو کر تین بار دھوئے اور یہ سب کچھ ایک صاع پانی سے ہونا مستحب ہے نہ اس سے زیادہ پانی خرچ کرے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے فرمایا؛ وضو ایک مد کے ساتھ اور غسل ایک صاع پانی کے ساتھ ہو اور عنقریب میرے بعد ایسی قومیں آئیں گی جو اس مقدار کو کم سمجھیں گی تو وہ میری سنت کے خلاف ہونگی اور میری سنت پر ثابت قدم رہنے والا میرے ساتھ باغات جنت میں ہوگا[1]۔

۴۔رطوبتوں کا حکم

(وَلَوْ وَجَدَ) الْمُجْنِبُ بِالْإِنْزَالِ (بَلَلًا) مُشْتَبِهًا (بَعْدَ الاسْتِبْرَاءِ) بِالْبَوْلِ أَوْ الاجْتِهَادِ مَعَ تَعَذُّرِهِ (لَمْ يَلْتَفِتْ، وَبِدُونِهِ) أَيْ بِدُونِ الاسْتِبْرَاءِ بِأَحَدِ الْأَمْرَيْنِ (يَغْتَسِلُ) .وَلَوْ وَجَدَهُ بَعْدَ الْبَوْلِ مِنْ دُونِ الاسْتِبْرَاءِ بَعْدَهُ وَجَبَ الْوُضُوءُ خَاصَّةً، أَمَّا الاجْتِهَادُ بِدُونِ الْبَوْلِ مَعَ إمْكَانِهِ فَلَا حُكْمَ لَهُ . (وَالصَّلَاةُ السَّابِقَةُ) عَلَى خُرُوجِ الْبَلَلِ الْمَذْكُورِ (صَحِيحَةٌ)، لِارْتِفَاعِ حُكْمِ السَّابِقِ، وَالْخَارِجُ حَدَثٌ

---

[1] غسل کے ایک صاع سے ہونے کے استحباب پر صحیح زرارہ دلالت کرتی ہے امام باقرؑ نے فرمایا؛ جو شخص علیحدہ غسل کرے تو ضروری ہے کہ اس کے لیے ایک صاع ہو اور صحیح معاویہ بن عمار میں ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صاع سے غسل کرتے تھے اور جس روایت کی طرف شہید ثانی نے اشارہ فرمایا؛ وہ شیخ صدوق نے مرسلہ طور پر نقل کی ہے (وسائل باب۳۱ابواب جنابۃ ح۱، باب ۳۲ح ۳ و باب ۵۰ح ۶) اور صاع کی مقدار تقریبا تین کلو گرام ہے اور ایک مدّ ۷۵۰grams کے برابر ہوتا ہے۔

جَدِيدٌ وَإِنْ كَانَ قَدْ خَرَجَ عَنْ مَحَلِّهِ إِلَى مَحَلٍّ آخَرَ .وَفِي حُكْمِهِ مَا لَوْ أَحَسَّ بِخُرُوجِهِ فَأَمْسَكَ عَلَيْهِ فَصَلَّى ثُمَّ أَطْلَقَهُ .

اور جس شخص کو منی خارج ہونے سے انزال ہوا ہو، اگر غسل کرنے کے بعد کوئی رطوبت خارج ہو (تو اس کی چند صورتیں ہیں):

۱۔اس نے استبراء بالبول بھی کیا ہوا ہو یا جب وہ ممکن نہ ہو تو اس نے دوسرا استبراء کیا ہوا ہو اور کوئی رطوبت آلہ تناسل سے خارج ہو تو اس کی طرف توجہ نہ کرے۔

۲۔لیکن اگر اس نے ان دو میں سے کوئی ایک استبراء نہ کیا ہو تو دوبارہ غسل کرے۔

۳۔اور اگر فقط پیشاب کر کے استبراء کیا ہو لیکن دوسرا استبراء نہ کیا ہو اور اس کے بعد کوئی رطوبت نکلے تو صرف وضو واجب ہے۔

۴۔اور اگر پیشاب کے ذریعے استبراء ممکن تھا اور اس نے وہ نہ کیا، فقط دوسرا استبراء کیا تو اس استبراء کا کوئی حکم نہیں ہوگا (اور اسے دوبارہ غسل کرنا پڑے گا)۔

اور ان رطوبتوں سے پہلے پڑھی ہوئی نماز صحیح ہوگی کیونکہ پہلا حکم تو غسل کی وجہ سے اٹھ چکا تھا اور اب جو تری نکلی ہے یہ علیحدہ ناپاکی ہے اگرچہ یہ منی اپنے معمولی مقام سے نکل کر دوسری جگہ آ چکی تھی لیکن پھر بھی اس سے غسل واجب ہوگا اور اسی کے حکم میں ہے اگر اسے محسوس ہو کہ منی نکلنے والی ہے اور وہ اسے روک لے اور نماز پڑھ لے پھر اسے چھوڑ دے تو وہ نماز صحیح ہوگی (اگرچہ یہ فرض نماز کے آداب اور خشوع اور خضوع کے منافی ہے)۔

غسل ارتماسی کا طریقہ

(وَيَسْقُطُ التَّرْتِيبُ) بَيْنَ الْأَعْضَاءِ الثَّلَاثَةِ (بِالِارْتِمَاسِ) وَهُوَ غَسْلُ الْبَدَنِ أَجْمَعَ دُفْعَةً وَاحِدَةً عُرْفِيَّةً، وَكَذَا مَا أَشْبَهَهُ كَالْوُقُوفِ تَحْتَ الْمَجَارِي [الْمَجْرَى] وَالْمَطَرِ الْغَزِيرَيْنِ لِأَنَّ الْبَدَنَ يَصِيرُ بِهِ عُضْوًا وَاحِدًا .

اور تین اعضاء کے درمیان میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے جب غسل ارتماسی کیا جائے[1] اور وہ یہ ہے کہ تمام بدن کو عرف کے لحاظ سے ایک ہی دفعہ پانی میں ڈبو دیا جائے اور اسی طرح ہے جو ڈبکی لگانے کی طرح ہو جیسے گھنی بارش اور بہت زیادہ گرتے ہوئے پانی کے نیچے کھڑا ہونا کیونکہ اس طرح بھی بدن ایک عضو شمار ہوگا[2]۔

غسل جنابت کے دوران حدث اصغر واقع ہونے کا حکم

(وَيُعَادُ) غُسْلُ الْجَنَابَة (بِالْحَدَث) الْأَصْغَر(فِي أَثْنَائِه عَلَى الْأَقْوَى) عِنْدَ الْمُصَنِّف وَجَمَاعَة، وَقِيلَ لَا أَثَرَ لَهُ مُطْلَقًا، وَفِي ثَالِث يُوجِبُ الْوُضُوءَ خَاصَّةً، وَهُوَ الْأَقْرَبُ .وَقَدْ حَقَّقْنَا الْقَوْلَ فِي ذَلِكَ بِرِسَالَة مُفْرَدَة.أَمَّا غَيْرُ غُسْلِ الْجَنَابَة مِنْ الْأَغْسَالِ فَيَكْفِي إتْمَامُهُ مَعَ الْوُضُوءِ قَطْعًا، وَرُبَّمَا خَرَّجَ بَعْضُهُمْ بُطْلَانَهُ كَالْجَنَابَة، وَهُوَ ضَعِيفٌ جِدًّا .

---

[1]. اس پر معتبر روایات دلالت کرتی ہیں جیسے صحیح زرارہ او صحیح حلبی از امام صادقؑ پہلی میں ہے فرمایا اگر کوئی مجنب شخص پانی میں ایک دفعہ ڈبکی لگائے تو کافی ہے اگرچہ اپنے بدن پر ہاتھ نہ پھیرے اور دوسری میں ہے فرمایا؛ جب مجنب پانی میں ایک دفعہ ڈبکی لگائے تو وہ اس کے غسل سے کافی ہے (وسائل باب ۲۶ ابواب جنابۃ)

[2]۔ گھنی بارش میں شیخ طوسی نے مبسوط میں اور علامہ حلی اور شہیدین نے ارتماسی جائز قرار دیا ہے اور اس پر صحیح علی بن جعفر کو پیش کیا ہے کہ اس نے امام کاظمؑ سے سوال کیا کیا جنب والے شخص کے غسل کے لیے کافی ہے کہ وہ بارش میں کھڑا ہو جائے اور اپنا سر، اور بدن دھولے حالانکہ وہ اس کے علاوہ پر قدرت رکھتا تھا؟ فرمایا؛ان کان یغسلہ اغتسالہ بالماء اجزاہ ذلک؛ اگر وہ اپنا غسل کرلے وہی اس کے لیے کافی ہے (وسائل باب ۲۶ ابواب جنابت ح ۱۰) لیکن محقق حلی نے معتبر میں اور ابن ادریس نے اور دیگر بہت سے قدماء کی عبارتوں سے ظاہر ہے کہ جب بارش وغیرہ کے نیچے غسل کرے تو ترتیب ساقط نہ ہوگی کیونکہ یہ روایت غسل ترتیبی کرنے پر دلالت کرتی ہے کہ اگر وہ اپنا غسل کرلے تو کافی ہے۔

اور جب غسل جنابت کے دوران حدث اصغر واقع ہو جائے (تو اس کے بارے میں تین قول ہیں)[1]:

۱۔ مصنف اور ایک جماعت علماء کے نزدیک قوی تر قول کی بناء غسل دوبارہ کرے۔

۲۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ بطور مطلق اس کا کوئی اثر نہیں اور وہی غسل کافی ہے (اور اس کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے)۔

۳۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ غسل کے دوران حدث اصغر فقط اس کے بعد وضو کو واجب کرتا ہے اور یہی قریب تر قول ہے اور اس کی تحقیق ہم نے ایک علیحدہ رسالے میں پیش کی ہے۔

---

[1] ۔ جیسا کہ بیان ہوا اس مسئلے میں تین قول ہیں شیخ صدوق، شیخ طوسی، علامہ حلی، اور شہید اول نے غسل دوبارہ کرنے کا قول اختیار کیا ہے اور وحید نے حاشیہ مدارک میں اسے مشہور کی طرف نسبت دی اور اس کی دلیل یہ دی ہے حدث اصغر واقع ہونے کے بعد شک ہوتا ہے کہ کیا حدث اٹھ گیا یا نہ جب غسل مکمل کرے تو سابقہ حدث کا استصحاب کرے اور اس لیے کہ اگر حدث غسل کے بعد واقع ہوتا تو وہ نماز کے لیے مباح ہونے کو باطل کرتا پس جب آدھے غسل میں ہوا تو بطریق اولی مانع ہے اور اس پر فقہ رضوی کی روایت بھی دلالت کرتی ہے اگر سر دھونے کے بعد اور بدن دھونے سے پہلے کوئی حدث جیسے بول و براز یا ہوا خارج ہو تو شروع سے دوبارہ غسل کرے اسی طرح شیخ صدوق کی کتاب عرض المجالس اور ہدایہ میں امام صادقؑ سے منقول ہے لیکن روایات تو کسی طرح استدلال کے قابل نہیں کیونکہ ان کی سندیں معتبر نہیں پھر استصحاب حدث کو غسل کے راقع حدث ہونے کے ذریعے ٹالا گیا اور جہاں تک اس حدث کے نماز کے لیے مباح ہونے کی صفت کو باطل کیا تو وہ قبول ہے لیکن کیا وہ جنابت کے لحاظ سے باطل ہوگا یا حدث اصغر کے لحاظ سے تو جمع ادلہ کی خاطر اسے حدث اصغر کی نسبت سے قبول کیا جائے۔

حیض کے احکام

۱۔ حیض آنے کی عمر

(وَأَمَّا الْحَيْضُ – فَهُوَ مَا) أَيْ الدَّمُ الَّذِي (تَرَاهُ الْمَرْأَةُ بَعْدَ) إِكْمَالِهَا (تِسْعِ) سِنِينَ هِلَالِيَّةٍ، (وَقَبْلَ) إِكْمَالِ (سِتِّينَ) سَنَةً (إِنْ كَانَتْ الْمَرْأَةُ قُرَيْشِيَّةً) وَهِيَ الْمُنْتَسِبَةُ بِالْأَبِ إِلَى النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ وَهِيَ أَعَمُّ مِنْ الْهَاشِمِيَّةِ، فَمَنْ عُلِمَ انْتِسَابُهَا إِلَى قُرَيْشٍ بِالْأَبِ لَزِمَهَا حُكْمُهَا، وَإِلَّا فَالْأَصْلُ عَدَمُ كَوْنِهَا مِنْهَا، (أَوْ نَبَطِيَّةً) مَنْسُوبَةً إِلَى النَّبَطِ، وَهُمْ عَلَى مَا ذَكَرَهُ الْجَوْهَرِيُّ – قَوْمٌ يَنْزِلُونَ الْبَطَائِحَ بَيْنَ الْعِرَاقَيْنِ، وَالْحُكْمُ فِيهَا مَشْهُورٌ، وَمُسْتَنَدُهُ غَيْرُ مَعْلُومٍ، وَاعْتَرَفَ الْمُصَنِّفُ بِعَدَمِ وُقُوفِهِ فِيهَا عَلَى نَصٍّ، وَالْأَصْلُ يَقْتَضِي كَوْنَهَا كَغَيْرِهَا، (وَإِلَّا) يَكُنْ كَذَلِكَ (فَالْخَمْسُونَ) سَنَةً مُطْلَقًا غَايَةُ إِمْكَانِ حَيْضِهَا .

اور حیض وہ خون ہے جسے عورت نو سال ہلالی مکمل ہونے کے بعد اور اگر قریشی عورت ہو تو ساٹھ ساٹھ سال مکمل ہونے سے پہلے دیکھتی ہے اور قریشی عورت وہ ہے جو باپ کی طرف سے نضر بن کنانہ کی طرف منسوب ہو اور وہ ہاشمی ہونے سے عام تر ہے (اگرچہ دور حاضر میں ہاشمیوں کے علاوہ کسی کا قریشی ہونا معلوم نہیں) پس جس عورت کا باپ کی طرف سے قریشی ہونا ثابت ہو تو اس کے لیے انہی کا حکم لازم ہوگا وگرنہ اصل قانون (استصحاب علم ازلی) یہ ہے کہ وہ ان میں سے نہیں ہے اور یا وہ عورت نبطی ہو جو نبط کی طرف منسوب ہو اور جیسا کہ جوہری نے ذکر کیا ایسی قوم ہے جو کوفہ اور بصرہ کے درمیان وادیوں میں رہتے تھے اور ان کے بارے میں حکم مشہور ہے حالانکہ اس کی دلیل معلوم نہیں ہے اور مصنف نے بھی اعتراف کیا

ہے کہ انہیں اس نبطی عورت کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ملی اور اصل قانون عموم دلالت کرتا ہے کہ وہ نبطی عورت بھی دوسری عورتوں کی طرح ہو، وگرنہ جب عورت قریشی اور نبطی نہ ہو تو پچاس سال تک اس کے خون حیض دیکھنے کی انتہائی مدت ہے بطور مطلق (باقی جس قبیلے سے تعلق رکھتی ہو)[1]۔

حیض کی مدت اور صفات

(وَأَقَلُّهُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ مُتَوَالِيَةٍ) فَلَا يَكْفِي كَوْنُهَا فِي جُمْلَةِ عَشْرَةٍ عَلَى الْأَصَحِّ.(وَأَكْثَرُهُ عَشْرَةُ) أَيَّامٍ، فَمَا زَادَ عَنْهَا لَيْسَ بِحَيْضٍ إجْمَاعًا (وَهُوَ أَسْوَدُ، أَوْ أَحْمَرُ حَارٌّ لَهُ دَفْعٌ) وَقُوَّةٌ عِنْدَ خُرُوجِهِ (غَالِبًا) قُيِّدَ بِالْغَالِبِ لِيَنْدَرِجَ فِيهِ مَا أَمْكَنَ كَوْنُهُ حَيْضًا، فَإِنَّهُ يُحْكَمُ بِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ كَمَا نَبَّهَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ -

---

[1]۔ حیض کا آنا نظام آفرینش اور تولید نسل کا ایک حصہ ہے اور ہمیشہ سے یہ حوا کی بیٹیوں میں رہا ہے جیسا کہ بعض روایات میں اسے نقل کیا گیا ہے، حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ ہم حج کے لیے چلے جب ہم سرف کے پاس پہنچے تو مجھے حیض آگیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آئے میں رو رہی تھی فرمایا تجھے کیا ہے کیا تجھے حیض آیا ہے میں نے عرض کی ہاں، فرمایا یہ ایسا امر ہے جو خدا نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے تو تو حاجیوں کے اعمال بجالا صرف خانہ کعبہ کے طواف کے لیے نہیں جانا اور آپ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے قربانی کی؛عَائِشَةَ تَقُولُ خَرَجْنَا لاَ نَرَى إِلاَّ الْحَجَّ ، فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ ، فَدَخَلَ عَلَىَّ رَسُولُ اللَّهِ – صلى الله عليه وسلم – وَأَنَا أَبْكِى قَالَ « مَا لَكِ أَنُفِسْتِ » . قُلْتُ نَعَمْ . قَالَ « إِنَّ هَذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ ، فَاقْضِى مَا يَقْضِى الْحَاجُّ ، غَيْرَ أَنْ لاَ تَطُوفِى بِالْبَيْتِ » . قَالَتْ وَضَحَّى رَسُولُ اللَّهِ – صلى الله عليه وسلم – عَنْ نِسَائِهِ بِالْبَقَرِ .بخاری؛۳۰۵،۲۹۴،۳۱۶،۳۱۷،۳۱۹،۳۲۸ ،۱۵۱۶، ۱۵۱۸، ۱۵۵۶، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۶۳۸، ۱۶۵۰، ۱۷۰۹، ۱۷۲۰، ۱۷۳۳، ۱۷۵۷، ۱۷۶۲، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۲۹۵۲، ۲۹۸۴، ۴۳۹۵، ۴۴۰۱، ۴۴۰۸، ۵۳۲۹، ۵۵۴۸، ۵۵۵۹، ۶۱۵۷، ۷۲۲۹، اس کے علاوہ اسی حدیث کو تکرار کئی بار دیگر سب محدثین نے بھی نقل کیا بلکہ اسے جابر سے بھی نقل کیا گیا[احمد، نسائی، ابو داود، ومسلم] تو اسے عورتوں کے عذاب یا عقوبت کی وجہ سے قرار دینا صحیح نہیں جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں راویوں نے بیان کیا۔

اور خون حیض کی کم ترین مدت تین دن مسلسل ہے تو ان کا دس دن کے اندر متفرق طور پر ہونا کافی نہیں ہے یہ صحیح تر قول کی بناء پر ہے اور اس کا زیادہ سے زیادہ عرصہ دس دن ہے تو دس دن سے جو زیادہ خون ہو گا تو وہ تمام علماء کے اتفاق کے ساتھ حیض نہ ہو گا، اور خون حیض بیشتر اوقات سیاہ یا سرخ اور گرم ہوتا ہے اور فشار اور قوت کے ساتھ نکلتا ہے اور غالبا کی قید سے اس عورت کے خون کو بھی شامل کر لیا جس کے خون کا حیض ہونا ممکن ہو (جیسے عادت کے دنوں میں بعض اوقات زرد و سرد اور بغیر فشار کے خون آئے) تو اس خون کے حیض ہونے کا حکم لگایا جائے گا اگرچہ اس میں حیض کی صفات نہ ہوں جیسا کہ مصنف نے اس کو بعد والی عبارت میں بیان کیا ہے۔

خون کے حیض ہونے کے امکان کا حکم

(وَمَتَى أَمْكَنَ كَوْنُهُ) أَيْ الدَّمِ (حَيْضًا) بِحَسَبِ حَالِ الْمَرْأَةِ بِأَنْ تَكُونَ بَالِغَةً غَيْرَ يَائِسَةٍ، وَمُدَّتُهُ بِأَنْ لَا يَنْقُصَ عَنْ ثَلَاثَةٍ وَلَا يَزِيدَ عَنْ عَشْرَةٍ، وَدَوَامُهُ كَتَوَالِي الثَّلَاثَةِ، وَوَصْفُهُ كَالْقَوِيِّ مَعَ التَّمْيِيزِ، وَمَحَلُّهُ كَالْجَانِبِ إنْ اعْتَبَرْنَاهُ، وَنَحْوُ ذَلِكَ (حُكِمَ بِهِ).وَإِنَّمَا يُعْتَبَرُ الْإِمْكَانُ بَعْدَ اسْتِقْرَارِهِ فِيمَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ كَأَيَّامِ الِاسْتِظْهَارِ فَإِنَّ الدَّمَ فِيهَا يُمْكِنُ كَوْنُهُ حَيْضًا، إلَّا أَنَّ الْحُكْمَ بِهِ مَوْقُوفٌ عَلَى عَدَمِ عُبُورِ الْعَشَرَةِ، وَمِثْلُهُ الْقَوْلُ فِي أَوَّلِ رُؤْيَتِهِ مَعَ انْقِطَاعِهِ قَبْلَ الثَّلَاثَةِ.

اور جب عورتے کے حال کے مطابق کسی خون کا حیض ہونا ممکن ہو یعنی وہ عورت بالغ ہو اور سن یئس کو نہ پہنچی ہو اور خون کی مدت بھی تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ نہ ہو اور تین دن مسلسل خون دیکھے اور اسمیں خون حیض کی علامات ہوں جیسے قوی ہو اور دیگر خونوں سے متمایز ہو اور اس کے محلّ خروج کے لحاظ سے بھی حیض کی جانب سے ہو جیسے ایک طرف سے اس کا نکلنا اگر ہم اس کو خون حیض میں معتبر قرار دیں اور دیگر قرائن (جیسے سابقہ

حیض سے پاکی کی کمترین مدت گزر چکی ہو اور حاملہ نہ ہو) تو اس کے خون کے حیض ہونے کا حکم لگایا جائے گا مگر اس صورت امکانی میں حیض ہونے کا حکم اس امکان کے مستقر ہونے کے بعد ہے اور وہ یہ کہ وہ خون دس دن سے نہ گزرے[1]، اور اسی طرح خون دیکھنے کی ابتداء سے بھی ہے جب وہ تین دن سے پہلے بند ہو جائے[2]۔

دس دن سے خون کے تجاوز کی صورت میں عورتوں کی اقسام

(وَلَوْ تَجَاوَزَ) الدَّمُ (الْعَشَرَةَ فَذَاتُ الْعَادَةِ الْحَاصِلَةِ بِاسْتِوَاءِ) الدَّمِ (مَرَّتَيْنِ) أَخْذًا وَانْقِطَاعًا، سَوَاءٌ أَكَانَ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ، بِأَنْ رَأَتْ فِي أَوَّلِ شَهْرَيْنِ سَبْعَةً مَثَلًا، أَمْ فِي وَقْتَيْنِ كَأَنْ رَأَتْ السَّبْعَةَ فِي أَوَّلِ شَهْرٍ وَآخِرِهِ، فَإِنَّ السَّبْعَةَ تَصِيرُ عَادَةً وَقْتِيَّةً وَعَدَدِيَّةً فِي الْأَوَّلِ، وَعَدَدِيَّةً فِي الثَّانِي، فَإِذَا تَجَاوَزَ عَشْرَةً (تَأْخُذُهَا) أَيْ: الْعَادَةَ فَتَجْعَلُهَا حَيْضًا .وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْعَادَتَيْنِ الاتِّفَاقُ عَلَى تَحَيُّضِ الْأُولَى بِرُؤْيَةِ الدَّمِ، وَالْخِلَافُ فِي الثَّانِيَةِ فَقِيلَ : إِنَّهَا فِيهِ كَالْمُضْطَرِبَةِ لَا تَتَحَيَّضُ إِلَّا بَعْدَ ثَلَاثَةٍ وَالْأَقْوَى أَنَّهَا كَالْأُولَى.وَلَوْ اعْتَادَتْ وَقْتًا خَاصًّا – بِأَنْ رَأَتْ فِي أَوَّلِ شَهْرٍ سَبْعَةً، وَفِي أَوَّلِ آخَرَ ثَمَانِيَةً، فَهِيَ مُضْطَرِبَةُ الْعَدَدِ لَا تَرْجِعُ

---

[1]۔ کیونکہ جب عورت کو عادت کے دنوں میں خون آئے تو اس خون کے حیض ہونے کا حکم ابتداء سے ہی لگایا جاتا ہے لیکن جہاں خون کے حیض ہونے کا امکان ہو تو وہاں امکان کے مستقر ہونے کو لحاظ کیا جاتا ہے جیسے ایام استظہار میں ممکن ہے خون حیض ہو جب عورت کا خون ایام عادت کے بعد جاری رہے تو زائد خون کا حیض ہونا موقوف ہے کہ وہ دس دن سے تجاوز نہ کرے تو اس خون کے حیض ہونے کا حکم اس وقت تک نہ ہو گا جب تک امکان مستقر نہ ہو۔

[2]۔ جب عورت مبتدئہ یا وہ عادت والی عورت جو عادت کا خون گزرنے کے دس دن بعد دوبارہ خون دیکھے تو اس خون کے حیض ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا جب تک امکان حیض مستقر نہ ہو جائے تو تین دن سے پہلے خون بند ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ خون حیض نہ تھا تو ان دنوں احتیاطا چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضاء کرے۔

إِلَيْهِ عِنْدَ التَّجَاوُزِ، وَإِنْ أَفَادَ الْوَقْتُ تَحَيُّضَهَا بِرُؤْيَتِهِ فِيهِ بَعْدَ ذَلِكَ كَالْأُولَى وَإِنْ لَمْ نُجِزْ ذَلِكَ لِلْمُضْطَرِبَةِ .

اور اگر خون دس دن سے تجاوز کر جائے (تو یہاں خون حیض اور دوسرا خون مخلوط ہوا تو خون حیض کی تعیین کے لیے عورتوں کی چند قسمیں کی گئی ہیں اور ہر ایک کا وظیفہ معین ہے جسے ذیل میں بیان کیا جائے گا :)

ا و ۲۔ عادت رکھنے والی عورت کا حکم

اور جس عورت کی عادت بن چکی ہو دو مرتبہ ابتداء اور انتہاء سے خون کے برابر ہونے سے عادت حاصل ہوئی ہو چاہے ایک وقت میں جیسے دو مہینوں کے شروع میں سات دن خون دیکھے یا دو مختلف وقتوں میں خون کے دن برابر ہوں جیسے ایک مہینے کے شروع میں سات دن خون دیکھے اور دوسرے مہینے کے آخر میں سات دن خون دیکھے ،اور پہلی صورت میں وہ عادت وقتیہ و عددیہ دونوں رکھتی ہوگی اور دوسری صورت میں صرف عادت عددی ہوگی پس جب خون دس دن سے تجاوز کر جائے تو وہ اپنی عادت کے خون کو حیض سمجھے، ہاں ان دونوں عادتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی عادت میں خون دیکھنے سے خون کو حیض سمجھے لیکن دوسری عادت کے بارے میں اختلاف ہے ایک قول ہے کہ وہ مضطربہ (جو عادت کو بھول چکی ہو) کی طرح ہے وہ تین دن کے بعد خون کو حیض قرار دے سکتی ہے لیکن قوی تر قول کی بناء پر وہ پہلی عادت کی طرح ہے (خون دیکھتے ہی حیض کا حکم لگائے گی)۔

۳۔ فقط وقت کی عادت کا حکم

اور اگر عورت فقط وقت کی عادت رکھتی ہو جیسے ایک مہینے کے شروع میں سات دن خون دیکھے اور دوسرے کے شروع میں آٹھ دن خون دیکھے تو وہ عدد کے لحاظ سے مضطربہ ہے تو خون کے دس دن سے تجاوز کرنے کی صورت میں پہلے عدد کی طرف رجوع نہیں کر سکتی

(مضطربہ کی طرح عمل کرے، اگرچہ یہ عورت عادت عددی نہیں رکھتی) لیکن اس کے وقت کی عادت کا فائدہ یہ ہے کہ خون دیکھتے ہی تیسرے مہینے میں پہلے دوماہ حیض کے شروع ہونے کی عادت کے مستقر ہونے کی وجہ سے خون کے حیض ہونے کا ابتداء سے ہی لگالے گی اگرچہ ہم یہ حکم مضطربہ کے لیے قرار نہ دیں۔

۴و۵۔ خون میں تمییز رکھنے والی عورت کا حکم

(وَذَاتُ التَّمْيِيزِ) وَهِيَ الَّتِي تَرَى الدَّمَ نَوْعَيْنِ أَوْ أَنْوَاعًا (تَأْخُذُهُ) بِأَنْ تَجْعَلَ الْقَوِيَّ حَيْضًا، وَالضَّعِيفَ اسْتِحَاضَةً (بِشَرْطِ عَدَمِ تَجَاوُزِ حَدَّيْهِ) قِلَّةً وَكَثْرَةً، وَعَدَمِ قُصُورِ الضَّعِيفِ، وَمَا يُضَافُ إِلَيْهِ مِنْ أَيَّامِ النَّقَاءِ عَنْ أَقَلِّ الطُّهْرِ، وَتُعْتَبَرُ الْقُوَّةُ بِثَلَاثَةٍ:"اللَّوْنِ"فَالْأَسْوَدُ قَوِيُّ الْأَحْمَرِ، وَهُوَ قَوِيُّ الْأَشْقَرِ، وَهُوَ قَوِيُّ الْأَصْفَرِ، وَهُوَ قَوِيُّ الْأَكْدَرِ .

وَ"الرَّائِحَةِ" فَذُو الرَّائِحَةِ الْكَرِيهَةِ قَوِيُّ مَا لَا رَائِحَةَ لَهُ، وَمَا لَهُ رَائِحَةٌ أَضْعَفُ وَ"الْقِوَامِ" فَالثَّخِينُ قَوِيُّ الرَّقِيقِ، وَذُو الثَّلَاثِ قَوِيُّ ذِي الاثْنَيْنِ، وَهُوَ قَوِيُّ ذِي الْوَاحِدِ، وَهُوَ قَوِيُّ الْعَادِمِ.وَلَوْ اسْتَوَى الْعَدَدُ وَإِنْ كَانَ مُخْتَلِفًا فَلَا تَمْيِيزَ (وَ) حُكْمُ (الرُّجُوعِ)، إِلَى التَّمْيِيزِ ثَابِتٌ (فِي الْمُبْتَدَأَةِ) بِكَسْرِ الدَّالِ وَفَتْحِهَا، وَهِيَ مَنْ لَمْ يَسْتَقِرَّ لَهَا عَادَةٌ، إِمَّا لِابْتِدَائِهَا، أَوْ بَعْدَهُ مَعَ اخْتِلَافِهِ عَدَدًا وَوَقْتًا.(وَالْمُضْطَرِبَةُ) وَهِيَ مَنْ نَسِيَتْ عَادَتَهَا وَقْتًا، أَوْ عَدَدًا، أَوْ مَعًا.وَرُبَّمَا أُطْلِقَتْ عَلَى ذَلِكَ وَعَلَى مَنْ تَكَرَّرَ لَهَا الدَّمُ مَعَ عَدَمِ اسْتِقْرَارِ الْعَادَةِ وَتَخْتَصُّ الْمُبْتَدَأَةُ

عَلَى هَذَا بِمَنْ رَأَتْهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ، وَالْأَوَّلُ أَشْهَرُ، وَتَظْهَرُ فَائِدَةُ الاخْتِلَافِ فِي رُجُوعِ ذَاتِ الْقِسْمِ الثَّانِي مِنْ الْمُبْتَدَأَةِ إِلَى عَادَةِ أَهْلِهَا وَعَدَمِهِ .

اور وہ عورت جو دو یا چند قسم کا خون دیکھتی ہو (آپس میں صفات کے لحاظ سے مختلف ہوں) تو وہ تمیز دے یعنی قوی خون کو حیض قرار دے اور ضعیف خون کو استحاضہ قرار دے اس شرط کے ساتھ کہ قوی خون کا زمانہ خون حیض کے کم اور زیادہ حد سے تجاوز نہ کرے اور ضعیف خون اوراس کے ساتھی پاکی کا زمانہ پاکی کی کمترین مدت (دس دن) سے کم نہ ہو۔

اور خون کے قوی ہونے کے تین معیار ہیں:

١۔ رنگ؛ تو سیاہ رنگ سرخ سے قوی ہے اور وہ اشقر یعنی سرخ اور زرد کے درمیانے رنگ سے قوی ہے اور خون اشقر زرد سے قوی ہے اور زرد اس خون سے قوی ہے جو زرد اور سفید رنگ کے درمیانہ رنگ رکھتا ہو۔

٢۔ بو؛ پس زیادہ بدبودار خون اس خون سے قوی ہے جس میں بو نہ ہو یا کم ہو۔

٣۔ گاڑھا ہونا؛ گاڑھا خون پتلے خون سے قوی ہے۔

پس جن خون میں یہ تین معیار ہوں وہ اس خون سے قوی ہے جس میں دو معیار ہوں اور جس خون میں دو صفات ہوں وہ ایک صفت والے سے قوی ہے اور ایک صفت والا خون اس سے قوی ہے جس میں کوئی صفت نہ ہو اور اگر ان صفات کی تعداد برابر ہو اگرچہ مختلف صفات ہوں (جیسے ایک سیاہ ہو اور دوسرا بدبودار) تو وہ عورت تمیز دار نہ ہو گی۔

- اور تمییز کی طرف رجوع کرنے کا حکم مبتدئہ عورت کے لیے ثابت ہے اور وہ عورت مبتدئہ ہے جس کی عادت نہ بنی ہو یا اس لیے کہ پہلی بار خون دیکھ رہی ہو یا خون دیکھنے کے بعد جب خون دیکھتی رہی ہو وہ عدد اور وقت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہو۔

- اور تمیز کی طرف رجوع کرنے کا حکم مضطربہ میں بھی ثابت ہے مضطربہ وہ عورت ہے جو اپنی عادت وقتی یا عددی یا دونوں لحاظ سے عادت رکھتی تھی اور اسے بھول گئی ہو اور کبھی مضطربہ اس عورت کے علاوہ بھی کہا جاتا ہے جس نے چند بار خون دیکھا ہو لیکن کوئی منظّم عادت نہ بنی ہو تو اس بناء پر مبتدئہ صرف وہ عورت ہو گی جو پہلی بار خون دیکھے (اور دوسری عورت جس کا خون مختلف رہا ہو اس سے خارج ہو جائے گی) لیکن مضطربہ کا پہلا معنیٰ مشہور ہے اور اس نام کے اختلاف کا فائدہ مبتدئہ میں سے دوسری قسم کی عورت کے اپنی رشتہ دار عورتوں کی عادت کی طرف رجوع کرنے میں ظاہر ہو گا[1]۔

٦۔ مبتدئہ جو خون میں تمیز نہ رکھتی ہو

(وَمَعَ فَقْده) أَيْ فَقْد التَّمْييز بِأَنْ اتَّحَدَ الدَّمُ الْمُتَجَاوزُ لَوْنًا وَصفَةً، أَوْ اخْتَلَفَ وَلَمْ تَحْصُلْ شُرُوطُهُ (تَأْخُذُ الْمُبْتَدَأَةُ عَادَةَ أَهْلهَا) وَأَقَاربهَا منْ الطَّرَفَيْن، أَوْ أَحَدهمَا كَالْأُخْت وَالْعَمَّة وَالْخَالَة وَبَنَاتهنَّ، (فَإنْ اخْتَلَفْنَ) في الْعَادَة وَإنْ غَلَبَ بَعْضُهُنَّ (فَأَقْرَانُهَا) وَهُنَّ مَنْ قَارَبَهَا في السِّنِّ عَادَةً.وَاعْتَبَرَ الْمُصَنِّفُ في كُتُبه الثَّلَاثَة فيهنَّ وَفي الْأَهْل اتِّحَادَ الْبَلَد لاخْتلَاف الْأَمْزجَة باخْتلَافه، وَاعْتَبَرَ في الذِّكْرَى أَيْضًا الرُّجُوعَ إلَى الْأَكْثَر عنْدَ الاخْتلَاف وَهُوَ أَجْوَدُ، وَإنَّمَا اُعْتُبرَ في الْأَقْرَان الْفقْدَانُ دُونَ الْأَهْل لإمْكَانه فيهنَّ دُونَهُنَّ، إذْ لَا أَقَلَّ منْ الْأُمِّ لَكنْ قَدْ

---

[1]۔ جس فقیہ نے عادت معین نہ رکھنے والی کو مبتدئہ کہا خون میں امتیاز نہ ہونے کی بناء پر وہ اپنی رشتہ دار عورتوں کی عادت کی طرف رجوع کرے اور جس نے مضطربہ قرار دیا تو کہے گا کہ جب خون میں تمییز نہ ہو تو ابتداء سے روایات کی طرف رجوع کرے اور رشتہ دار عورتوں کی عادت کی طرف رجوع نہ کرے۔

يَتَّفِقُ الْفِقْدَانُ بِمَوْتِهِنَّ وَعَدَمِ الْعِلْمِ بِعَادَتِهِنَّ، فَلِذَا عَبَّرَ فِي غَيْرِهِ بِالْفِقْدَانِ، وَالِاخْتِلَافُ فِيهِمَا.

اور جب (اس خون میں جو دس دن سے گزر گیا ہو) تمیز نہ یعنی وہ خون رنگ وصفت میں برابر ہو یا مختلف ہو لیکن خون حیض کی شرط نہ پائی جائے (جیسے خون قوی تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ ہو یا خون ضعیف پاکی کی کمترین مدت سے کم ہو) تو مبتدئہ عورت اپنی رشتہ دار عورتوں کی عادت کو اخذ کرے (اور بقیہ خون کو استحاضہ قرار دے) چاہے رشتہ دار عورتیں ماں باپ دونوں کی طرف سے رشتہ دار ہوں یا فقط ایک کی طرف سے جیسے بہن، پھوپھی، خالہ اور ان کی بیٹیاں۔

پس اگر رشتہ دار عورتیں عادت میں مختلف ہوں اگرچہ بعض کی عادت غالب ہو تو وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کی عادت کی طرف رجوع کرے اور مصنف نے تین کتابوں میں اس کی ہم سن عورتوں اور رشتہ دار عورتوں میں شرط لگائی کہ وہ اس کے شہر میں رہتی ہوں کیونکہ شہروں کے بدلنے سے مزاج میں فرق پڑتا ہے (آب وہوا کا اثر ہوتا ہے) اور ذکری میں یہ بھی معتبر جانا کہ جب رشتہ دار عورتوں کی عاتیں مختلف ہوں تو ان میں سے غالب اور اکثر عورتوں کی عادت کی طرف رجوع کرے اور یہ بہتر ہے۔

مصنف نے ہم عمر لڑکیوں میں بعد والی عبارت میں ان کا نہ ہونا شرط لگایا لیکن رشتہ دار عورتوں کا معدوم ہونا معتبر نہیں جانا کیونکہ ہم عمر لڑکیوں کا نہ ہونا ممکن ہے لیکن رشتہ دار عورتوں نہ ہونا ممکن نہیں کیونکہ ہر لڑکی کم از کم ماں تو ہوگی لیکن کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی رشتہ دار عورتیں بھی نہ ہوں جب سب رشتہ دار عورتیں مر جائیں اور ان کی عادت اسے معلوم نہ ہو اس لیے مصنف نے دیگر کتابوں میں دونوں (ہم عمر اور رشتہ دار عورتوں) کے لیے دونوں تعبیریں (ان کا نہ ہونا یا ان کی عادتوں میں اختلاف) ہونے کو ذکر کیا ہے۔

۷و۸۔ مبتدئہ کی آخری قسم اور مضطربہ طرفین کے لیے روایات پر عمل کرنے کا حکم

(فَإِنْ فَقَدْنَ) الْأَقْرَانَ، (أَوْ اخْتَلَفْنَ فَكَالْمُضْطَرِبَة فِي) الرُّجُوعِ إِلَى الرِّوَايَات، وَهِيَ (أَخْذُ عَشْرَة) أَيَّامٍ (مِنْ شَهْرٍ، وَثَلَاثَة مِنْ آخَرَ) مُخَيَّرَةً فِي الابْتِدَاء بِمَا شَاءَتْ مِنْهُمَا، (أَوْ سَبْعَة سَبْعَة) مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، أَوْ سِتَّة سِتَّة مُخَيَّرَةً فِي ذَلِکَ، وَإِنْ كَانَ الْأَفْضَلُ لَهَا اخْتِيَارُ مَا يُوَافِقُ مِزَاجَهَا مِنْهَا، فَتَأْخُذُ ذَاتُ الْمِزَاجِ الْحَارِّ السَّبْعَةَ، وَالْبَارِدِ السِّتَّةَ، وَالْمُتَوَسِّطِ الثَّلَاثَةَ وَالْعَشَرَة، وَتَتَخَيَّرُ فِي وَضْعِ مَا اخْتَارَتْهُ حَيْثُ شَاءَتْ مِنْ أَيَّامِ الدَّمِ، وَإِنْ كَانَ الْأَوْلَى الْأَوَّلَ، وَلَا اعْتِرَاضَ لِلزَّوْجِ فِي ذَلِکَ.هَذَا فِي الشَّهْرِ الْأَوَّلِ، أَمَّا بَعْدَهُ فَتَأْخُذُ مَا يُوَافِقُهُ وَقْتًا، وَهَذَا إِذَا نَسِيَتْ الْمُضْطَرِبَةُ الْوَقْتَ وَالْعَدَدَ مَعًا-

اور اگر مبتدئہ عورت کی ہم عمر عورتیں نہ ہوں یا ان کی عادتیں مختلف ہوں تو وہ روایات کی طرف رجوع کرنے میں مضطربہ کی طرح ہوگی (اور روایات کی تین قسمیں ہیں:)

ا۔وہ ایک مہینے میں دس دن اور دوسرے مہینے میں تین دن حیض قرار دے (اور باقی دن استحاضہ قرار دے) ان میں سے جس سے چاہے ابتداء کرے اس کو اختیار ہے۔

۲۔ یا ہر مہینے میں سات سات دن حیض قرار دے۔

۳۔ یا چھ چھ دن ہر مہینے میں حیض قرار دے،اسے اس میں اختیار ہے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ اس عدد کو انتخاب کرے جس اس کے مزاج کے مطابق ہو پس جس عورت کا مزاج گرم ہو وہ سات سات دن کو حیض قرار دے اور جس کا مزاج سرد ہو وہ چھ چھ دن کو حیض قرار دے اور جس کا مزاج معتدل ہو وہ تین اور سات کو حیض قرار دے اور اسے اختیار ہے کہ جتنے دنوں کو

انتخاب کرے خون کے جن دنوں چاہے ان کو قرار دے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ خون دیکھنے کے پہلے دن سے اس تعداد کو قرار دے شوہر کو بھی اس کے انتخاب پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے البتہ یہ اختیار پہلے مہینے میں ہے لیکن اس کے بعد جس کو پہلے مہینے میں لحاظ کیا اسی کو چلانا ہوگا، اور یہ اس مضطربہ کا حکم ہے جو وقت اور عدد دونوں کو بھول چکی ہو۔

۹۔ایک طرف میں مضطربہ کا حکم

أَمَّا لَوْ نَسِيَتْ أَحَدَهُمَا خَاصَّةً، فَإِنْ كَانَ الْوَقْتَ؛ أَخَذَتْ الْعَدَدَ كَالرِّوَايَاتِ، أَوْ الْعَدَدَ جَعَلَتْ مَا تَيَقَّنَ مِنْ الْوَقْتِ حَيْضًا أَوَّلًا، أَوْ آخِرًا، أَوْ مَا بَيْنَهُمَا وَأَكْمَلَتْهُ بِإِحْدَى الرِّوَايَاتِ عَلَى وَجْهٍ يُطَابِقُ، فَإِنْ ذَكَرَتْ أَوَّلَهُ أَكْمَلَتْهُ ثَلَاثَةً مُتَيَقَّنَةً وَأَكْمَلَتْهُ بِعَدَدٍ مَرْوِيٍّ، أَوْ آخِرَهُ تَحَيَّضَتْ بِيَوْمَيْنِ قَبْلَهُ مُتَيَقَّنَةً وَقَبْلَهُمَا تَمَامُ الرِّوَايَةِ، أَوْ وَسَطَهُ الْمَحْفُوفُ بِمُتَسَاوِيَيْنِ، وَأَنَّهُ يَوْمٌ حَفَّتْهُ بِيَوْمَيْنِ وَاخْتَارَتْ رِوَايَةَ السَّبْعَةِ لِتُطَابِقَ الْوَسَطَ، أَوْ يَوْمَانِ حَفَّتْهُمَا بِمِثْلِهِمَا، فَتَيَقَّنَتْ أَرْبَعَةً وَاخْتَارَتْ رِوَايَةَ السِّتَّةِ فَتَجْعَلُ قَبْلَ الْمُتَيَقَّنِ يَوْمًا وَبَعْدَهُ يَوْمًا، أَوْ الْوَسَطُ بِمَعْنَى الْأَثْنَاءِ مُطْلَقًا حَفَّتْهُ بِيَوْمَيْنِ مُتَيَقَّنَةً، وَأَكْمَلَتْهُ بِإِحْدَى الرِّوَايَاتِ مُتَقَدِّمَةً أَوْ مُتَأَخِّرَةً أَوْ بِالتَّفْرِيقِ.وَلَا فَرْقَ هُنَا بَيْنَ تَيَقُّنِ يَوْمٍ وَأَزْيَدَ، وَلَوْ ذَكَرَتْ عَدَدًا فِي الْجُمْلَةِ فَهُوَ الْمُتَيَقَّنُ خَاصَّةً، وَأَكْمَلَتْهُ بِإِحْدَى الرِّوَايَاتِ قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ أَوْ بِالتَّفْرِيقِ، وَلَا احْتِيَاطَ لَهَا بِالْجَمْعِ بَيْنَ التَّكْلِيفَاتِ عِنْدَنَا، وَإِنْ جَازَ فِعْلُهُ .

اور اگر مضطربہ کسی ایک چیز کو بھول چکی ہو (تو اس کی چند صورتیں ہیں:)

*۱۔اگر صرف وقت کو بھولی ہو تو اس وقت روایات کی طرح کوئی عدد اختیار کرے (یہ مضطربہ طرفین کی طرح ہے)۔

*۲۔اور اگر صرف عدد کو بھولی ہو (اور وقت یاد ہو) تو جس وقت کے حیض ہونے کا یقین ہو تو اسے حیض قرار دے چاہے ابتداءِ خون سے ہو یا اس کے آخری دن میں یا ان کے درمیان اور بقیہ دونوں کو روایات میں سے کسی ایک کے مطابق کامل کرے؛

ا۔پس اگر حیض کے پہلے دن کو جانتی ہو تو اس کے بعد تین دن مکمل کرے اور روایات میں کسی ایک عدد کو بھی کامل کرے

۲۔اور اگر حیض کے آخری دن کو جانتی وہ (تو اس دن کو حیض قرار دے اور) اس سے پہلے دو دن بھی یقینی حیض تھے ان کو بھی حیض قرار دے اور ان دو دنوں سے پہلے روایات کے کسی عدد کو پورا کرے۔

۳۔اور اگر حیض کے درمیانے دن کا علم رکھتی ہو جو مساوی دنوں کے ساتھ گھرا ہوا ہو (یعنی اسے پہلے اور بعد میں برابر دن ہو؛وسط حقیقی) تو اگر اس کے وسط کا دن ایک ہو جو دو دنوں کے درمیان گھرا ہوا ہو تو سات کے دن کی روایت کو اختیار کرے تا کہ وسط حقیقی کے مطابق عمل ہو جائے۔

اور اگر وسط کے دو دن ہوں اور ان سے پہلے اور بعد میں بھی دو دن ہوں تو نتیجۃً چار دن حیض کے ہونگے تو چھ دن کی روایت کو اخذ کرے اور مقدار یقینی سے ایک دن پہلے اور بعد میں حیض قرار دے۔

اور اگر وسط درمیان کے معنی میں ہو بطور مطلق (یعنی معلوم نہ ہو وسط حقیقی ہے یا نہ، اور درمیان میں ایک دن تھا یا زیادہ) تو اس دن کو حیض قرار دے اور اس سے پہلے اور بعد میں دو دن یقینی بھی حیض کے لیے اخذ کرے تا کہ تین دن مکمل ہو جائیں پھر اس مقدار کو کسی روایت کے مطابق پورا کرے (اس میں فرق نہیں کہ روایت کے باقی دن ان تین دنوں سے پہلے قرار دے یا ان کے بعد یا کچھ دن ان سے پہلے اور کچھ بعد میں اور اس صورت میں فرق نہیں کہ یقینی ایک دن ہو یا زیادہ)۔

*۳۔ اور جب کوئی عدد فی الجملہ (کچھ حد تک) یاد ہو (جیسے یاد ہو کہ پہلے مہینے کی پانچ و چھ حیض تھا لیکن معلوم نہ ہو کہ وہ حیض کے شروع کے دن تھے یا درمیان کے یا آخر کے) تو اس صورت میں فقط وہی چند دن یقینی حیض ہیں اور اس کو کسی روایت کے مطابق مکمل کرے اور فرق نہیں کہ تتمہ کے دنوں کو ان یقینی دنوں سے پہلے قرار دے یا بعد میں یا کچھ ان سے پہلے اور کچھ ان کے بعد قرار دے اور ہمارے نزدیک مضطربہ کی ان میں سے کسی قسم کے لیے حائض اور مستحاضہ کے اعمال کے درمیان جمع کر کے احتیاط کرنا لازمی نہیں (بلکہ روایات میں سے کسی کو اخذ کرے اور ان کے مطابق عمل کر دے کافی ہے) اگرچہ احتیاط کرنا جائز ہے۔

حائض کے محرمات

(وَيَحْرُمُ عَلَيْهَا) أَيْ عَلَى الْحَائِضِ مُطْلَقًا (الصَّلَاةُ) وَاجِبَةً وَمَنْدُوبَةً.(وَالصَّوْمُ وَتَقْضِيهِ) دُونَهَا، وَالْفَارِقُ النَّصُّ، لَا مَشَقَّتُهَا بِتَكَرُّرِهَا وَلَا غَيْرُ ذَلِكَ.(وَالطَّوَافُ) الْوَاجِبُ وَالْمَنْدُوبُ وَإِنْ لَمْ يُشْتَرَطْ فِيهِ الطَّهَارَةُ لِتَحْرِيمِ دُخُولِ الْمَسْجِدِ مُطْلَقًا عَلَيْهَا (وَمَسُّ) كِتَابَةِ (الْقُرْآنِ) وَفِي مَعْنَاهُ اسْمُ اللَّهِ تَعَالَى، وَأَسْمَاءُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَئِمَّةِ عَلَيْهِمْ السَّلَامُ كَمَا تَقَدَّمَ (وَيُكْرَهُ حَمْلُهُ) وَلَوْ بِالْعِلَاقَةِ (وَلَمْسُ هَامِشِهِ) وَبَيْنَ سُطُورِهِ (كَالْجُنُبِ).(وَيَحْرُمُ) عَلَيْهَا (اللُّبْثُ فِي الْمَسَاجِدِ) غَيْرِ الْحَرَمَيْنِ، وَفِيهِمَا يَحْرُمُ الدُّخُولُ مُطْلَقًا كَمَا مَرَّ، وَكَذَا يَحْرُمُ عَلَيْهَا وَضْعُ شَيْءٍ فِيهَا كَالْجُنُبِ، (وَقِرَاءَةُ الْعَزَائِمِ) وَأَبْعَاضِهَا (وَطَلَاقُهَا) مَعَ حُضُورِ الزَّوْجِ أَوْ حُكْمِهِ وَدُخُولُهُ بِهَا وَكَوْنُهَا حَايِلًا، وَإِلَّا صَحَّ وَإِنَّمَا أَطْلَقَ لِتَحْرِيمِهِ فِي الْجُمْلَةِ، وَمَحَلُّ التَّفْصِيلِ بَابُ الطَّلَاقِ، وَإِنْ أُعْتِيدَ هُنَا إِجْمَالًا (وَوَطْؤُهَا قُبُلًا عَامِداً عَالِمًا فَتَجِبُ الْكَفَّارَةُ) لَوْ فَعَلَ (احْتِيَاطًا) لَا وُجُوبًا عَلَى الْأَقْوَى، وَلَا

كَفَّارَةَ عَلَيْهَا مُطْلَقًا، وَالْكَفَّارَةُ (بِدِينَارٍ) أَيْ مِثْقَالِ ذَهَبٍ خَالِصٍ مَضْرُوبٍ (فِى الثُّلُثِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ نِصْفُهُ فِى الثُّلُثِ الثَّانِى، ثُمَّ رُبُعُهُ فِى الثُّلُثِ الْأَخِيرِ) وَيَخْتَلِفُ ذَلِكَ بِاخْتِلَافِ الْعَادَةِ وَمَا فِى حُكْمِهَا مِنْ التَّمَيُّزِ وَالرِّوَايَاتِ، فَالْأَوَّلَانِ أَوَّلٌ لِذَاتِ السِّتَّةِ، وَالْوَسَطَانِ وَسَطٌ وَالْأَخِيرَانِ آخِرٌ، وَهَكَذَا وَمَصْرِفُهَا مُسْتَحِقُّ الْكَفَّارَةِ، وَلَا يُعْتَبَرُ فِيهِ التَّعَدُّدُ .

اور حیض والی عورت پر بطور مطلق[۱]، چند چیزیں حرام ہیں :

۱۔ نماز پڑھنا چاہے وہ واجب ہو یا مستحب ہو۔

۲۔ اور روزہ رکھنا مگر اس کی قضاء کرے گی لیکن نماز کی قضاء نہیں ہے اور یہ فرق روایات نے کیا ہے نہ یہ کہ نماز کا تکرار کرنا مشقت اور مشکل ہے اور روزے کا نہیں نہ کوئی دوسری دلیل اس فرق کی ہے۔

۳۔ طواف کرنا چاہے وہ واجب ہو یا مستحب اگرچہ اس میں طہارت شرط نہیں لیکن کیونکہ مسجد حرام میں داخل ہونا بطور مطلق حرام ہے (چاہے گزرنے کی صورت میں ہی ہو)۔

۴۔ اور قرآن کریم کی کتابت کو مسّ کرنا حرام ہے اور اسی کے حکم میں ہے خدا تعالی کے نام اور انبیاء کرام اور ائمہ معصومین کے اسماء کو مسّ کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے لیکن قرآن کریم کو اٹھانا اگرچہ کسی چیز کے ذریعے اٹھایا جائے مکروہ ہے اور قرآن کریم کے حاشیے اور اس کی سطروں کے درمیانی جگہ کو چھونا مکروہ ہے جیسے جنابت والے شخص کے لیے تھا

[۱]۔ چاہے اس کا حیض یقینی ہو یا حیض کے حکم میں ہو، عادت رکھتی ہو یا روایات پر عمل کرے۔

۵۔اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد میں حیض والی عورت کا ٹھہرنا حرام ہے اور مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں داخل ہونا تو بہر صورت حرام ہے جیسا کہ گزر چکا اور اسی طرح اس پر مسجد میں کوئی چیز رکھنا بھی حرام ہے جیسے جنب پر حرام تھا۔

۶۔واجب سجدوں والی سورتوں اور ان کے بعض حصے کو پڑھنا بھی حرام ہے۔

۷۔حیض والی عورت کو طلاق دینا حرام ہے جب اس کا شوہر اس کے پاس حاضر ہو یا جو شوہر حاضر کے حکم میں ہے اور اس کے ساتھ ہمبستری کر چکا ہو اور وہ حاملہ نہ ہو وگرنہ (جب یہ تین شرطیں نہ ہوں) تو اسے طلاق دینا صحیح ہے اور مصنف نے اسے بغیر ان شرطوں کے بیان کر دیا ہے کیونکہ فی الجملہ یہ حرام تو ہے اور اس کی تفصیل شرائط بیان کرنے کا مناسب موقع کتاب طلاق ہے یہاں تو اسے اجمالا بیان کرنے کی روش چل پڑی ہے۔

۸۔حیض والی عورت سے قبل میں جان بوجھ کر اور علم رکھتے ہوئے ہمبستری کرنا حرام ہے اور اگر شوہر ایسا کرے تو احتیاط کی بناء پر اس پر کفارہ واجب ہوگا لیکن اقوی قول کی بناء پر کفارہ دینا واجب نہیں ہے لیکن بہر صورت (چاہے شوہر پر کفارہ واجب ہو یا نہ) بیوی پر کفارہ نہیں ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے: حیض کی مدت کی پہلی تہائی میں ایک دینار ہے وہ خالص سونے کا ایک مثقال ہے اور دوسری تہائی میں ایک آدھا مثقال ہے اور تیسری تہائی میں اس دینار کی ایک چوتھائی دے اور حیض کی پہلی دوسری اور تیسری تہائی عادت اور جو اس کے حکم میں ہے جیسے تمیز اور روایات پر عمل کرنا، ان کے بدلنے سے بدل جاتی ہے تو پہلے دو دن اس عورت کے پہلی تہائی ہیں جس کی عادت چھ دن ہو اور درمیان دو دن درمیان تہائی ہیں اور آخری دو دن آخری تہائی ہیں اسی طرح دیگر عورتیں بھی حساب کریں اور اس کفارے کے خرچ کرنے کا محلّ کفارے کے مستحقین ہیں اور اس کفارے کے مستحق کا زیاد افراد ہونا شرط نہیں بلکہ ایک شخص بھی ہو تو کافی ہے اسے دیا جائے۔

حائض کی مکروہات

(وَيُكْرَهُ لَهَا قِرَاءَةُ بَاقِي الْقُرْآنِ) غَيْرِ الْعَزَائِمِ مِنْ غَيْرِ اسْتِثْنَاءٍ لِلسَّبْعِ (وَكَذَا) يُكْرَهُ لَهُ (الِاسْتِمْتَاعُ بِغَيْرِ الْقُبُلِ) مِمَّا بَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ، وَيُكْرَهُ لَهَا إعَانَتُهُ عَلَيْهِ إلَّا أَنْ يَطْلُبَهُ فَتَنْتَفِي الْكَرَاهَةُ عَنْهَا لِوُجُوبِ الْإِجَابَةِ .وَيَظْهَرُ مِنْ الْعِبَارَةِ كَرَاهَةُ الِاسْتِمْتَاعِ بِغَيْرِ الْقُبُلِ مُطْلَقًا، وَالْمَعْرُوفُ مَا ذَكَرْنَاهُ .

۱۔اور حیض والی عورت کے لیے واجب سجدوں والی سورتوں کے علاوہ باقی قرآن کا پڑھنا مکروہ ہے اور اس میں سے سات آیات کا پڑھنا تو مکروہ بھی نہیں ہے۔

۲۔اور اسی طرح حیض والی عورت سے شوہر کے لیے قبل کے علاوہ ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصے سے لذت اٹھانا مکروہ ہے اور عورت کے لیے بھی مکروہ ہے کہ وہ شوہر کی اس کام میں مدد کرے مگر یہ کہ شوہر اس سے اس چیز کا تقاضا کرے تو عورت سے کراہت ختم ہو جائے گی کیونکہ اس پر شوہر کو مثبت جواب دینا واجب ہے اور مصنف کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبل کے علاوہ جگہوں سے بطور مطلق لذت اندوز ہونا مکروہ ہے حالانکہ مشہور وہ بات ہے جو ہم نے ذکر کی یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان سے۔

حائض کا مستحب

(وَيُسْتَحَبُّ) لَهَا (الْجُلُوسُ فِي مُصَلَّاهَا) إنْ كَانَ لَهَا مَحَلٌّ مُعَدٌّ لَهَا وَإِلَّا فَحَيْثُ شَاءَتْ (بَعْدَ الْوُضُوءِ) الْمَنْوِيِّ بِهِ التَّقَرُّبُ دُونَ الِاسْتِبَاحَةِ (وَتَذْكُرُ اللَّهَ تَعَالَى بِقَدْرِ الصَّلَاةِ) لِبَقَاءِ التَّمْرِينِ عَلَى الْعِبَادَةِ، فَإِنَّ الْخَيْرَ عَادَةٌ (وَيُكْرَهُ لَهَا الْخِضَابُ) بِالْحِنَّاءِ وَغَيْرِهِ كَالْجُنُبِ-

اور حیض والی عورت کے لیے مستحب ہے کہ کہ وہ اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھے اگر اس نے نماز کے لیے معین جگہ بنائی ہوئی ہو وگرنہ جہاں چاہے بیٹھے وضو کرنے کے بعد کہ اس وضو سے قربت خدا تعالی کی نیت کرے نہ نماز مباح ہونے کی نیت کہ وہ تو حاصل نہ ہو گی اور وہاں بیٹھ کر نماز کی مقدار وقت میں اللہ تعالی کا ذکر کرے تاکہ اس کی عبادت کی مشق باقی رہے کیونکہ یہ بہترین عادت ہے۔اور اس کے مہندی وغیرہ سے خضاب کرنا مکروہ ہے جیسے جنابت والے کے لیے تھا۔

حائض کب عبادت کو ترک کرے؟

(وَتَتْرُکُ ذَاتُ الْعَادَة) الْمُسْتَقِرَّة وَقْتًا وَعَدَدًا أَوْ وَقْتًا خَاصًّا (الْعِبَادَةَ) الْمَشْرُوطَةَ بِالطَّهَارَةِ (بِرُؤْيَةِ الدَّمِ).أَمَّا ذَاتُ الْعَادَة الْعَدَدِيَّة خَاصَّةً، فَهِيَ كَالْمُضْطَرِبَة فِي ذَلِكَ كَمَا سَلَف (وَغَيْرِهَا) مِنْ الْمُبْتَدَأَة وَالْمُضْطَرِبَة(بَعْدَ ثَلَاثَة) أَيَّامٍ احْتِيَاطًا، وَالْأَقْوَى جَوَازُ تَرْكِهِمَا بِرُؤْيَتِه أَيْضًا خُصُوصًا إِذَا ظَنَّتَا حَيْضًا، وَهُوَ اخْتِيَارُهُ فِي الذِّكْرَى، وَاقْتَصَرَ فِي الْكِتَابَيْنِ عَلَى الْجَوَازِ مَعَ ظَنِّه خَاصَّةً . (وَيُكْرَهُ وَطْؤُهَا) قُبُلًا (بَعْدَ الِانْقِطَاعِ قَبْلَ الْغُسْلِ عَلَى الْأَظْهَرِ) خِلَافًا لِلصَّدُوقِ - رَحِمَهُ اللَّهُ - حَيْثُ حَرَّمَهُ، وَمُسْتَنَدُ الْقَوْلَيْنِ الْأَخْبَارُ الْمُخْتَلِفَةُ ظَاهِراً، وَالْحَمْلُ عَلَى الْكَرَاهَة طَرِيقُ الْجَمْعِ، وَالْآيَةُ ظَاهِرَةٌ فِي التَّحْرِيمِ قَابِلَةٌ لِلتَّأْوِيلِ.(وَتَقْضِي كُلَّ صَلَاة تَمَكَّنَتْ مِنْ فِعْلِهَا قَبْلَهُ) بِأَنْ مَضَى مِنْ أَوَّلِ الْوَقْتِ مِقْدَارُ فِعْلِهَا وَفِعْلِ مَا يُعْتَبَرُ فِيهَا مِمَّا لَيْسَ بِحَاصِلٍ لَهَا طَاهِرَةً، (أَوْ فِعْلُ رَكْعَةٍ مَعَ الطَّهَارَةِ) وَغَيْرِهَا مِنْ الشَّرَائِطِ الْمَفْقُودَةِ (بَعْدَهُ).

وہ عورت جس کی عادت بن چکی ہو چاہے وہ وقت اور عدد کے لحاظ سے ہو یا فقط وقت کے لحاظ سے ہو تو جس عبادت میں طہارت شرط ہو اسے خون دیکھتے ہی ترک کر دے گی لیکن صرف عدد کی عادت رکھنے والی تو وہ اس مسئلے میں مضطربہ کی طرح ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور عادت والی کے علاوہ دیگر عورتیں جیسے پہلی بار خون دیکھنے والی اور مضطربہ تو وہ احتیاطا تین دن کے بعد عبادت ترک کرے لیکن قوی تر قول یہ ہے کہ وہ خون دیکھتے ہی عبادت کو چھوڑ سکتی ہیں خصوصا جب انہیں اس خون کے حیض ہونے کا گمان ہو اور یہی بات شہید اول نے ذکری میں اختیار کی ہے اور دوسری دو کتابوں میں اتنا بیان کیا کہ وہ اپنے گمان کے ساتھ عبادت کو چھوڑ سکتی ہے۔

خون بند ہونے کے بعد اور غسل سے پہلے ہمبستری کا حکم

(وَيُكْرَهُ وَطْؤُهَا) قُبُلًا (بَعْدَ الِانْقِطَاعِ قَبْلَ الْغُسْلِ عَلَى الْأَظْهَرِ) خِلَافًا لِلصَّدُوقِ - رَحِمَهُ اللَّهُ - حَيْثُ حَرَّمَهُ، وَمُسْتَنَدُ الْقَوْلَيْنِ الْأَخْبَارُ الْمُخْتَلِفَةُ ظَاهِرًا، وَالْحَمْلُ عَلَى الْكَرَاهَةِ طَرِيقُ الْجَمْعِ، وَالْآيَةُ ظَاهِرَةٌ فِي التَّحْرِيمِ قَابِلَةٌ لِلتَّأْوِيلِ.

اور خون بند ہونے کے بعد اور غسل حیض کرنے سے پہلے اس سے قبل میں ہمبستری کرنا مکروہ ہے یہ ظاہر تر قول کی بناء پر ہے لیکن یہ بات شیخ صدوق کے نظریہ کے خلاف ہے کہ انہوں نے اسے حرام قرار دیا ہے اور دونوں قولوں کی دلیل کچھ روایات ہیں جو ظاہری طور پر آپس میں اختلاف رکھتی ہیں اور منع کرنے والی روایتوں سے کراہت مراد لینا ان دونوں قسم کی روایات کو جمع کر دیتا ہے اور جو آیت اس کے حرام ہونے پر ظہور رکھتی ہے اس کی تاویل کی جا سکتی ہے۔

حیض سے پہلے اور بعد کی نمازوں کی قضاء کرنا

(وَتَقْضِي كُلَّ صَلَاة تَمَكَّنَتْ مَنْ فعْلهَا قَبْلَهُ) بأَنْ مَضَى منْ أَوَّل الْوَقْت مقْدَارُ فعْلهَا وَفعْلِ مَا يُعْتَبَرُ فيهَا ممَّا لَيْسَ بحَاصلٍ لَهَا طَاهرَةً، (أَوْ فعْلُ رَكْعَة مَعَ الطَّهَارَة) وَغَيْرهَا منْ الشَّرَائط الْمَفْقُودَة (بَعْدَهُ).

اور وہ ہر اس نماز کی قضاء کرے کی جس کو وہ حیض آنے سے پہلے اول وقت میں انجام دے سکتی تھی یعنی اس نماز کے اول وقت میں اتنا زمانہ گزر چکا ہو کہ اس میں وہ اس کو انجام دے سکتی تھی اور اس کی وجہ شرائط بھی حاصل کرسکتی تھی جو حاصل نہ ہوں لیکن اس نے اسے نہ پڑھا اور حیض آگیا تو اس کی قضاء کرے۔

یا حیض کا خون بند ہونے کے بعد اس کے لیے طہارت وغیرہ شرائط کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھنے کا وقت ہو اور وہ نہ پڑھے تو اس نماز کی بھی قضاء کرے ۔

استحاضہ کی تعریف

(وَأَمَّا الاِسْتِحَاضَةُ – فَهِيَ مَا) أَيْ الدَّمُ الْخَارِجُ مِنْ الرَّحِمِ الَّذِي (زَادَ عَلَى الْعَشَرَةِ) مُطْلَقًا (أَوْ الْعَادَةِ مُسْتَمِرًّا) إلَى أَنْ يَتَجَاوَزَ الْعَشَرَةَ، فَيَكُونَ تَجَاوُزُهَا كَاشِفًا عَنْ كَوْنِ السَّابِقِ عَلَيْهَا بَعْدَ الْعَادَةِ اسْتِحَاضَةً (أَوْ بَعْدَ الْيَأْسِ) بِبُلُوغِ الْخَمْسِينَ أَوْ السِّتِّينَ عَلَى التَّفْصِيلِ (أَوْ بَعْدَ النِّفَاسِ) كَالْمَوْجُودِ بَعْدَ الْعَشَرَةِ أَوْ فِيهَا بَعْدَ أَيَّامِ الْعَادَةِ مَعَ تَجَاوُزِ الْعَشَرَةِ، إذَا لَمْ يَتَخَلَّلْهُ نَقَاءُ أَقَلِّ الطُّهْرِ أَوْ يُصَادِفْ أَيَّامَ الْعَادَةِ فِي الْحَيْضِ، بَعْدَ مُضِيِّ عَشَرَةٍ فَصَاعِدًا مِنْ أَيَّامِ النِّفَاسِ، أَوْ يَحْصُلُ فِيهِ تَمْيِيزٌ بِشَرَائِطِهِ .

اور استحاضہ کا خون وہ ہے جو رحم سے خارج ہو اور دس دنوں سے زائد ہو بطور مطلق (چاہے اس عورت کی کوئی عادت ہو یا نہ) یا وہ خون جو عادت کے دنوں سے زیادہ ہو بشرطیکہ وہ خون دس دنوں سے تجاوز کر جائے تو عادت کے بعد والا خون بھی استحاضہ شمار ہوگا یا وہ خون جو حد یاس کو پہنچنے کے بعد دیکھے اور یاس کی حد ۵۰ یا ساٹھ سال ہے جس کی تفصیل حیض کی بحث کے شروع میں گزر چکی ہے یا وہ خون جو نفاس کے بعد آتا ہے جو دس دن کے بعد موجود ہو یا دس دنوں میں عادت کے بعد جب خون دس دنوں سے تجاوز کر جائے جب ان دونوں خونوں کے درمیان پاکی کی کمترین مدت حاصل نہ ہوئی ہو یا حیض کے ایام عادت نہ آجائیں ایام نفاس سے دس دن یا زیادہ دن گزرنے کے بعد یا اس میں خون حیض کی شرائط کے ساتھ اس کی تمیز حاصل نہ ہو جائے۔

خون استحاضہ کی علامتیں

(وَدَمُهَا) أَيْ الاسْتِحَاضَةِ (أَصْفَرُ بَارِدٌ رَقِيقٌ فَاتِرٌ) أَيْ يَخْرُجُ بِتَثَاقُلٍ وَفُتُورٍ لَا بِدَفْعٍ (غَالِبًا)، وَمُقَابِلُ الْغَالِبِ مَا تَجِدُهُ فِي الْوَقْتِ الْمَذْكُورِ فَإِنَّهُ يُحْكَمُ بِكَوْنِهِ اسْتِحَاضَةً، وَإِنْ كَانَ بِصِفَةِ دَمِ الْحَيْضِ لِعَدَمِ إِمْكَانِهِ .

اور خون استحاضہ غالبا زرد رنگ کا اور ٹھنڈا ہوتا ہے اور گاڑھا بھی نہیں ہوتا اور فشار اور جلن کے بغیر خارج ہوتا ہے اور غالب حکم کے مقابلے میں کبھی ان صفات کے بغیر بھی خون کے استحاضہ ہونے کا حکم لگا یا جاتا ہے جب اس وقت میں خارج ہو جس کو اوپر بیان کیا گیا اگرچہ اس میں خون حیض کی صفات بھی ہو کیونکہ ان دنوں خون کا حیض ہونا ممکن نہیں ہے۔

مستحاضہ کی اقسام اور احکام

ثُمَّ الاسْتِحَاضَةُ تَنْقَسِمُ إِلَى قَلِيلَةٍ وَكَثِيرَةٍ وَمُتَوَسِّطَةٍ : لِأَنَّهَا إِمَّا أَنْ لَا تَغْمِسَ الْقُطْنَةَ أَجْمَعَ ظَاهِراً وَبَاطِنًا، أَوْ تَغْمِسَهَا كَذَلِكَ وَلَا تَسِيلَ عَنْهَا بِنَفْسِهِ إِلَى غَيْرِهَا، أَوْ تَسِيلَ عَنْهَا إِلَى الْخِرْقَةِ، (فَإِنْ لَمْ تَغْمِسْ الْقُطْنَةَ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ مَعَ تَغْيِيرِهَا) الْقُطْنَةَ لِعَدَمِ الْعَفْوِ عَنْ هَذَا الدَّمِ مُطْلَقًا وَغُسْلِ مَا ظَهَرَ مِنْ الْفَرْجِ عِنْدَ الْجُلُوسِ عَلَى الْقَدَمَيْنِ، وَإِنَّمَا تَرَكَهُ لِأَنَّهُ إِزَالَةُ خَبَثٍ قَدْ عُلِمَ مِمَّا سَلَفَ (وَمَا يَغْمِسُهَا بِغَيْرِ سَيْلٍ تَزِيدُ) عَلَى مَا ذُكِرَ فِي الْحَالَةِ الْأُولَى (الْغُسْلَ لِلصُّبْحِ) إِنْ كَانَ الْغَمْسُ قَبْلَهَا، وَلَوْ كَانَتْ صَائِمَةً قَدَّمَتْهُ عَلَى الْفَجْرِ، وَاجْتَزَأَتْ بِهِ لِلصَّلَاةِ، وَلَوْ تَأَخَّرَ الْغَمْسُ عَنْ الصَّلَاةِ فَكَالْأَوَّلِ (وَمَا يَسِيلُ) يَجِبُ لَهُ جَمِيعُ مَا وَجَبَ فِي الْحَالَتَيْنِ وَتَزِيدُ عَلَيْهِمَا (أَنَّهَا تَغْتَسِلُ أَيْضًا لِلظُّهْرَيْنِ) تَجْمَعُ

بَيْنَهُمَا (ثُمَّ الْعِشَاءَيْنِ) كَذَلِكَ (وَتَغْيِيرُ الْخِرْقَةِ فِيهِمَا) أَيْ فِي الْحَالَتَيْنِ الْوُسْطَى وَالْأَخِيرَةِ، لِأَنَّ الْغَمْسَ يُوجِبُ رُطُوبَةَ مَا لَاصَقَ الْخِرْقَةَ مِنْ الْقُطْنَةِ، وَإِنْ لَمْ يَسِلْ إِلَيْهَا فَتَنْجَسُ، وَمَعَ السَّيْلَانِ وَاضِحٌ، وَفِي حُكْمِ تَغْيِيرِهَا تَطْهِيرُهَا . وَإِنَّمَا يَجِبُ الْغُسْلُ فِي هَذِهِ الْأَحْوَالِ، مَعَ وُجُودِ الدَّمِ الْمُوجِبِ لَهُ قَبْلَ فِعْلِ الصَّلَاةِ، وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِ وَقْتِهَا، إِذَا لَمْ تَكُنْ قَدْ اغْتَسَلَتْ لَهُ بَعْدَهُ كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ خَبَرُ الصِّحَافِ وَرُبَّمَا قِيلَ بِاعْتِبَارِ وَقْتِ الصَّلَاةِ وَلَا شَاهِدَ لَهُ.

اور استحاضہ والی عورت کی تین قسمیں ہیں؛قلیلہ، کثیرہ اور متوسطہ کیونکہ یا تو خون روئی کو کاملا اندر اور باہر سے پر نہیں کرے گا یا اس طرح پر کردے گا لیکن روئی سے باہر نہیں بہے گا یا روئی سے باہر والے کپڑے کی طرف بہہ نکلے گا؛

۱۔ مستحاضہ قلیلہ کا حکم؛ پس اگر روئی کو پر نہ کرے تو وہ عورت ہر نماز کے لیے وضو کرے اور روئی کو بدلے کیونکہ یہ خون کسی صورت میں معاف نہیں ہے اور قدموں پر بیٹھنے سے جو خون شرمگاہ کے بیرونی حصوں پر لگے اس کو بھی دھو دے اسے مصنف نے اس لیے ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ ظاہری نجاست کے حکم میں ہے اور وہ پہلے بیان ہو چکا کہ اسے دور کرنا لازم ہے۔

۲۔ مستحاضہ متوسطہ کا حکم؛ اور جس کا خون روئی کو پر کردے لیکن باہر نہ بہے تو سابقہ حالت کے حکم کے ساتھ وہ نماز صبح کے لیے غسل بھی کرے اگر اس سے پہلے روئی بھر جائے اور اگر وہ روزہ رکھے تو فجر سے پہلے یہ غسل کرلے اور وہی نماز کے لیے کافی ہے اور اگر نماز کے بعد روئی بھرے تو وہ پہلی عورت کی طرح ہے یعنی ہر نماز کے لیے وضو ہی کافی ہے۔

۳۔ مستحاضہ کثیرہ کا حکم؛اور جس کا خون روئی سے باہر بہہ نکلے تو سابقہ دو حالتوں کے واجبات کو انجام دینے کے علاوہ وہ نماز ظہرین اور عشائین کے لیے ایک ایک غسل کرے اور ان کو جمع کرکے پڑھے اور ان درمیانی اور آخری حالت (متوسطہ اور کثیرہ) میں روئی کے علاوہ اوپر

والے کپڑے کو بھی تبدیل کرے کیونکہ روئی کا بھر جانا موجب بنتا ہے کہ اس کے ساتھ ملے ہوئے کپڑے تک بھی خون کی رطوبت پہنچ جائے اگرچہ اس کی طرف خون نہ بہے لیکن وہ رطوبت سے ہی نجس ہو جائے گا اور جب خون اس کی طرف بہے تو اس کا نجس ہونا واضح ہے اور اس کپڑے کو تبدیل کرنے کے حکم ہے جب اس کو پاک کرلیا جائے اور ان حالات میں غسل اس وقت واجب ہوتا ہے جب نماز انجام دینے سے اس کا موجب بننے والا خون موجود ہو اگرچہ وہ نماز کے وقت سے پہلے رہا ہو جب اس نے اس خون کے بعد اس خون کے سبب سے غسل نہ کیا ہو جیسا کہ صحاف کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جب ایسا خون نماز کے وقت میں ہو تو غسل واجب ہو گا لیکن اس پر کوئی شاہد اور دلیل موجود نہیں ہے۔

نفاس کی تعریف

(وَأَمَّا النِّفَاسُ)- بِكَسْرِ النُّونِ (فَدَمُ الْوِلَادَةِ مَعَهَا) بِأَنْ يُقَارِنَ خُرُوجَ جُزْءٍ وَإِنْ كَانَ مُنْفَصِلًا، مِمَّا يُعَدُّ آدَمِيًّا أَوْ مَبْدَأَ نُشُوءِ آدَمِيٍّ، وَإِنْ كَانَ مُضْغَةً مَعَ الْيَقِينِ.أَمَّا الْعَلَقَةُ -وَهِيَ الْقِطْعَةُ مِنْ الدَّمِ الْغَلِيظِ- فَإِنْ فُرِضَ الْعِلْمُ بِكَوْنِهَا مَبْدَأَ نُشُوءِ إِنْسَانٍ، كَانَ دَمُهَا نِفَاسًا إِلَّا أَنَّهُ بَعِيدٌ (أَوْ بَعْدَهَا) بِأَنْ يَخْرُجَ الدَّمُ بَعْدَ خُرُوجِهِ أَجْمَعَ.وَلَوْ تَعَدَّدَ الْجُزْءُ مُنْفَصِلًا أَوْ الْوَلَدُ، فَلِكُلٍّ نِفَاسٌ وَإِنْ اتَّصَلَا، وَيَتَدَاخَلُ مِنْهُ مَا اتَّفَقَا فِيهِ.وَاحْتَرَزَ بِالْقَيْدَيْنِ عَمَّا يَخْرُجُ قَبْلَ الْوِلَادَةِ فَلَا يَكُونُ نِفَاسًا، بَلْ اسْتِحَاضَةً إِلَّا مَعَ إِمْكَانِ كَوْنِهِ حَيْضًا.

ور نفاس کا خون وہ ہے جو بچے کی پیدائش کے ساتھ نکلتا ہے یعنی وہ جو بچے کے کسی جزء کے نکلنے کے ساتھ خارج ہوتا ہے اگرچہ وہ جزء بچے کے بدن سے جدا ہو چکا ہو لیکن وہ انسان کا جزء شمار ہوتا ہو یا اس کی نشو ونما کا آغاز ہو اگرچہ وہ یقین کے ساتھ گوشت کا لوتھڑا ہو لیکن گاڑھے خون کا مجموعہ ہو تو اگر معلوم ہو کہ یہ انسان کی نشو ونما کا آغاز ہے تو اس کا خون نفاس ہے مگر یہ معلوم ہونا بہت بعید ہے یا وہ خون جو بچے کی پیدائش کے بعد نکلتا ہے اور اگر جدا ہونے والے اجزاء یا بچے زیادہ ہوں تو ہر ایک کے لیے الگ نفاس ہوگا اگرچہ وہ متصل ہو کر باہر آئیں اور جتنے نفاس میں وہ دونوں ایک ساتھ ہوں وہ دونوں کا شمار ہوگا اور ان دو قیود (پیدائش کے ساتھ یا بعد ہونے کی قید) کے ذریعے مصنف نے اس خون کو خارج کر دیا جو بچے کی پیدائش

سے پہلے نکلے تو وہ نفاس شمار نہ ہوگا بلکہ استحاضہ ہوگا مگر یہ کہ اس کے حیض ہونے کا امکان ہو
۔

خون نفاس کی مدت اور تشخیص

(وَأَقَلُّهُ مُسَمَّاهُ) وَهُوَ وُجُودُهُ فِی لَحْظَةٍ، فَيَجِبُ الْغُسْلُ بِانْقِطَاعِهِ بَعْدَهَا، وَلَوْ لَمْ تَرَ دَمًا فَلَا نِفَاسَ عِنْدَنَا (وَأَكْثَرُهُ قَدْرُ الْعَادَةِ فِی الْحَيْضِ) لِلْمُعْتَادَةِ عَلَى تَقْدِيرِ تَجَاوُزِ الْعَشَرَةِ، وَإِلَّا فَالْجَمِيعُ نِفَاسٌ، وَإِنْ تَجَاوَزَهَا كَالْحَيْضِ(فَإِنْ لَمْ تَكُنْ)لَهَا عَادَةٌ(فَالْعَشْرَةُ) أَكْثَرُهُ (عَلَى الْمَشْهُورِ).وَإِنَّمَا يُحْكَمُ بِهِ نِفَاسًا فِی أَيَّامِ الْعَادَةِ، وَفِی مَجْمُوعِ الْعَشَرَةِ مَعَ وُجُودِهِ فِيهِمَا أَوْ فِی طَرَفَيْهِمَا.أَمَّا لَوْ رَأَتْهُ فِی أَحَدِ الطَّرَفَيْنِ خَاصَّةً، أَوْ فِيهِ وَفِی الْوَسَطِ فَلَا نِفَاسَ لَهَا فِی الْخَالِی عَنْهُ مُتَقَدِّمًا وَمُتَأَخِّرًا، بَلْ فِی وَقْتِ الدَّمِ أَوْ الدَّمَيْنِ فَصَاعِداً وَمَا بَيْنَهُمَا، فَلَوْ رَأَتْ أَوَّلَهُ لَحْظَةً وَآخِرَ السَّبْعَةِ لِمُعْتَادَتِهَا فَالْجَمِيعُ نِفَاسٌ، وَلَوْ رَأَتْهُ آخِرَهَا خَاصَّةً فَهُوَ النِّفَاسُ،وَمِثْلُهُ رُؤْيَةُ الْمُبْتَدَأَةِ وَالْمُضْطَرِبَةِ فِی الْعَشَرَةِ، بَلْ الْمُعْتَادَةُ عَلَى تَقْدِيرِ انْقِطَاعِهِ عَلَيْهَا، وَلَوْ تَجَاوَزَ فَمَا وُجِدَ مِنْهُ فِی الْعَادَةِ، وَمَا قَبْلَهُ إلَى زَمَانِ الرُّؤْيَةِ نِفَاسٌ خَاصَّةً .كَمَا لَوْ رَأَتْ رَابِعَ الْوِلَادَةِ مَثَلًا وَسَابِعَهَا لِمُعْتَادَتِهَا وَاسْتَمَرَّ إلَى أَنْ تَجَاوَزَ الْعَشَرَةَ، فَنِفَاسُهَا الْأَرْبَعَةُ الْأَخِيرَةُ مِنْ السَّبْعَةِ خَاصَّةً، وَلَوْ رَأَتْهُ فِی السَّابِعِ خَاصَّةً فَتَجَاوَزَهَا فَهُوَ النِّفَاسُ خَاصَّةً، وَلَوْ رَأَتْهُ مِنْ أَوَّلِهِ وَالسَّابِعَ وَتَجَاوَزَ الْعَشَرَةَ – سَوَاءٌ كَانَ بَعْدَ انْقِطَاعِهِ أَمْ لَا – فَالْعَادَةُ خَاصَّةً نِفَاسٌ، وَلَوْ رَأَتْهُ أَوَّلًا وَبَعْدَ الْعَادَةِ وَتَجَاوَزَ، فَالْأَوَّلُ خَاصَّةً نِفَاسٌ، وَعَلَى هَذَا الْقِيَاسُ .

اور خون نفاس کی کم ترین مقدار اس کا نام صدق آنا ہے اور وہ ایک لحظہ موجود ہونا ہے تو اس کے رکنے کے بعد غسل نفاس واجب ہوگا اور اگر بچے کی پیدائش کے وقت اصلا عورت کوئی خون نہ دیکھے تو ہمارے نزدیک اس پر غسل نفاس واجب نہ ہوگا اور اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار حیض کی عادت کے دن ہیں جب وہ عورت عادت رکھتی ہو اور خون دس دنوں سے تجاوز کر جائے وگرنہ (خون دس دنوں سے تجاوز نہ کرے تو) تمام خون نفاس ہوگا اگرچہ عادت کے دنوں سے تجاوز کر جائے جیسے حیض میں بھی کہا تھا اور اگر اس کی عادت نہ ہو تو مشہور قول کی بناء پر اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار دس دن ہے اور عادت کے دنوں میں اور تمام دس دنوں میں اس کے نفاس ہونے کا حکم لگایا جائے گا جب ان میں خون موجود رہا ہو یا ان کے دونوں طرف خون رہا ہو لیکن اگر ان میں سے ایک طرف خون دیکھے یا ایک طرف اور وسط میں خون دیکھے تو جو طرف خالی ہوگی چاہے وہ مقدم ہو یا متاخر اس کو نفاس شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف خون (جب ایک طرف ہو) یا دو خونوں (جب ایک طرف اور وسط میں ہو) کے دنوں میں اور ان کے درمیانی دنوں میں نفاس ہوگا پس اگر کوئی عورت بچے کی پیدائش کے وقت ایک لحظہ خون دیکھے اور عادت والی سات دنوں کے آخر میں خون دیکھے تو تمام سات دنوں کو نفاس شمار کرے اور اگر اس نے صرف آخری دن میں خون دیکھا تو وہی نفاس ہوگا اور اسی کی طرح ہے وہ عورت جو پہلی بار خون دیکھے یا دن دنوں کے اندر اپنی عادت بھول چکی ہو بلکہ عادت والی عورت جب اس کا خون عادت کے دنوں میں رک جائے اور اگر وہ خون عادت کے دنوں سے تجاوز کرے تو جتنی عادت کے دنوں میں خون ہوگا اور اس سے پہلے صرف وہی نفاس ہوگا جیسے وہ چوتھے دن خون دیکھے اور ساتویں دن اور اس کی عادت سات دن کی ہو اور وہ دس دنوں سے تجاوز کر جائے تو اس کا نفاس سات دنوں میں سے آخری چار دن ہیں اور اگر وہ صرف ساتویں دن خون دیکھے اور وہ دس دن سے تجاوز کرے جائے تو صرف وہ آخری دن نفاس ہے اور اگر وہ شروع میں اور ساتویں دن خون دیکھے اور خون دس دنوں سے تجاوز

کر جائے چاہے وہ دس دنوں سے پہلے رکا ہو یا نہ تو صرف عادت کے دن نفاس ہیں اور اگر وہ پہلے دن خون دیکھے اور عادت کے بعد خون دیکھے اور خون دس دنوں سے تجاوز کر جائے تو صرف پہلا دن نفاس ہے اور اسی طرح باقی دنوں کا حساب کریں۔

حیض اور نفاس میں باہمی فرق

(وَحُكْمُهَا كَالْحَائِضِ) فِي الْأَحْكَامِ الْوَاجِبَةِ وَالْمَنْدُوبَةِ وَالْمُحَرَّمَةِ وَالْمَكْرُوهَةِ، وَتُفَارِقُهَا فِي الْأَقَلِّ وَالْأَكْثَرِ .

وَالدَّلَالَةِ عَلَى الْبُلُوغِ فَإِنَّهُ مُخْتَصٌّ بِالْحَائِضِ لِسَبْقِ دَلَالَةِ النِّفَاسِ بِالْحَمْلِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ بِالْحَيْضِ دُونَ النِّفَاسِ غَالِبًا، وَرُجُوعِ الْحَائِضِ إِلَى عَادَتِهَا وَعَادَةِ نِسَائِهَا، وَالرِّوَايَاتُ وَالتَّمْيِيزُ دُونَهَا، وَيَخْتَصُّ النِّفَاسُ بِعَدَمِ اشْتِرَاطِ أَقَلِّ الطُّهْرِ بَيْنَ النِّفَاسَيْنِ كَالتَّوْأَمَيْنِ، بِخِلَافِ الْحَيْضَتَيْنِ.

اور نفاس والی عورت کا حکم واجب، مستحب اور حرام اور مکروہ احکام میں حیض والی عورت کی طرح ہے (اس میں چند ایک فرق بھی ہیں :)

۱۔اس کی کم مقدار میں (کہ حیض کی کم مقدار تین دن اور نفاس کی ایک لحظہ ہے)۔

۲۔اس کی زیادہ مقدار میں (کیونکہ حیض کی زیادہ مقدار بالاتفاق دس دن ہے لیکن نفاس کے بارے میں اختلاف ہے)۔

۳۔ بلوغ پر دلالت کرنے کے لحاظ سے (کیونکہ وہ تو حیض کے ساتھ خاص ہے اور نفاس بلوغ کی علامت نہیں کیونکہ اس سے پہلے بچے کی پیدائش بلوغ پر دلالت ہوتی ہے)۔

۴۔ حیض کے ساتھ عدت ختم ہو جاتی ہے لیکن غالبا نفاس کے ساتھ نہیں (غالب کی قید سے وہ صورت خارج کی جب وضع حمل کے بعد اور خون دیکھنے سے پہلے طلاق دے تو نفاس کو حیض شمار کیا جائے اور پاکی کو شمار کیا جائے گا تو نفاس کا عدت گزرنے میں دخل ہوگا)۔

۵۔ حیض والی عورت اپنی عادت اور اپنی رشتہ دار عورتوں کی عادت کی طرف اور روایات اور خون کی علامات کی طرف رجوع کرے گی لیکن نفاس والی عورت ایسا نہیں کر سکتی (بلکہ دس دنوں سے تجاوز کی صورت میں دس دن نفاس شمار کرے)۔

۶۔ دو نفاسوں کے درمیان پاکی کم ترین مقدار کا ہونا لازمی نہیں جیسے دو جڑواں بچوں کی پیدائش کے لیے ہوتا ہے لیکن دو حیضوں کے لیے درمیان میں پاکی کی کم ترین مدت کا ہونا لازمی ہے۔

عورتوں کے غسلوں کے ساتھ وضو کا وجوب

(وَيَجِبُ الْوُضُوءُ مَعَ غُسْلِهِنَّ) مُتَقَدِّمًا عَلَيْهِ أَوْ مُتَأَخِّرًا (وَيُسْتَحَبُّ قَبْلَهُ) وَتُتَخَيَّرُ فِيهِ بَيْنَ نِيَّةِ الِاسْتِبَاحَةِ وَالرَّفْعِ مُطْلَقًا عَلَى أَصَحِّ الْقَوْلَيْنِ إذَا وَقَعَ بَعْدَ الِانْقِطَاعِ .

عورتوں کے ان تمام غسلوں کے ساتھ ان سے پہلے یا بعد میں وضو کرنا واجب ہے[1] اور مستحب ہے کہ غسل سے پہلے وضو کیا جائے اور اس میں ہر صورت (غسل سے پہلے وضو کرے یا بعد

[1] مشہور علماء نے ان کے غسل کو وضو سے کافی نہیں سمجھا اور ان کے ساتھ وضو کو واجب قرار دیا جیسا شہیدین نے کہا ہے اور اس پر بعض غیر معتبر روایات ذکر کی ہیں جیسے شیخ صدوق کا قول ہے؛ یہ امامیہ کا مذہب ہے کہ ہر غسل میں اس کے شروع میں ایک وضو ہو اور ابن ابی عمیر کی مرسلہ روایت ہے کل غسل قبلہ وضو الا غسل الجنابۃ (وسائل باب ۳۵ ابواب جنابت ح۱) غسل جنابت کے سوا ہر غسل کے ساتھ وضو ہوتا ہے لیکن دیگر بہت سے محققین جن میں سید مرتضی، مقدس اردبیلی، صاحب مدارک شامل ہیں غسل کو کافی سمجھتے ہیں اور یہی موجودہ بہت سے علماء کا فتوی ہے اور اس پر معتبر روایات دلالت کرتی ہیں جیسے ابن مسلم کی صحیح روایت امام باقرؑ سے فرمایا؛ محمد بن الحسن، عن المفید، عن احمد بن محمد، عن ابیه، عن سعد بن عبداللہ، عن احمد بن محمد، عن الحسین بن سعید و محمد بن خالد جمیعا، عن عبدالحمید بن عواض، عن محمد بن مسلم، عن ابی جعفر (علیه السلام) قال: الغسل یجزی عن الوضوء وای وضوء اطهر من الغسل [تہذیب ۱: ۱۳۹ ح ۳۹۰ استبصار ۱: ۱۲۶ ح ۴۲۷. وسائل باب ۳۳ ابواب جنابت ح۱]؛ غسل وضو سے کافی ہے اور کونسا وضو ہے جو غسل سے زیادہ پاکی دینے والا ہو؟؟! اور موثقہ عمار؛ عنه، عن احمد بن الحسن بن علی بن فضال، عن عمرو بن سعید، عن مصدق بن صدقة، عن عمار الساباطی قال:

میں) میں اختیار ہے کہ مباح ہونے اور رفع حدث ہونے کی نیت کی جائے یہ صحیح تر قول کی بناء پر ہے جب خون بند ہو چکا ہو[1]۔

سئل أبو عبدالله (علیه السلام) عن الرجل إذا اغتسل من جنابته ، أو یوم جمعة ، أو یوم عید ، هل علیه الوضوء قبل ذلک أو بعده ؟ فقال : لا ، لیس علیه قبل ولا بعد ، قدأجزأه الغسل ، والمرأة مثل ذلک إذا اغتسلت من حیض ، أو غیر ذلک ، فلیس علیها الوضوء لا قبل ولا بعد ، قد أجزأها الغسل . [تہذیب ۱ : ۱۴۱ح ۳۹۸ ۱ استبصار ۱ : ۱۲۷ح ۴۳۲ . وسائل باب ۳۳ ۱ابواب جنابت ح ۳] امام صادقؑ سے اس شخص کے بارے سوال کیا گیا جس نے جنابت یا جمعہ یا عید کے دن کا غسل کیا، کیا اس پر وضو ہے اس سے پہلے یا بعد میں؟ فرمایا؛ اس پر کچھ نہیں نہ پہلے اور نہ بعد میں اس کا غسل ہی کافی ہے اور عورت بھی اس ی طرح ہے جب وہ حیض وغیرہ کا غسل کرے تو اس پر وضو نہیں نہ پہلے اور نہ غسل کے بعد میں اس کا غسل ہی اس کے لیے کافی ہے۔

[1]۔جب غسل کے ساتھ وضو کرنا ضروری ہی نہیں تو یہ بحثیں کہ وہ پہلے ہو یا بعد میں اور پہلے ہو تو کونسی نیت کریں، یہ سب بے محل ہو جاتی ہیں اگرچہ صدوقین اور شیخ مفید نے غسل سے پہلے وضو کرنے کا فتوی دیا اور مشہور تخییر کے قائل تھے اور ابن ادریس نے کہا تھا کہ اگر غسل سے پہلے وضو کیا تو اس میں مباح اور رفع حدث کی نیت نہیں کر سکتے کیونکہ حدث اکبر کے ہوتے ہوئے وضو سے کچھ بھی حدث رفع نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ جواب دیا گیا کہ اگر غسل کے ساتھ وضو واجب ہو تو دونوں مل کر رفع حدث کا سبب ہیں کچھ تو اس کا اثر حدث کے اٹھانے میں ہو گا اتنے ہی حدث کے اٹھانے کی نیت کی جائے گی پھر یہ اشکال غسل کی نیت میں ہو سکتا ہے کیونکہ جب وضو اور غسل دونوں رفع حدث کے سبب ہوں تو فقط غسل کے ساتھ رفع حدث تو نہیں ہو گا پھر اس میں رفع حدث کی نیت کیسے کریں؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اولا تو غسل کے ساتھ وضو واجب نہیں اور اگر واجب ہوتا تو چونکہ یہ اعتباری امور ہیں ان میں نیت کرنا ممکن ہے کیونکہ شارع نے اسے اعتبار کیا ہوا ہے۔

غسل مسّ میت

(وَأَمَّا غُسْلُ الْمَسِّ) لِلْمَيِّتِ الْآدَمِيِّ النَّجِسِ (فَبَعْدَ الْبَرْدِ وَقَبْلَ التَّطْهِيرِ) بِتَمَامِ الْغُسْلِ، فَلَا غُسْلَ بِمَسِّهِ قَبْلَ الْبَرْدِ وَبَعْدَ الْمَوْتِ.وَفِي وُجُوبِ غَسْلِ الْعُضْوِ اللَّامِسِ قَوْلَانِ أَحَدُهُمَا ذَلِكَ خِلَافًا لِلْمُصَنِّفِ وَكَذَا لَا غُسْلَ بِمَسِّهِ بَعْدَ الْغُسْلِ، وَفِي وُجُوبِهِ بِمَسِّ عُضْوٍ كَمُلَ غُسْلُهُ قَوْلَانِ : اخْتَارَ الْمُصَنِّفُ عَدَمَهُ.وَفِي حُكْمِ الْمَيِّتِ جُزْؤُهُ الْمُشْتَمِلُ عَلَى عَظْمٍ وَالْمُبَانُ مِنْهُ مِنْ حَيٍّ وَالْعَظْمُ الْمُجَرَّدُ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ، اسْتِنَادًا إلَى دَوَرَانِ الْغُسْلِ مَعَهُ وُجُودًا وَعَدَمًا، وَهُوَ ضَعِيفٌ (وَيَجِبُ فِيهِ) أَيْ فِي غُسْلِ الْمَسِّ (الْوُضُوءُ) قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ، كَغَيْرِهِ مِنْ أَغْسَالِ الْحَيِّ غَيْرِ الْجَنَابَةِ.

وَ"فِي" فِي قَوْلِهِ:"فِيهِ" لِلْمُصَاحَبَةِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى:{ أُدْخُلُوا فِي أُمَمٍ } وَ { فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ } إنْ عَادَ ضَمِيرُهُ إلَى الْغُسْلِ، وَإِنْ عَادَ إلَى الْمَسِّ فَسَبَبِيَّةٌ .

۱۔اور غسل مسّ میت تو اگر انسان کی نجس میت[۱] کو ٹھنڈا ہونے کے بعد اور تمام غسل مکمل ہونے کے ساتھ پاکی حاصل ہونے سے پہلے مسّ کریں غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے تو ٹھنڈا ہونے سے پہلے اور مرنے کے بعد مس کرنے سے غسل واجب نہ ہو گا۔

---

[۱] نجس آدمی کی میت کی قید سے معصوم اور شہید کو خارج کر دیا۔

۲۔اور جو عضو، میت سے مسّ ہو کیا اس کا دھونا بھی واجب ہے اس میں دو قول ہیں بہتر یہ ہے کہ اس کو دھونا واجب ہے [1] لیکن مصنف نے اس کے خلاف فتوی دیا ہے۔

۳۔اور اس طرح میت کے تینوں غسل مکمل ہونے کے بعد اسے چھونے سے بھی غسل واجب نہ ہوگا۔

۴۔ اور جس عضو کو چھوا جارہا ہو اگر اس کے تینوں غسل مکمل ہوں (جب کہ تمام بدن کا تیسرا غسل مکمل نہ ہوا ہو تو) اس میں دو قول ہیں؛ مصنف نے غسل کے واجب نہ ہونے کا فتوی دیا ہے (اور کہا؛ اگر اس عضو کا تیسرا غسل مکمل ہو چکا تو اس کو چھونے سے غسل واجب نہ ہوگا)۔

۵۔ اور میت کے حکم میں اس کا وہ جزء بھی ہے جو ہڈی پر مشتمل ہو [2] اور وہ عضو بھی جو زندہ سے جدا ہوا ہو اور مصنف کے نزدیک صرف ہڈی کو چھونے سے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے اور

---

[1]۔ نجاسات میں بیان ہو چکا کہ خون جہندہ رکھنے والے ہر حیوان کا مردار نجس ہے اگرچہ وہ انسان ہو لیکن انسان کی میت کے ٹھنڈے ہونے سے پہلے کیا اس کو چھونے سے ہاتھ کو دھونا واجب ہوگا یا نہیں؟ شیخ طوسی و علامہ حلی روح نکلنے سے اس کی نجاست کے قائل ہوئے ہیں اور صحیح حلبی کا وسیع مفہوم بھی اسی پر دلالت کرتا ہے امام صادقؑ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کا کپڑا میت کے جسم سے لگ جائے؟آپ نے فرمایا؛ تو کپڑے کا جو حصہ لگا اسے دھو دے (وسائل باب ۳۴ ابواب نجاسات ۲) اور اکثر علماء نے کہا؛ غسل واجب نہیں ہوگا استصحاب عدم کیا ہے اور اس لیے بھی کہ ٹھنڈا ہونے سے پہلے موت ثابت ہو اور غسل مسّ میت اور مسّ ہونے والے عضو کو دھونے کے درمیان ملازمہ ہے کہ غسل مسّ کا وجوب تو ٹھنڈا ہونے کے بعد ہوتا ہے اسی طرح عضو کا دھونا بھی ہے اور صحیح ابراہیم بن میمون میں ہے میں نے امام صادقؑ سے سوال کیا اس شخص کے بارے میں جس کا کپڑا میت کے جسم سے چھو جائے؟ فرمایا؛ اگر اس کو غسل دے دیا تو کپڑے کا جو حصہ چھوا اس کو دھونا واجب نہیں اور اگر غسل نہ دیا ہوا تو جو کپڑے کا حصہ لگا ہو اسکو دھوئے یعنی جب میت ڈھنڈا ہو چکا ہو (وسائل حوالہ سابقہ، ح۱)

[2]۔ میت سے جدا ہونے والے عضو جس میں ہڈی ہو اس کو چھونے سے مشہور کے نزدیک یہ ہے کہ غسل واجب ہوتا ہے لیکن اس کی دلیل ایوب بن نوح کی مرسلہ روایت ہے امام صادقؑ نے فرمایا جب کسی شخص کا کوئی عضو کٹ جائے تو وہ مردار ہے اور جب اس کو کوئی انسان مسّ کرے تو جس عضو میں ہڈی ہو تو اس کو مس کرنے والے پر غسل واجب ہے اور اگر ہڈی نہ

اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہڈی کے ہونے یا نہ ہونے سے عضو کے واجب ہونے یا نہ ہونے کو بیان کیا گیا(تو اس سے خود ہڈی چھونے سے بھی غسل واجب ہو گا) لیکن یہ بات ضعیف ہے۔

۶۔اور غسل مسّ میت میں اس سے پہلے یا بعد میں وضو کرنا بھی ضروری ہے جیسا کہ غسل جنابت کے علاوہ زندہ انسان کے دیگر غسلوں کا حکم ہے[1]۔

ہو تو غسل نہیں ہے (وسائل باب ۲ ابواب غسل مس میت ح۱) اگرچہ یہ روایت زندء کے بارے میں ہے لیکن مردہ کے لیے یہ حکم بدرجہ اولی ثابت کیا گیا لیکن محقق حلی نے معتبر میں اور صاحب مدارک نے اس حکم میں توقف کیا کیونکہ اس روایت کی سند ہی معتبر نہیں تو اس سے اس حکم کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے اور یہی قول اقوی ہے کیونکہ جب سند معتبر نہ ہو تو اس کو شارع کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی اس سے معلوم ہوا کہ صرف ہڈی کو چھونے سے غسل کے واجب ہونے کی بحث بھی اس روایت کی سند معتبر ہونے یا نہ ہونے پر موقوف ہے جب یہ معتبر نہیں تو ہڈی چھونے سے غسل واجب نہ ہو گا اگرچہ شہید اول و مسالک شہید ثانی اور ایک جماعت نے غسل کو سابقہ حکم سے فرع نکالا ہے لیکن علامہ حلی تذکرہ و منتہی میں غسل واجب نہ ہونے کے قائل ہیں کیونکہ اولا تو اس روایت کی سند صحیح نہیں اور پھر اگر وہ معتبر ہو بھی تو صرف ہڈی اس میں شامل نہیں

[1]۔اس کی بحث پہلے غسل نفاس کے آخر میں گزر چکی ہے پس اس کی طرف رجوع کریں۔

مردگان کے احکام

۱۔ احتضار کا معنی

(الْقَوْلُ فِی أَحْكَامِ الْأَمْوَاتِ-وَ هِیَ خَمْسَةٌ) الْأَوَّلُ-(الاحْتِضَارُ) وَهُوَ السَّوْقُ،أَعَانَنَا اللَّهُ عَلَيْه، وَثَبَّتَنَا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ لَدَيْهِ سُمِّيَ بِهِ لِحُضُورِ الْمَوْتِ أَوْ الْمَلَائِكَةِ الْمُوَكَّلَةِ بِهِ، أَوْ إِخْوَانِهِ وَأَهْلِهِ عِنْدَهُ.

مردگان کے احکام کی بحث ہے[1] اور وہ پانچ احکام ہیں ان میں سے پہلا احتضار ہے اور وہ روح کا نکلنا ہے خدا ہمیں اس وقت مدد فرمائے اور ہمیں اپنے کلمہ پر ثابت رکھے اور اسے احتضار کا نام دینے کی چند وجہیں ہیں[1]:

---

[1]۔ یہاں سابقہ بحثوں کی ترتیب سے غسل میت کو بیان کرنا مقصود تھا لیکن احتضار وغیرہ ابحاث مناسبت سے ذکر کی گئی ہیں پھر محتضر کے بارے میں دو قسم کے امور ہیں ایک خود مرنے والے سے متعلق ہیں اور دوسرے وہ جو وہاں حاضرین سے متعلق ہیں تو شہیدین نے یہاں دوسروں سے متعلق احکام کو ذکر کیا ہے لیکن خود اس مرنے والے کے احکام کو ذکر نہیں کیا ان میں سے یہ ہیں:

۱۔ مرنے والے پر واجب ہے کہ توبہ کرے ویسے توبہ کا وجوب ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کا حکم دیا گیا تم سب خدا کے دربار میں توبہ کرے اے مومنو! تاکہ تم فلاح اور کامیابی پاو (سورہ نور ۳۱)، اور روایات میں ہے کہ توبہ کا معنی یہ ہے کہ دل سے ندامت اور پشیمانی کرے اور جیسا ابن ابی عمیر نے علی احمسی کے واسطے سے امام باقرؑ سے نقل کیا کفی بالندم توبۃ؛ توبہ کے لیے پشیمانی کافی ہے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم و ارادہ کرنا بھی لازم ہے۔

۲۔ موت کی نشانیاں ظاہر ہونے کے ساتھ واجب ہے کہ لوگوں کے واجب حقوق کو ادا کرلے اور امانتیں لوٹادے۔

۳۔ اپنے واجبات جیسے نماز، روزے اور حج وغیرہ کی وصیت کرے جب اس کے پاس مال ہو اور وصیت کرنے کے مفصل احکام کتاب وصیت میں آئیں گے۔

۴۔مریض کے لیے مستحب ہے کہ ہر حال میں خدا کا حمد و شکر بجالائے اور ہر گز ناامید نہ ہو اور نہ شکوہ کرے کیونکہ روایات معصومین میں اس چیز کو بیان کیا گیا ہے کہ مرض کی حالت میں بھی انسان کو بہت زیادہ اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے گناہ جھڑتے ہیں اور انسان کو یاد خدا کا وقت ملتا ہے۔

۵۔مریض کو چاہیے کہ اپنی مرض کو سوائے مومنین کے کسی کے سامنے ظاہر نہ کرے اور نہ اس کا شکوہ کرے اور مومنین کو بتانے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اس کی عیادت کریں اور ثواب میں شریک ہو جائیں اور دیگر کئی آداب ہیں جنہیں محدثین نے کتب حدیث میں جمع کیا ہے دیکھئے؛ وسائل الشیعہ، ابواب احتضار۔

[1]۔ان وجوہات میں بہتر یہ تھا کہ اس وجہ کو ذکر کیا جاتا جو کثیر روایات سے ثابت ہے کہ اسے احتضار اس لیے کہا جاتا ہے کہ معصومینؑ میں سے بعض ہستیاں اپنے اجسام مثالی کے ساتھ تشریف لاتی ہیں اور یہ کوئی معمولی اور خود ساختہ بات نہیں بلکہ اس پر علامہ مجلسی جیسے حدیث شناس عالم جلیل القدر نے بحار میں ابواب موت کے باب ۷ میں ۵۶ روایات ذکر کی ہیں ان کی اسناد کی تحقیق ہم نے تائید المعیار میں ذکر کی ہے ان کا ایک خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے ان میں سے ۲۰ روایات دلالت کرتی ہیں کہ مرنے والا بعض اہل بیتؑ کی زیارت کرتا ہے اور ۱۸ میں ہے کہ امام علیؑ کو دیکھتا ہے اور ۱۵ میں ہے نبی اکرم ﷺ کو دیکھتا ہے اور ۶ میں ہے کہ امام حسینؑ کو دیکھتا ہے اور ۵ میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہراءؑ کی زیارت ہوتی ہے اور بعض میں ہے کہ ائمہؑ کی زیارت ہوتی ہے پھر ان روایات میں سے بعض میں ہے کہ مرنے والا ان کو دیکھتا ہے اور پانچ میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ یا امام یا ائمہؑ اس کے پاس تشریف لاتے ہیں اور ایک میں ہے مجھے وہ پائے گا اور ایک میں ہے کہ تو مجھے پہچانے گا اور دو میں ہے کہ جسم مثال پیش ہوتا ہے اور ان روایات کو بہت سے شیعہ کتب اور مدارک سے جمع کیا گیا ہے تو ان سب روایات کا کذب ہونا بہت بعید ہے؛ : الاربعمائۃ قال أمير المؤمنين عليه السلام: تمسكوا بما أمركم الله به، فما بين أحدكم وبين أن يغتبط ويرى ما يحب إلا أن يحضره رسول الله صلى الله عليه واله، وما عند الله خير وأبقى، وتأتيه البشارة من الله عزوجل فتقر عينه ويحب لقاء الله. "ص ۱۵۷"، امام علی سے منقول ہے کہ اس چیز سے دامن تھامے رہو جس کا خدا نے حکم دیا ہے کہ تمہارے اور تمہاری پسندیدہ جگہ جنت جانے کے درمیان نہیں ہے مگر یہ نبی اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لائیں اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے اور اس وقت خدا کی طرف سے بشارت آئے گی تو اس کی آنکھیں خنک ہو جائیں اور وہ چاہے گا کہ خدا کی ملاقات کرے؛ ع: ابی، عن سعد، عن ابراہیم بن مہزیار، عن اخیہ علی، عن فضالۃ، عن معاویۃ بن وہب، عن یحییٰ بن سابور قال: سمعت أباعبد الله عليه السلام يقول في الميت تدمع عينه عند الموت فقال: ذلک عند معاينة رسول الله صلى الله عليه واله يرى ما يسره، قال: ثم قال: أما ترى الرجل إذا يرى ما يسره فتدمع عينه ويضحک ؟. "ص ۱۱۰" كا: محمد بن یحییٰ، عن احمد بن محمد، عن علی بن الحکم، عن معاویۃ بن وہب مثلہ . " ف ج ۱ ص ۳۶ " ین: فضالۃ مثلہ . مع: ابن

۱۔اس لیے کہ موت اس وقت حاضر ہوتی ہے۔
۲۔اس وقت وہ فرشتے حاضر ہوتے ہیں جنہیں موت اور روح قبض کرنے کا کام سپرد کیا گیا ہے۔
۳۔ یا اس لیے کہ اس وقت اس کے پاس اس کے بھائی اور گھر والے حاضر ہوتے ہیں۔

احتضار کا واجب حکم قبلہ رو کرنا

(وَيَجِبُ)كِفَايَةً (تَوْجِيهُهُ) أَيْ الْمُحْتَضَرُ الْمَدْلُولِ عَلَيْهِ بِالْمَصْدَرِ (إلَى الْقِبْلَةِ) فِي الْمَشْهُورِ بِأَنْ يُجْعَلَ عَلَى ظَهْرِهِ، وَيُجْعَلَ بَاطِنُ قَدَمَيْهِ إلَيْهَا (بِحَيْثُ لَوْ جَلَسَ اسْتَقْبَلَ) وَلَا فَرْقَ فِي ذَلِكَ بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَلَا يَخْتَصُّ الْوُجُوبُ بِوَلِيِّهِ، بَلْ بِمَنْ عَلِمَ بِاحْتِضَارِهِ وَإِنْ تُؤُكِّدَ فِيهِ وَفِي الْحَاضِرِينَ.اور دوسروں پر واجب کفائی ہے کہ اس شخص کو جس کی روح قبض ہونے والی ہے قبلہ رو کریں اور یہ مشہور قول ہے یعنی اسے پشت پر لٹا دیا جائے اور اس کے قدموں کے تلوے قبلہ کی طرف کر دیئے جائیں اس طرح کہ اگر وہ اٹھ بیٹھے تو وہ قبلہ رو ہو اس میں فرق نہیں کہ وہ مرنے والا چھوٹا ہو

الولید، عن الصفار، عن ابن معروف، عن علی بن مہزیار، عن فضالۃ مثلہ " ص ۷۰ " (بحار ج۶ ص ۱۸۲)؛ یحییٰ بن سابور کا بیان ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے سنا فرمایا مرتے وقت وہ اس لیے روتا ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو دیکھتا ہے اور وہ حالت دیکھتا ہے جو اسے پسند ہوتی ہے پھر فرمایا کیا تم نے لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جب وہ ایسی چیز کو دیکھتے ہیں جس سے انہیں شدید خوشی ہوتی ہے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور وہ مسکرانے لگتے ہیں۔

[1]۔ مشہور یہی ہے کہ مرنے والے کو اس طرح قبلہ رو کرنا واجب ہے اور اس پر کچھ روایات دلالت کرتی ہیں لیکن سید مرتضی، شیخ طوسی نے خلاف و نہایہ میں اور محقق حلی نے معتبر میں اور متاخرین کی ایک جماعت نے اس کام کو مستحب قرار دیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کام کو واجب کرنے والی روایات کی سند ضعیف ہے جیسا کہ معتبر میں کہا؛ اہل بیتؑ سے اس مطلب میں منقول روایات کی سند ضعیف ہے ان سے وجوب کو ثابت نہیں کیا جا سکتا تو چاہیے کہ اس کے متعلق روایات کی سند کی تحقیق کی جائے تو یہ روایات وسائل باب ۳۵ ابواب احتضار میں جمع کی گئی ہیں ؛ان میں پہلی روایت صحیح اور معتبر ہے ؛محمد بن الحسن باسنادہ عن محمد بن علی بن محبوب، عن العباس بن معروف، عن عبداللہ بن المغیرۃ، عن ذریح، عن ابی عبداللہ

(علیہ السلام)-فی حدیث-قال : وإذا وجهت الميت للقبلة فاستقبل بوجهه القبلة ، لا تجعله معترضاً كما يجعل الناس ، فإني رأيت أصحابنا يفعلون ذلک ، وقد كان أبو بصير يامر بالاعتراض ، أخبرني بذلک علی بن أبی حمزة ، فإذا مات الميت فخذ فی جهازه وعجله[التہذیب۱ : ۴۶۵ح ۱۵۲۱].امام صادقؑ نے ایک حدیث کے ضمن میں فرمایا؛جب مرنے والے کو قبلہ رو کرو تو اس کے منہ کو قبلہ کی طرف کرو اور اسے اس طرح عرض مین نہ لٹاو جس طرح دوسرے لوگ لٹاتے ہیں کیونکہ میں نے اپنے بعض اصحاب کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور ابو بصیر بھی ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے جیسا کہ علی بن ابی حمزہ نے مجھے بتایا پس جب اس کی موت ہو جائے تو پھر اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں جلدی کرو۔ دوسری حدیث بھی معتبر اور حسنہ ہے؛ محمد بن یعقوب، عن علی بن إبراہیم، عن ابیہ، عن ابن ابی عمیر، عن ہشام بن سالم، عن سلیمان بن خالد قال : سمعت أبا عبدالله (عليه السلام) يقول : إذا مات لاحدكم ميت فسجوه تجاه القبلة ، وكذلک إذا غسل يحفر له موضع المغتسل تجاه القبلة ، فيكون مستقبل باطن قدميه ووجهه إلى القبلة.ورواه الصدوق مرسلا إلى قوله : تجاه القبلة،ورواه الشيخ بإسناده عن ابن أبي عمير ، مثله إلى اخره[الکافی ۳ : ۱۲۷ح ۳ والتہذیب۱ : ۲۸۶ح ۸۳۵، الفقیہ۱ : ۱۲۳ح ۵۹۱. تہذیب۱ : ۲۹۸ح ۸۷۲.]؛سلیمان بن خالد ثقہ کا بیان ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے سنا فرمایا؛جب تمہارا کوئی شخص مرے تو اسے روبقبلہ کرو اور اس پر کپڑا ڈال دو اور جب اسے غسل دینے لگو تو اس کے لیے روبقبلہ گڑھا کھود و تاکہ جب (اسے غسل کے لیے لٹایا جائے تو اس کا منہ اور تلوے قبکہ کی جانب ہوں)۔

اور تیسری روایت بھی معتبر ہے اور وہ ابن ابی عمیر نے ابراہیم شعیری اور دیگر کئی راویوں سے نقل کی تو اگرچہ اس ابراہیم شعیری کی وثاقت ثابت نہیں لیکن اس کے ساتھ دیگر بہت سے راویوں کا ہونا اس کے معتبر ہونے کے لیے کافی ہے کیونکہ ان سب کا جھوٹ پہ اجتماع کرنا عادۃ محال ہے پھر اگر یہ روایت نہ بھی دیگر روایات تو ہیں؛بہر حال اس روایت میں ہے؛ محمد بن یعقوب، عن علی بن إبراہیم، عن ابیہ، عن ابن ابی عمیر، عن إبراہیم الشعیری وغیر واحد، عن ابی عبداللہ (علیہ السلام)، فی توجيه الميت ، قال : تستقبل بوجهه القبلة ، وتجعل قدميه مما يلی القبلة.[الکافی ۳ : ۱۲۶ح ۱، والتہذیب۱ : ۲۸۵ح ۸۳۳.]؛امام صادقؑ نے مرنے والے کو روبقبلہ کرنے کے متعلق فرمایا؛اس کا منہ قبلہ کی طرف کرو کہ اس کے پاوں قبلہ کی طرف ہوں۔ چوتھی روایت بھی معتبر ہے کیونکہ اس میں حسن بن محمد بن سماعہ ثقہ مراد ہے اور محمد بن ابی حمزہ ثمالی کی بھی کشی نے توثیق نقل کی ہے اور حمید و معاویہ بن عمار کی وثاقت تو اس پر تمام علماء رجال کا اتفاق ہے : محمد بن یعقوب، عن حمید بن زیاد، عن الحسن بن محمد، عن محمد بن ابی حمزۃ، عن معاویۃ بن عمار قال : سألت أبا عبدالله (عليه السلام) عن الميت ؟ فقال : استقبل بباطن قدميه القبلة.ورواه الشیخ باسنادہ عن محمد بن یعقوب[الکافی ۳

یا بڑا اور یہ وجوب اس کے ولی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ جسے بھی معلوم ہو کہ وہ شخص مر رہا ہے اس پر واجب ہے اگرچہ اس کے ولی اور جو لوگ وہاں حاضر ہوں ان پر اس واجب کی تاکید کی گئی ہے۔

احتضار کے مستحبات

(وَيُسْتَحَبُّ نَقْلُهُ إِلَى مُصَلَّاهُ) وَهُوَ مَا كَانَ أَعَدَّهُ لِلصَّلَاةِ فِيهِ أَوْ عَلَيْهِ، إِنْ تَعَسَّرَ عَلَيْهِ الْمَوْتُ وَاشْتَدَّ بِهِ النَّزْعُ كَمَا وَرَدَ بِهِ النَّصُّ، وَقَيَّدَهُ بِهِ الْمُصَنِّفُ فِي غَيْرِهِ (وَتَلْقِينُهُ الشَّهَادَتَيْنِ وَالْإِقْرَارَ بِالْأَئِمَّةِ عَلَيْهِمْ السَّلَامُ) وَالْمُرَادُ بِالتَّلْقِينِ التَّفْهِيمُ، يُقَالُ،" غُلَامٌ لَقِنٌ " أَيْ سَرِيعُ الْفَهْمِ فَيُعْتَبَرُ إِفْهَامُهُ ذَلِكَ، وَيَنْبَغِي لِلْمَرِيضِ مُتَابَعَتُهُ بِاللِّسَانِ وَالْقَلْبِ، فَإِنْ تَعَذَّرَ اللِّسَانُ اقْتَصَرَ عَلَى الْقَلْبِ.(وَكَلِمَاتِ الْفَرَجِ) وَهِيَ،" لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ" إِلَى قَوْلِهِ " وَسَلَامٌ عَلَى

: ۷ ۱۲اح ۲. التہذیب ا : ۲۸۵ ح ۸۳۴ .]، معاویہ بن عمار کا بیان ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے مرنے والے کے بارے میں سوال کیا؟ فرمایا اس کے پاوں کے تلوے قبلہ کی طرف کر دو۔

اب ان چار روایات کی سند صحیح اور معتبر اور شفاف ہے تو اس کے متعلق اولا یہ کہنا کہ اس کی روایات ضعیف السند ہیں ان ماہرین فن رجال و حدیث سے بعید ہے اور ثانیا یہ کام کو بعض مومنین اس لیے عجیب و غریب سمجھتے ہیں کہ اس سے قبلہ کی طرف تلوے کرنے کا حکم ہے اور جب یہ فتوی انہیں معصومین کی روایات کے بغیر پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس کے خلاف بعض اوقات ڈٹ جاتے ہیں تو اس کا حل یہ ہے کہ انہیں معصومینؑ کی روایات ذکر کی جائیں، مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک مومن اس فتوے کے خلاف فخر سے باتیں کر رہا اور کہہ رہا تھا کہ میں نے فلاں عالم سے کہا کہ یہ بات قرآن سے دکھاو تو مانوں گا جب اسے یہ توضیح دی گئی کہ نبی اکرم ﷺ تو اپنے بعد قرآن کے ساتھ اہل بیت کو چھوڑ کر گئے ہیں اور اہل بیتؑ سے یہ بات ثابت ہے تو وہ بہت نادم ہوا اور کہنے لگا مجھے اس نہج سے سوچنا چاہیے تھا اور اسے یہ بھی باور ہو گیا کہ فقط قرآن کو کافی کہنے کا دعوی صحیح نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا قبلہ رو ہونا اسی طرح ہے اس کو تو قبول کرتے ہیں لیکن جب اس مسئلہ کو دیکھتے ہیں تو مذہب اہلؑ بیت پر اعتراض کرنے لگتے ہیں ،الغرض یہ حکم شرعی اہل بیت اطہارؑ سے معتبر اسناد کے ساتھ ثابت ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّه رَبِّ الْعَالَمِينَ ".وَيَنْبَغِی أَنْ يَجْعَلَ خَاتِمَةَ تَلْقِينه" لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ"، فَمَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامه " لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ " دَخَلَ الْجَنَّةَ (وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ عِنْدَهُ) قَبْلَ خُرُوجِ رُوحه وبَعْدَهُ لِلْبَرَكَة، وَالِاسْتِدْفَاعِ خُصُوصًا يس وَالصَّافَّات قَبْلَهُ لِتَعْجِيلِ رَاحَتِه .(وَالْمِصْبَاحُ إنْ مَاتَ لَيْلًا) فِی الْمَشْهُورِ، وَلَا شَاهِدَ لَهُ بِخُصُوصِه، وَرُوِیَ ضَعِيفًا دَوَامُ الْإِسْرَاجِ .(وَلْتُغْمَضْ عَيْنَاهُ) بَعْدَ مَوْته مُعَجَّلًا، لِئَلَّا يَقْبُحَ مَنْظَرُهُ.(وَيُطَبَّقُ فُوهُ) كَذَلِک، وَكَذَا يُسْتَحَبُّ شَدُّ لَحْيَيْه بِعِصَابَة لِئَلَّا يَسْتَرْخِیَ(وَتُمَدُّ، يَدَاهُ إلَی جَنْبَيْه) وَسَاقَاهُ إنْ كَانَتَا مُنْقَبِضَتَيْنِ، لِيَكُونَ أَطْوَعَ لِلْغُسْلِ وَأَسْهَلَ لِلدَّرْجِ فِی الْكَفَنِ.(وَيُغَطَّی بِثَوْبٍ) لِلتَّأَسِّی، وَلِمَا فِيه مِنْ السَّتْرِ وَالصِّيَانَة .(وَيُعَجَّلُ تَجْهِيزُهُ) فَإِنَّهُ مِنْ إكْرَامه (إلَّا مَعَ الِاشْتِبَاه) فَلَا يَجُوزُ التَّعْجِيلُ فَضْلًا عَنْ رُجْحَانه (فَيُصْبَرُ عَلَيْه ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ) إلَّا أَنْ يُعْلَمَ قَبْلَهَا لِتَغَيُّرٍ وَغَيْره مِنْ أَمَارَاتِ الْمَوْت، كَانْخِسَافِ صُدْغَيْه وَمَيْلِ أَنْفه، وَامْتِدَادِ جِلْدَة وَجْهه، وَانْخِلَاعِ كَفِّه مِنْ ذِرَاعِه، وَاسْتِرْخَاءِ قَدَمَيْه، وَتَقَلُّصِ أُنْثَيَيْه إلَی فَوْقٍ مَعَ تَدَلِّی الْجِلْدَة.

مرنے والے کے لیے چند مستحبات ہیں جو درج ذیل ہیں :

ا۔ مستحب ہے کہ اسے اس کی نماز پڑھنے کی جگہ لے جایا جائے اور وہ جگہ ہے جسے اس نے نماز پڑھنے کے لیے آمادہ کیا ہو چاہے اس میں نماز پڑھے یا اس پر نماز پڑھے (جیسے جائے نماز) اگر اس کی موت سخت ہو جائے اور جان کنی کی حالت اس کے لیے مشکل ہو جائے جیسا کہ صرتح

روایت میں اس کو بیان کیا گیا ہے[۱] اور مصنف نے دیگر کتابوں میں اس قید کو ذکر کیا ہے (کہ نماز کی جگہ اس وقت لے جانا مستحب ہے جب اس کی جان کنی مشکل ہو جائے)۔

۲۔اسے شہادتین (توحید خدا تعالی اور رسالت نبی اکرم ﷺ) اور ائمہ معصومینؑ کے اقرار کی تلقین کی جائے[۲] اور تلقین سے مراد اس کو اچھی طرح سمجھانا ہے جیسے عربی زبان میں کہا جاتا ہے؛ غُلامٌ لَقِنٌ؛ وہ بڑا سمجھ دار جوان ہے تو مرنے والے کو بھی سمجھانا مراد ہے اور چاہیے کہ مریض بھی اس زبان اور دل کے ساتھ ان کلمات کی پیروی کرے اور اگر زبان سے مشکل ہو تو صرف دل سے پیروی کرے۔

۳۔کلمات فرج اور کشائش کی تلقین مستحب ہے اور وہ درج ذیل دعا ہے: لَا إلَهَ إلَّا اللّٰهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ" إلَى قَوْلِه " وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ للّٰه رَبِّ الْعَالَمِينَ[۳]، اور سزاوار ہے کہ اس کی تلقین کا خاتمہ کلمہ توحید قرار دے کیونکہ جس شخص کا خاتمہ کلمہ توحید پر ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

---

[۱]۔ صحیح عبداللہ بن سنان میں امام صادقؑ سے منقول ہے؛ جب میت پر موت مشکل ہو جائے تو اسے اس کے مصلے کے پاس لے جائیں جس میں وہ نماز پڑھتی تھی (وسائل باب ۴۰ ابواب احتضار ح۱) لیکن اس سے ہر صورت میں جائے نماز کے پاس لے جانے کو مستحب قرار دینا صحیح نہیں ہے جیسا کہ محقق حلی اور علامہ حلی نے کہا۔

[۲]۔ روایات میں اس کو بیان کیا گیا ہے جیسے صحیح حلبی میں امام صادقؑ سے منقول ہے: جب موت سے پہلے میت کے پاس حاضر ہو تو اسے توحید و رسالت کی گواہی کی تلقین کرو (وسائل باب ۳۶ ابواب احتضار ح۱)۔

[۳]۔ جیسا کہ زراہ اور حلبی صحیح روایات میں منقول ہے؛ محمد بن يعقوب، عن علي بن إبراهيم، عن أبيه، عن حماد بن عيسى، عن حريز، عن زرارة، عن أبي جعفر (عليه السلام) قال: إذا أدركت الرجل عند النزع فلقنه كلمات الفرج: لا إله إلا الله الحليم الكريم، لا إله إلا الله العلى العظيم، سبحان الله رب السماوات السبع ورب الأرضين السبع، وما فيهن وما بينهن، ورب العرش العظيم، والحمد لله رب العالمين، الحديث [کافی ۳: ۱۲۲ ح ۳، تہذیب ا ص ۲۸۸ ح ۸۳۹، وسائل باب ۳۰ ح ۱ ابواب احتضار، اور کافی، فقیہ و رجال کشی سے وسائل میں ابواب احتضار ح ۱

۴۔اس کے پاس روح نکلنے سے پہلے اور بعد میں قرآن کریم کی تلاوت کرنی چاہیے ایک تو اس کی برکت ہے اور دوسرا اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے گمراہ کرنے والے شیطان دور ہوتے ہیں خصوصا روح نکلنے سے پہلے سورہ یس اور صافات کی تلاوت کی جائے تا کہ اس کی روح آسانی سے نکلے۔

۵۔اگر وہ رات کو مرے تو اس کے پاس چراغ جلا دیا جائے یہ مشہور ہے لیکن اس پر خصوصی کوئی دلیل نہیں ہے[1]، اور ضعیف روایت میں ہے کہ ہمیشہ اس جگہ چراغ جلانا چاہیے۔

باب ۷۳ میں بھی نقل کیا ہے]. امام باقرؑ کا فرمان ہے کہ جب تو کسی شخص کے پاس جان کنی کے وقت حاضر ہو تو اسے کلمات فرج کی تلقین کروا اور وہ یہ ہیں۔۔۔الخ

وعن علی بن إبراهيم، عن أبيه، عن ابن إبي عمير، عن حماد، عن الحلبی،عن أبی عبدالله (علیه السلام) ، أن رسول الله (صلى الله عليه وآله) دخل على رجل من بنى هاشم وهو يقضى ، فقال له رسول الله (صلى الله عليه وآله) : قل : لا إله إلا الله العلى العظيم ، لا إله إلا الله الحليم الكريم ، سبحان الله رب السماوات السبع ورب الأرضين السبع ، وما بينهن وما تحتهن ، ورب العرش العظيم ، والحمد لله رب العالمين ، فقالها : فقال رسول الله(صلى الله عليه وآله): الحمد لله الذى استنقذه من النار. ورواه الصدوق مرسلا ، نحوه، وزاد : وهذه الكلمات هى كلمات الفرج . [الکافی ۳: ۱۲۴ح ۹،الفقیہ ۱: ۷۷ح ۳۴۶]

امام صادقؑ کا فرمان ہے کہ نبی اکرم ﷺ بنی ہاشم کے ایک شخص کے پاس تشریف لائے جو جان کنی کی حالت میں تھا تو آپ نے اسے فرمایا؛ (اور کلمات فرج تلقین فرمائے)، پس اس شخص نے وہ کلمات دہرائے جس پر نبی اکرم نے فرمایا سب تعریف اس خدا کی ہے جس نے اسے دوزخ سے چھڑا لیا ہے۔ یعنی ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کلمات کا کسی کو نصیب ہونا بھی خدا کی توفیق اور اس کا لطف خاص ہے ،اس لیے اس کلمات کو سیکھنے پر توجہ دینی چاہیے۔

[1]۔اس پر عثمان بن عیسی کی ہمارے شیعہ راویوں کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ جب امام باقرؑ کی وفات ہوئی تو امام صادق نے اس گھر میں چراغ جلانے کا حکم دیا جہاں آپ رہتے تھے اور جب امام صادقؑ کی وفات ہوئی تو امام کاظمؑ نے بھی امام صادقؑ کے گھر میں چراغ جلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ آپ کو عراق لے جایا گیا تو معلوم نہیں کہ کیا ہوا؟ محقق ثانی نے اس میں یہ اشکال کیا کہ یہ حدیث اس کے عمومی طور پر مستحب ہونے پر دلالت نہیں کرتی تو اس حکم کا مشہور ہونا نچ جاتا ہے اور سنتوں کی دلیلوں میں تسامح سے اس حکم کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ مرنے کے بعد جلدی سے اس کی آنکھیں بند کر دی جائے تا کہ اس کا منظر بد نہ ہو اور اس کا منہ بند بھی اسی طرح بند کر دیا۔

۷۔ اور اسی طرح مستحب ہے کہ کسی پٹی سے اس کی ریش کو کھینچ دیا جائے تا کہ وہ ڈھیلی نہ ہو۔

۸۔ اور اس کے دونوں ہاتھوں کو اس کے دونوں پہلوں کی طرف کھینچ دیا جائے اور اس کی ٹانگوں کو بھی سیدھا کر دیا جائے اگر وہ سمٹی ہوئی ہوں، تا کہ اسے آسانی سے غسل دیا جائے اور کفن میں رکھنا آسان ہو۔

۹۔ اور اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا جائے کہ اسی میں پیروی ہے اور اس میں اس کی پردہ پوشی اور حفاظت اور نگہداری ہے۔

۱۰۔ اور اس کی تجہیز اور تکفین میں جلدی کی جائے کیونکہ اس میں اس کے احترام کا لحاظ ہے [1] اگر اس کی موت مشتبہ ہو تو اس وقت جلدی کرنا جائز نہیں ہے چاہے کہ جلدی کرنا ترجیح رکھتا ہو تو اس صورت میں تین دن صبر کیا جائے مگر اس سے پہلے اس میں تبدیلی وغیرہ موت کے علامات ظاہر ہو جائیں اور معلوم ہو جائے کہ وہ مر چکا ہے جیسے اس کے اس کی کنپٹیاں دھنس جائیں اور اس کی ناک ٹیڑھی ہو جائے اور اس کی چہرے کی جلد ڈھیلی ہو جائے اور اس کی ہتھیلی اس کے بازو سے جدا ہو جائے اور اس کے پاوں ڈھیلے ہو جائیں اور اس کے خصیے اوپر کو سکڑ جائیں اور جلد ڈھیلی رہے اور اسی طرح دیگر علامات [2]۔

---

[1]۔ فقیہ میں مرسلہ روایت میں ہے کہ میت کی کرامت یہ ہے کہ اس کی تجہیز میں جلدی کی جائے اور جابر نے امام باقرؑ سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں کسی ایسے شخص کو نہ ملوں جس کا کوئی آدمی رات کو مرے اور وہ صبح کا انتظار کرے یا دن کو مرے اور وہ رات کا انتظار کرے پس اپنے مرنے والوں کا طلوع آفتاب یا غروب تک انتظار نہ کرے بلکہ جلدی ان کو ان کی قبروں میں پہنچاو، اللہ تم پر رحم کرے لوگوں نے عرض کی اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خدا تعالی آپ پر بھی رحم فرمائے (وسائل باب ۷ح۱ ابواب احتضار اس روایت کی سند میں عمرو بن شمر ضعیف ہے اور دیگر چند غیر معتبر روایات بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان کی کثرت سے اس کا راجح ہونا ثابت ہوتا ہے)

[2]۔ جیسے نبض بند ہو جائے اور سانس رک جائے اور آنکھوں کا نور چلا جائے۔

احتضار کے مکروہات

(وَيُكْرَهُ حُضُورُ الْجُنُبِ وَالْحَائِضِ عِنْدَهُ) لِتَأَذِّي الْمَلَائِكَةِ بِهِمَا، وَغَايَةُ الْكَرَاهَةِ تَحَقُّقُ الْمَوْتِ، وَانْصِرَافُ الْمَلَائِكَةِ (وَطَرْحُ حَدِيدٍ عَلَى بَطْنِهِ) فِي الْمَشْهُورِ، وَلَا شَاهِدَ لَهُ مِنْ الْأَخْبَارِ، وَلَا كَرَاهَةَ فِي وَضْعِ غَيْرِهِ لِلْأَصْلِ، وَقِيلَ يُكْرَهُ أَيْضًا

.

۱۔اور جنب شخص اور حیض والی عورت کا اس کے پاس حاضر ہونا مکروہ ہے کیونکہ ان کے ذریعے ملائکہ کو اذیت ہوتی ہے[۱] اور کراہت کا وقت موت ہونے اور ملائکہ کے لوٹنے تک ہے۔

۲۔ اور مشہور قول کی بناء پر اس کے پیٹ پر لوہا رکھنا مکروہ ہے[۲] اور روایات میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور دیگر چیزیں رکھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے کیونکہ اصل قانون مکروہ نہ ہونا ہے جب تک کسی چیز کا مکروہ ہونا ثابت نہ ہو۔اور ایک قول ہے کہ دیگر چیزوں کا رکھنا بھی مکروہ ہے[۳]۔

---

[۱]۔اس مطلب پر بعض غیر معتبر روایات دلالت کرتی ہیں جنہیں وسائل باب ۴۳ ابواب احتضار میں نقل کیا اوران میں ہے کہ حیض والی عورت مریض کی تیمار داری کرسکتی ہے لیکن موت کے وقت دور ہوجائے کیونکہ اس سے فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے یہ مطلب امام صادقؑ اور کاظمؑ سے نقل ہوا لیکن جنب کے بارے میں شیخ صدوق نے ایک مرفوعہ میں علل میں اسے نقل کیا ہے۔

[۲]۔۔ شیخ طوسی نے تہذیب میں فرمایا؛ یہ بات ہم نے اپنے اساتذہ سے شفاہا سنی، اور یہ بات شیخ کی قرین قیاس بھی نظرآتی ہے کیونکہ کتب روائی میں اس پر کوئی دلیل نظر نہیں آتی لیکن علامہ حلی نے منتہی اور تذکرہ میں دیگر چیزوں کو پیٹ پر رکھنا بھی مکروہ قرار دیا ہے جو اس غیر معتبر مکروہ پر دیگر فرع نکالی ہے۔

[۳]۔بعض مسلمانوں میں زمان قدیم سے ایک حدیث چلی آرہی ہے کہ مرنے والے پر نہیں رونا چاہیے کہ اس سے میت کو عذاب ہوتا ہے، جب کسی کا کوئی عزیز مرنے لگتا ہے تو اس کے احباب اور قریبی رشتہ داروں کا رونا ایک فطری امر ہے اور اس سے اہل بیت کی احادیث میں ہرگز منع نہیں کیا گیا تو یہاں اس حدیث منع کی مختصر بررسی مناسب ہے ؛إن المیت لیعذب

ببکاء الحہ؛ میت کو زندہ کے رونے سے عذاب کیا جاتا ہے، حدیث عمر وصہیب: بخاری (۴۳۳/۱،ن۱۲۲۸) مسلم (۶۳۹/۲ ،ن۹۲۷). حدیث عمران بن حصین: إحمد (۴۳۷/۴،ن۱۹۹۳۲) نسائی (۱۷/۴ ،ن۱۸۵۴)حدیث سمرہ: طبرانی (۲۱۵/۷،ن۶۸۹۶) ہیثمی (۱۶/۳) حدیث إبی ہریرہ؛إبو یعلی (۳۰۱/۱۰ ،ن۵۸۹۵) ہیثمی (۱۶/۳)- إن المیت لیعذب ببکاء الحی فإذا قالت النائحة واعضداه وامانعاه واناصراه واکاسیاه جبذ المیت فقیل له أناصرها أنت أکاسیها أنت أعاضدها أنت؛حدیث إبی موسی؛إحمد (۴۱۴/۴،ن۱۹۷۳۱) حاکم (۵۱۱/۲،ن۳۷۵۵)،إن المیت لیعذب ببکاء إہلہ علیہ ؛حدیث ابن عمر: إحمد (۳۸۲ ،ن۴۹۵۹)، بخاری (۴۳۲/۱،ن۱۲۲۶) مسلم (۶۴۰/۲،ن۹۲۸)،إبو داود (۱۹۴/۳،ن۳۱۲۹) ترمذی (۳۲۷/۳ ،ن۱۰۰۴) نسائی (۱۷/۴،ن۱۸۵۵) . حدیث عمر؛بخاری (۴۳۲/۱ ،ن۱۲۲۶) مسلم (۶۴۱/۲ ،ن۹۲۷) ترمذی (۳۲۶/۳،ن۱۰۰۲) نسائی (۱۸/۴،ن: ۱۸۵۸) إن المیت یعذب بالنیاحة علیه فی قبره؛ حدیث عمر؛طیالسی (ص ۴،ن۱۵) بیهقی (۷۱/۴ ،ن۶۹۵۵) إن المیت یعذب فی قبره بما نیح علیه؛حدیث عمر؛إحمد (۵۰/۱ ،ن۳۵۴) مسلم (۶۳۹/۲ ،ن۹۲۷) ابن ماجہ (۵۰۸/۱ ،ن۱۵۹۳) بخاری (۴۳۴/۱ ،ن۱۲۳۰) إن المیت ینضح علیہ الحمیم ببکاء الحہ ؛حدیث إبی بکر؛إبو یعلی (۴۷/۱ ،ن۴۷) بزار (۱۳۳/۱،ن۶۴) ہیثمی (۱۶/۳) دیلمی (۲۰۰/۱،ن۷۵۵) إلا تسمعون إن اللہ لا یعذب بدمع العین ولا بحزن القلب ولکن یعذب بہذا وإشار إلی لسانہ إو یرحم وإن المیت یعذب ببکاء إہلہ علیہ ؛حدیث ابن عمر؛مسلم (۶۳۶/۲ ،ن۹۲۴) بخاری (۴۳۹/۱ ،ن۱۲۴۲) بیہقی فی شعب الإیمان (۲۴۲/۷ ،ن۱۰۱۶۵) المیت یعذب ببکاء إہلہ ؛حدیث عمر. ترمذی (۳۲۶/۳ ،ن۱۰۰۲) نسائی (۱۵/۴،ن۱۸۴۸) حدیث ابن عمر: (۳۲۷/۳ ،ن۱۰۰۴)،المیت یعذب ببکاء الحی إذا قالوا واعضداه واکاسیاه واناصراه واجبلاه ونحو هذا یُتَعْتَعُ ویقال أنت کذلک؛حدیث إبی موسی) إحمد (۴۱۴/۴،ن۱۹۷۳۱) ابن ماجہ (۵۰۸/۱،ن۱۵۹۴) بوصیری (۴۹/۲) حاکم (۵۱۱/۲،ن۳۷۵۵) رویانی (۳۴۱/۱ ،ن۵۲۱) المیت یعذب فی قبره بالنیاحة علیه؛حدیث عمر؛إحمد (۲۶/۱ ،ن۱۸۰) نسائی (۱۶/۴،ن۱۸۵۳) المیت یعذب فی قبره بما نیح علیه ؛حدیث سمرة: إحمد (۱۰/۵ ،ن۲۰۱۲۲) إبو یعلی (۱۶۲/۱ ،ن۱۷۹) رویانی (۵۸/۲ ،ن۸۳۳) حدیث عمر: إحمد (۵۰/۱ ،ن۳۵۴) بخاری (۴۳۴/۱ ،ن۱۲۳۰) مسلم (۶۳۹/۲ ،ن۹۲۷) نسائی (۱۵/۴،ن۱۸۴۸) ابن ماجہ (۵۰۸/۱،ن۱۵۹۳) . المیت ینضح علیہ الحمیم ببکاء الحہ ؛حدیث إبی بکر،بزار (۱۸۴/۱،ن۶۴) إبو یعلی (۴۷/۱ ،ن۴۷) ابن إبی حاتم فی العلل (۳۵۱/۱ ،ن۱۰۳۶)۔ یہ ہے وہ حدیث جسے محدثین کی زندگیاں نقل کرتے ہوئے گزر گئیں اور انہوں نے اپنی کتابوں کے اوراق اس سے بھر دیئے لیکن یہ کس حد تک حقیقت ہے ؟! اس کے لیے حضرت عائشہ کا یہ بیان ہی کافی ہے: فقالت : یرحم اللّه عمر, لا واللّه ما حدث رسول اللّه (ان اللّه لیعذب المؤمن ببکاء اءهله علیه) ولکنه قال : (ان اللّه یزید الکافر عذابا ببکاء

اءهله عليه) ثم قالت : حسبكم القرآن (ولا تزر وازرة وزراءخرى)(نسائی ١٨/٤ان ١٨٥٧)خدا عمر کا بھلا کرے خدا کی قسم نبی اکرم نے ہر گز ایسا نہیں فرمایا کہ اللہ تعالی مومن کو اس پر اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب کرتا ہے بلکہ آپ نے تو فرمایا تھا؛بے شک اللہ تعالی کافر کو اس پر اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب کرتا ہے، پھر حضرت عائشہ نے فرمایا؛ تمہارے لیے اس مسئلے میں قرآن کافی ہے جب فرمایا؛ کوئی نفس کسی دوسرے کے گناہوں کے بھار کو نہیں اٹھائے گا۔

عن سعید بن المسیب قال : لما توفى أبو بكر أقامت عائشة عليه النوح ، فبلغ عمر فنهاها عن النوح على أبى بكر ، فأبين أن ينتهين ، فقال لهشام بن الوليد : أخرج إلى ابنة أبى قحافة فعلاها بالدرة ضربات ، فتفرق النوائح حين سمعن ذلک ، فقال : تردن أن يعذب أبو بكر ببكائكن إن رسول الله ص؛ قال : إن الميت يعذب ببكاء أهله عليه (ابن سعد (٢٠٨/٣، کنزالعمال ٤٢٩٠٩)

جب ابو بکر کی وفات ہوئی تو حضرت عائشہ نے ان پر نوحہ کرنے والیوں کو بٹھایا جب یہ خبر عمر کو پہنچی تو انہوں نے ابو بکر پر رونے سے منع کیا تو انہوں نے رکنے سے انکار کر دیا تو عمر نے ہشام بن ولید کو کہا؛ابو قحافہ کی بیٹی کے پاس جاو،اسے ذرا درے سے مزہ چکھاو تو نوحہ کرنے والیوں نے جب یہ سنا تو پراگندہ ہو گئیں تو وہ کہنے لگے؛ یہ چاہتی ہیں کہ ان کے رونے سے ابو بکر کو عذاب دیا جائے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا؛میت کو اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب کیا جاتا ہے۔

عن سعید بن المسیب قال : لما مات أبو بكر بكى عليه فقال عمر : إن رسول الله – ص قال : إن الميت يعذب ببكاء الحى ، فأبوا إلا أن يبكوا ، فقال عمر لهشام بن الوليد : قم فأخرج النساء فقالت عائشة : أخرجک ، فقال عمر : ادخل فقد أذنت لک فدخل ، فقالت عائشة : أمخرجى أنت يا بنى فقال : أما لک فقد أذنت لک ، فجعل يخرجهن امرأة امرأة وهو يضربهن بالدرة حتى خرجت أم فروة وفرق بينهن (ابن راہویہ وہو صحیح، وعبدالرزاق) [کنزالعمال ٤٢٩١١] سعید کا بیان ہے ؛جب ابو بکر کی وفات ہوئی تو وہ اس پر رونے لگے ،تو عمر نے کہا؛رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا؛میت کو اس پر زندہ کے رونے سے عذاب کیا جاتا ہے،تو انہوں نے رونے پر اصرار کیا تو عمر نے ہشام بن ولید سے کہا؛اٹھو،ان عورتوں کو نکال دو تو عائشہ نے کہا؛ میں تمہیں نکال دوں گی، تو عمر نے کہا ؛ جاو میں نے تمہیں جانے کی اجازت دے وہ اندر گئے تو عائشہ نے کہا؛اے بیٹے ! کیا تم مجھے نکالنا چاہتے ہو؟؟اس نے کہا آپ کو یہاں رہنے کی اجازت ہے پھر دوسری عورتوں کو ایک ایک کر کے باہر نکال دیا اور انہیں درے سے مارا حتی ام فروہ کو بھی نکال دیا اور انہیں متفرق کر دیا۔

۲۔ غسل میت کے احکام

صرف مسلمان کو غسل دیناواجب ہے۔

(الثَّانی – الْغُسْلُ) (وَيَجبُ تَغْسيلُ كُلِّ) مَيِّت (مُسْلمٍ أَوْ بحُكْمه) كَالطِّفْلِ وَالْمَجْنُون الْمُتَوَلِّدَيْن منْ مُسْلمٍ، ولَقيطِ دَارِ الْإِسْلَام، أَوْ دَارِ الْكُفْر وَفيهَا مُسْلمٌ يُمْكنْ تَوَلُّدُهُ منْهُ، وَالْمَسْبِيُّ بيَد الْمُسْلمِ عَلَى الْقَوْل بتَبَعيَّته فى الْإِسْلَام، كَمَا هُوَ مُخْتَارُ الْمُصَنِّف وَإِنْ كَانَ الْمَسْبِيُّ وَلَدَ زنًا وَفى الْمُتَخَلِّق منْ مَاء الزَّانى الْمُسْلمِ نَظَرٌ منْ انْتفَاء التَّبَعيَّة شَرْعًا، وَمنْ تَوَلُّده منْهُ حَقيقَةً وَكَوْنه وَلَدًا لُغَةً فَيَتْبَعُهُ فى الْإِسْلَامِ كَمَا يَحْرُمُ نكَاحُهُ .وَيُسْتَثْنَى منْ الْمُسْلمِ مَنْ حُكمَ بكُفْره منْ الْفرَق كَالْخَارجيِّ وَالنَّاصبيِّ وَالْمُجَسِّم، وَإِنَّمَا تَرَكَ اسْتثْنَاءَهُ لخُرُوجه عَنْ الْإِسْلَامِ حَقيقَةً وَإِنْ أُطْلقَ عَلَيْه ظَاهرًا .وَيَدْخُلُ فى حُكْمِ الْمُسْلمِ الطِّفْلُ (وَلَوْ

عن یوسف بن ماہک قال : كان ابن عمر فى جنازة فقال إن الميت يعذب ببكاء الحى فقال ابن عباس إن الميت لا يعذب ببكاء الحى (ابن جریر فی تہذیبہ) [کنزالعمال ۴۲۹۰۰] ابن عمر ایک جنازے میں تھے اس نے کہا میت کو زندہ کے رونے سے عذاب ہوتا ہے تو ابن عباس نے کہا؛ ہر گز ایسا نہیں۔

بلکہ ابن عباس نے فرمایا ؛ خدا ہی ہنسانے اور رلانے والا ہے (واللّٰہ اضحک وابکی) ،یعنی یہ انسان کے اندر کے جذبات اور احساسات کا اظہار ہے جو خدا نے اس میں رکھے ہیں تو اس سے وہ میت پر کیوں عذاب کرے گا اور حضرت عائشہ نے بھی ابن عمر کے جواب میں فرمایا ؛خدا اس کا بھلا کرے ، اس نے ایک چیز سنی لیکن اس کو اچھی طرح یاد نہیں رکھا وہ تو یہودی کے جنازے کے پاس نبی پاکؐ گزرے تو اس کے لیے فرمایا تھا؛ رحم اللّه اءباعبد الرحمن , سمع شيئا فلم يحفظه , انما مرت على رسول اللّه (ص) جنازة يهودى وهم يبكون عليه فقال : (اءنتم تبكون وانه ليعذب).

سِقْطًا إِذَا كَانَ لَهُ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ) وَلَوْ كَانَ دُونَهَا لُفَّ فِي خِرْقَةٍ وَدُفِنَ بِغَيْرِ غُسْلٍ.

ہر مسلمان کے میت اور جو شخص اس کے حکم میں ہو اسے غسل دینا واجب ہے؛ جیسے مسلمانوں کے بچے اور مجنون اور اسلامی علاقوں میں ملنے والے میت یا کفرستان میں ملنے والے میت جب اس میں مسلمان بھی آباد ہوں اور ممکن ہو کہ یہ انہی سے پیدا ہوا ہو اور ایک قول کی بناء پر جس کافر کو مسلمان نے قید کیا ہو جب اس پر بناء رکھی جائے کہ وہ اسلام میں اس مسلمان کے تابع ہے جیسا کہ مصنف نے اس نظریئے کو اختیار کیا اگرچہ وہ قیدی حرام زادہ ہی ہو اور جو مسلمان زناکار کی منی سے پیدا ہوا ہو اس میں اشکال ہے کیونکہ شرعا وہ اس کے تابع نہیں ہے لیکن اس لحاظ سے کہ وہ حقیقت میں مسلمان سے پیدا ہوا ہے اور لغت کے لحاظ سے بھی اس کی اولاد شمار ہوتا ہے تو اسلام میں بھی اس کے تابع ہوگا جیسا کہ اس سے نکاح کرنا زانی کے لیے حرام ہے۔

اور مسلمانوں میں سے جدا ہیں وہ جن فرقوں کے کافر ہونے کا حکم لگایا گیا ہے جیسے خارجی وہ لوگ جو امام حق سے جنگ کرتے ہیں اور ناصبی جو لوگ اہل بیت سے علنی طور پر دشمنی کرتے ہیں اور خدا کے جسم کے قائلین اور مصنف نے انہیں جدا کرنا ترک کر دیا کیونکہ حقیقت میں وہ اسلام سے خارج ہیں اگرچہ ظاہری طور پر انہیں مسلمان کہا جاتا ہے۔

اور مسلمان کے حکم میں بچہ بھی داخل ہے اگرچہ وہ سقط ہوا ہو جب اس کے چار مہینے گزر چکے ہوں تو غسل واجب ہے اور اگر چار مہینوں سے کم کا جنین ہو تو اسے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور بغیر غسل کے دفن کر دیا جائے۔

غسل میت کی تعداد

(بِالسِّدْرِ) أَیْ بِمَاءٍ مُصَاحِبٍ لِشَیْءٍ مِنْ السِّدْرِ وَأَقَلُّهُ مَا یُطْلَقُ عَلَیْهِ اسْمُهُ، وَأَکْثَرُهُ أَنْ لَا یَخْرُجَ بِهِ الْمَاءُ عَنْ الْإِطْلَاقِ، فِی الْغَسْلَةِ الْأُولَی (ثُمَّ) بِمَاءٍ مُصَاحِبٍ لِشَیْءٍ مِنْ (الْکَافُورِ) کَذَلِکَ (ثُمَّ) یُغَسَّلُ ثَالِثًا بِالْمَاءِ (الْقَرَاحِ) وَهُوَ الْمُطْلَقُ الْخَالِصُ مِنْ الْخَلِیطِ، بِمَعْنَی کَوْنِهِ غَیْرَ مُعْتَبَرٍ فِیهِ لَا أَنَّ سَلْبَهُ عَنْهُ مُعْتَبَرٌ وَإِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ کَوْنُهُ مَاءً مُطْلَقًا .

(میت کو تین غسل دینے واجب ہیں اور وہ درج ذیل ہیں)

۱۔ پہلا غسل آب سدر سے یعنی اس پانی سے جس میں بیری کے پتے ملائے گئے ہوں اور اس کی کم ترین مقدار یہ ہے کہ اس پر یہ نام بولا جائے کہ اس میں بیری کے پتے ملے ہوئے ہیں۔اور اس کی زیادہ سے زیادہ مراد یہ ہے کہ پانی مطلق ہونے سے نکل نہ جائے (اور آب مضاف نہ بن جائے)۔

۲۔ پھر اسی طرح کافور ملے پانی سے دوسرا غسل دیں۔

۳۔ پھر اس کے بعد تیسرا غسل خالص پانی کا دیں جس میں کسی دوسری چیز کو نہ ملایا گیا ہو یعنی اس میں کسی دوسری چیز کو ملانا ضروری نہیں ہے نہ یہ کہ حتماوہ پانی ہر چیز سے صاف ہو بلکہ اتنا کافی ہے کہ وہ آب مطلق ہو اگرچہ دوسری کوئی چیز تھوڑی بہت اس میں ملی ہوئی ہو۔

غسل جنابت کا طریقہ

وَکُلٌّ وَاحِدٍ مِنْ هَذِهِ الْأَغْسَالِ (کَالْجَنَابَةِ) یُبْدَأُ بِغَسْلِ رَأْسِهِ وَرَقَبَتِهِ أَوَّلًا، ثُمَّ بِمَیَامِنِهِ، ثُمَّ مَیَاسِرِهِ، أَوْ یَغْمِسُهُ فِی الْمَاءِ دُفْعَةً وَاحِدَةً عُرْفِیَّةً، (مُقْتَرِنًا) فِی أَوَّلِهِ (بِالنِّیَّةِ) وَظَاهِرُ الْعِبَارَةِ - وَهُوَ الَّذِی صَرَّحَ بِهِ فِی غَیْرِهِ - الِاکْتِفَاءُ بِنِیَّةٍ

وَاحدَة للْأَغْسَال الثَّلَاثة، وَالْأَجْوَدُ التَّعَدُّدُ بتَعَدُّدهَا ثُمَّ إنْ اتَّحَدَ الْغَاسلُ تَوَلَّى هُوَ النِّيَّةَ، وَلَا تُجْزِي منْ غَيْره، وَإنْ تَعَدَّدَ وَاشْتَرَكُوا في الصَّبِّ نَوَوْا جَميعًا، وَلَوْ كَانَ الْبَعْضُ يَصُبُّ وَالْآخَرُ يُقَلِّبُ نَوَى الصَّابُّ لأَنَّهُ الْغَاسلُ حَقيقَةً، وَاسْتُحبَّ منْ الْآخَر.وَاكْتَفَى الْمُصَنِّفُ في الذِّكْرَى بهَا منْهُ أَيْضًا.وَلَوْ تَرَتَّبُوا بأَنْ غَسَّلَ كُلٌّ وَاحد منْهُمْ بَعْضًا- اُعْتُبرَتْ منْ كُلِّ وَاحد عنْدَ ابْتدَاء فعْله.

اور ان میں سے ہر ایک غسل کا طریقہ غسل جنابت کی طرح ہے پہلے اس کے سر اور گردن کو دھویا جائے پھر اس کے بدن کے دائیں حصے کو دھویا جائے پھر اس کے بائیں حصے کو دھویا جائے (یہ غسل ترتیبی کا طریقہ ہے) یا اسے ایک عرفی دفعہ میں پانی میں ڈبو دیا جائے (اور اسے غسل ارتماسی کرایا جائے)۔اور غسل کے شروع سے نیت ملی ہونی چاہیے اور اس عبارت سے یہ معنی ظاہر ہے اور اسی کا دیگر کتابوں میں مصنف نے تصریح کی ہے کہ تینوں غسلوں کے لیے ایک نیت کافی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر ایک غسل کے لیے علیحدہ نیت کی جائے۔

پھر اگر ایک شخص غسل دینے والا ہو تو وہی نیت کرے گا اور کسی دوسرے کا نیت کرنا کافی نہیں ہے اور اگر چند افراد غسل دوں اور وہ پانی ڈالنے میں شریک ہوں تو وہ سب غسل دینے کی نیت کریں اور اگر ان میں سے بعض پانی ڈالیں اور باقی اسے الٹنے پلٹنے میں مدد کریں تو جو پانی ڈالنے والا ہو گا وہ نیت کرے کیونکہ حقیقت میں وہی غسل دینے والا ہے لیکن دوسروں کا نیت کرنا مستحب ہے اور مصنف نے ذکری میں ان دوسروں افراد کا نیت کرنے کو کافی سمجھا ہے جو پانی ڈالنے کے علاوہ اس کو الٹنے پلٹنے میں مدد کریں اور اگر وہ مل کر پے در پے بعض کاموں کو انجام دیں یعنی ان میں ہر ایک غسل کا کچھ حصہ انجام دے تو ان میں ہر ایک شخص کا غسل دینے کو شروع کرنے کے ساتھ نیت کرنا معتبر ہو گا۔

غسل دینے میں اولویت

(وَالْأَولٰی بِمِيرَاثِهِ أَولٰی بِأَحْكَامِهِ)، بِمَعْنَى أَنَّ الْوَارِثَ أَولٰی مِمَّنْ لَيْسَ بِوَارِثٍ وَإِنْ كَانَ قَرِيبًا، ثُمَّ إِنْ اتَّحَدَ الْوَارِثُ اخْتَصَّ، وَإِنْ تَعَدَّدَ فَالذَّكَرُ أَولٰی مِنْ الْأُنْثَى، وَالْمُكَلَّفُ مِنْ غَيْرِهِ، وَالْأَبُ مِنْ الْوَلَدِ وَالْجَدِّ.(وَالزَّوْجُ أَولٰی) بِزَوْجَتِهِ (مُطْلَقًا) فِي جَمِيعِ أَحْكَامِ الْمَيِّتِ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الدَّائِمِ وَالْمُنْقَطِعِ-

اور جو شخص اس میت کی میراث میں اولویت رکھتا ہو وہ اس کے امور کو انجام دینے میں بھی اولویت رکھتا ہے یعنی وہ شخص اولویت رکھتا ہے اس کی نسبت سے جو اس کی میراث میں حصہ دار نہیں ہے اگرچہ وہ اس کا رشتہ دار ہی ہو پھر اگر ایک ہی وارث ہو تو وہی اس کے امور سے خاص ہوگا اور اگر چند وارث ہوں تو ان میں سے مرد عورتوں کی نسبت سے اولویت رکھتے ہیں اور جو عاقل بالغ ہوں وہ دوسروں کی نسبت سے اولویت رکھتے ہیں اور باپ بیٹے اور دادا سے اولویت رکھتے ہیں اور شوہر بیوی کے تمام احکام میت میں دوسروں کی نسبت اولویت رکھتا ہے اور اس میں بھی فرق نہیں کہ وہ نکاح دائمی ہو یا منقطع (کیونکہ دونوں شرعی نکاح ہیں اور اس لحاظ سے ان میں فرق نہیں کیا گیا)۔

غسل دینے والے کا نوع میں مساوی ہونا

(وَيَجِبُ الْمُسَاوَاةُ) بَيْنَ الْغَاسِلِ وَالْمَيِّتِ(فِي الرُّجُولِيَّةِ وَالْأُنُوثِيَّةِ) فَإِذَا كَانَ الْوَلِيُّ مُخَالِفًا لِلْمَيِّتِ أَذِنَ لِلْمُمَاثِلِ لَا أَنَّ وِلَايَتَهُ تَسْقُطُ، إِذْ لَا مُنَافَاةَ بَيْنَ الْأَوْلَوِيَّةِ وَعَدَمِ الْمُبَاشَرَةِ .وَقَيَّدَ بِالرُّجُولِيَّةِ لِئَلَّا يَخْرُجَ تَغْسِيلُ كُلٍّ مِنْ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ ابْنَ ثَلَاثِ سِنِينَ وَبِنْتَهُ، لِانْتِفَاءِ وَصْفِ الرُّجُولِيَّةِ فِي الْمُغَسَّلِ الصَّغِيرِ، وَمَعَ ذَلِكَ لَا يَخْلُو مِنْ الْقُصُورِ كَمَا لَا يَخْفَى .وَإِنَّمَا يُعْتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ -

اور غسل دینے والے اور میت کے درمیان مرد ہونے اور مونث ہونے میں مساوی ہونا واجب ہے[۱] پس جب میت کا ولی اس لحاظ سے میت سے مساوی نہ ہو تو وہ اس شخص کو اجازت دے جو اس کے مساوی ہو نہ یہ کہ اس کی ولایت اور اولویت ختم ہو جائے گی کیونکہ ولی کی اولویت میں اور اس کے خود غسل نہ سکنے میں کوئی تضاد نہیں ہے اور مصنف نے مرد ہونے کی قید لگائی ہے تاکہ مرد اور عورت میں سے ہر ایک کا تین سالہ لڑکے یا لڑکی کو غسل دینا سابقہ مسئلے سے خارج ہو جائے کیونکہ اس وقت میت مرد نہیں ہوگا کہ وہ چھوٹا بچہ ہے لیکن اس کے باوجود یہ عبارت کسی حدتک قاصر اور کمی رکھتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے[۲]۔

(سابقہ حکم سے چند موارد مستثنی ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے :)

زوجین کا دوسرے کو غسل دینا

(فِی غَیْرِ الزَّوْجَیْنِ) فَیَجُوزُ لِکُلٍّ مِنْهُمَا تَغْسِیلُ صَاحِبِهِ اخْتِیَاراً، فَالزَّوْجُ بِالْوِلَایَةِ، وَالزَّوْجَةُ مَعَهَا أَوْ بِإِذْنِ الْوَلِیِّ وَالْمَشْهُورُ أَنَّهُ مِنْ وَرَاءِ الثِّیَابِ وَإِنْ جَازَ النَّظَرُ وَیُغْتَفَرُ الْعَصْرُ هُنَا فِی الثَّوْبِ کَمَا یُغْتَفَرُ فِی الْخِرْقَةِ السَّاتِرَةِ لِلْعَوْرَةِ مُطْلَقًا، إِجْرَاءً لَهُمَا مَجْرَی مَا لَا یُمْکِنُ عَصْرُهُ.وَلَا فَرْقَ فِی الزَّوْجَةِ بَیْنَ الْحُرَّةِ

---

[۱]۔ اس پر معتبر روایات دلالت کرتی ہیں جیسے صحیح حلبی میں ہے اس عورت کے بارے میں جو سفر میں مر جائے اور اس کے ساتھ کوئی محرم و عورتیں نہ ہوں تو امام صادقؑ نے فرمایا؛ اس کو اس کے کپڑوں میں دفن کردیا جائے اور اس مرد کے بارے میں جو مر جائے اور اس کے ساتھ صرف عورتیں ہوں ان کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو؟ فرمایا؛ اسے اس کے کپڑوں میں دفن کردیا جائے (وسائل باب ۲۱ ابواب غسل میت ح۱) اور اسی طرح صحیح عبدالرحمٰن بھی ہے (سابقہ حوالہ ح۳)

[۲]۔ مصنف نے مرد ہونے اور مونث ہونے کی قید لگائی اور دوسرے علماء مذکر ہونے اور مونث ہونے کی قید لگائی تو مصنف کی قید دوسروں کی نسبت بہتر ہے لیکن دونوں تعریفوں میں یہ کمی ہے کہ انہوں نے مونث ہونے کی قید لگائی حالانکہ انہیں عورت ہونے میں برابر کی قید لگانی چاہیے تھی تاکہ چھوٹی بچی کو غسل دینا خارج ہو جائے کیونکہ وہ عورت نہیں ہے اگرچہ مونث ہے۔

وَالْأَمَةِ، وَالْمَدْخُولِ بِهَا وَغَيْرِهَا، وَالْمُطَلَّقَةُ رَجْعِيَّةً زَوْجَةٌ، بِخِلَافِ الْبَائِنِ.وَلَا يَقْدَحُ انْقِضَاءُ الْعِدَّةِ فِي جَوَازِ التَّغْسِيلِ عِنْدَنَا، بَلْ لَوْ تَزَوَّجَتْ جَازَ لَهَا تَغْسِيلُهُ وَإِنْ بَعُدَ الْفَرْضُ، وَكَذَا يَجُوزُ لِلرَّجُلِ تَغْسِيلُ مَمْلُوكَتِهِ غَيْرِ الْمُزَوَّجَةِ وَإِنْ كَانَتْ أُمَّ وَلَدٍ، دُونَ الْمُكَاتَبَةِ وَإِنْ كَانَتْ مَشْرُوطَةً، دُونَ الْعَكْسِ لِزَوَالِ مِلْكِهِ عَنْهَا، نَعَمْ لَوْ كَانَتْ أُمَّ وَلَدٍ غَيْرَ مَنْكُوحَةٍ لِغَيْرِهِ عِنْدَ الْمَوْتِ جَازَ .

۱۔اور یہ مرد و عورت میں برابری شوہر اور بیوی کے علاوہ میں ہے تو شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کے لیے اختیاری حالت میں جائز ہے کہ وہ دوسرے کو غسل دیں، تو شوہر یا بیوی ولایت کے ساتھ (جب صرف وہی وارث ہوں) یا وہ ولی کی اجازت سے غسل دیں گے اور مشہور یہ ہے کہ وہ کپڑے کے پیچھے سے غسل دیں اگرچہ ان کا نظر کرنا جائز ہے؛

اور یہاں کپڑے کو نچوڑنا بھی معاف ہے جیسا کہ میت کی شرمگاہ کو ڈھانپنے والے کپڑے کے ٹکڑے کو نچوڑنا بہر صورت معاف ہے (چاہیے غسل دینے والا برابر ہو یا نہ) اور ان کپڑوں کو نچوڑنا اس لیے معاف ہے کہ انہیں ان کپڑوں کی طرح قرار دیا گیا ہے جنہیں نچوڑنا ممکن نہیں ہوتا، اور اس میں فرق نہیں ہے کہ وہ بیوی آزاد ہو یا کنیز اور اس کے ساتھ دخول ہوا ہو یا نہ اور وہ ایسی ہو جسے طلاق رجعی دی گئی ہو (وہ طلاق جس میں شوہر رجوع کر سکتا ہے) بخلاف اس عورت کے جسے طلاق بائن دی گئی ہو جس میں شوہر رجوع نہیں کر سکتا؛

اور طلاق رجعی والی عورت میں ہمارے نزدیک مشکل نہیں کہ اس کی عدت کا زمانہ گزر چکا ہو بلکہ اگر اس عورت نے آگے شادی بھی کر لی ہو تو بھی اپنے پہلے شوہر کو غسل میت دے سکتی ہے اگرچہ یہ فرض بعید ہے[۱]۔

---

[۱]۔ جس بیوی کو طلاق رجعی دی گئی ہو وہ بیوی کے حکم میں ہوتی ہے پس اگر اس کی عدت کے دوران شوہر مر جائے تو اس کی طلاق کی عدت ختم ہو جائے گی لیکن اس سے کوئی مشکل نہیں کیونکہ اس پر وفات کی عدت ضروری ہو جائے گی پس اگر طلاق

۲۔اور اسی طرح مرد کے لیے جائز ہے کہ اپنی مملوکہ کنیز کو غسل دے جس کی آگے کسی سے شادی نہ کرادی ہو اگرچہ وہ امّ ولد ہو یعنی اس کی اس شخص سے کوئی اولاد پیدا ہوچکی ہو نہ وہ کنیز جس نے اس کے ساتھ قرار داد آزادی باندھ لی ہو اگرچہ اس کی آزادی مشروط ہو نہ اس کے برعکس یعنی کنیز اپنے مالک کو غسل نہیں دی سکتی ہے۔

مساوی شخص کے نہ ملنے کی صورت کا حکم

(وَمَعَ التَّعَذُّرِ) لِلْمُسَاوِی فِی الذُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ (فَالْمَحْرَمُ) وَهُوَ مَنْ يَحْرُمُ نِكَاحُهُ مُؤَبَّداً بِنَسَبٍ أَوْ رَضَاعٍ أَوْ مُصَاهَرَةٍ، يُغَسِّلُ مَحْرَمَهُ الَّذِی يَزِيدُ سِنُّهُ عَنْ ثَلَاثِ سِنِينَ (مِنْ وَرَاءِ الثَّوْبِ، فَإِنْ تَعَذَّرَ) الْمَحْرَمُ وَالْمُمَاثِلُ (فَالْكَافِرُ) يُغَسِّلُ الْمُسْلِمَ وَالْكَافِرَةُ تُغَسِّلُ الْمُسْلِمَةَ (بِتَعْلِيمِ الْمُسْلِمِ) عَلَى الْمَشْهُورِ.وَالْمُرَادُ هُنَا صُورَةُ الْغُسْلِ وَلَا يُعْتَبَرُ فِيهِ النِّيَّةُ، وَيُمْكِنُ اعْتِبَارُ نِيَّةِ الْكَافِرِ كَمَا يُعْتَبَرُ نِيَّتُهُ فِی

کی عدت بھی گزر جائے اور اس شوہر کو اس مدت میں غسل میت نہ دیا گیا ہو چاہے اس عورت نے عدت وفات کے بعد شادی کرلی ہو یا نہ کیا وہ اس سابقہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے؟ شہید اول نے ذکری میں اور محقق ثانی نے جامع المقاصد میں کہا کہ عدت گزرنے کے بعد بھی وہ اسے غسل دے سکتی ہے بلکہ اس حکم کی سب علماء شیعہ کی طرف نسبت دی گئی جیسا کہ شہید ثانی نے یہاں تعبیر پیش کی لیکن اہل سنت اور بعض متاخرین شیعہ نے کہا وہ عدت گزرنے کے بعد غسل نہیں دے سکتی کیونکہ وہ عدت وفات کے بعد اجنبی عورت کی طرح ہو جاتی ہے؛

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اگر عدت وفات گزرنے کے بعد اجنبی عورت بن جاتی تو اس سے زوجیت کا عنوان بھی زائل ہو جاتا حالانکہ وہ عنوان اس پر باقی ہے لیکن یہ فرض بعید ہے صاحب جواہر نے فرمایا ہمارے زمانے میں میت کو مشاہد متبرکہ میں دفن کرنے کے لیے لے جانے کی غرض سے کافی عرصہ باقی رکھا جاتا ہے اور اس صورت میں بھی فرض ممکن ہے جب اسے بغیر غسل کے دفن کیا گیا ہو پھر اسے شہادت کے لیے قبر سے نکالا جائے اور اس کا جسم نہ بدلا ہو تو غسل دینا واجب ہے اور ابن ابی عقیل کے نظریئے کے مطابق کہ عدت وفات بچہ جننے سے ختم ہو جاتی ہے اس بناء پر تو بہت جلد حاملہ بیوی کی عدت گزرنا ممکن ہے جب شوہر کے مرنے کے کچھ عرصہ بعد اس بیوی کا بچہ پیدا ہو جائے۔

الْعِتْقِ وَنَفَاهُ الْمُحَقِّقُ فِي الْمُعْتَبَرِ لِضَعْفِ الْمُسْتَنَدِ وَكَوْنِهِ لَيْسَ بِغُسْلٍ حَقِيقِيٍّ لِعَدَمِ النِّيَّةِ، وَعُذْرُهُ وَاضِحٌ .

۳۔اور جب غسل دینے والا میت کے مرد و عورت ہونے میں مساوی نہ مل سکے تو اس کو محرم غسل دے اور وہ شخص ہے جس کا نسب یا رضاع یا مصاہرہ اور شادی بیاہ کی وجہ سے اس سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام تھا تو وہ اپنے اس محرم کو غسل دے سکتا ہے جس کی عمر تین سال سے زیادہ ہو لیکن محرم کپڑے کے پیچھے سے اسے غسل دے۔

۴۔اور اگر محرم بھی نہ مل سکے تو کافر مرد مسلمان مرد کو اور کافر عورت مسلمان عورت کو غسل دے اور مسلمان ان کو غسل کا طریقہ بتائیں یہ مشہور فتوی ہے اور یہاں غسل سے مراد ظاہری شکل و صورت میں غسل دینا ہے اور اس میں نیت معتبر نہیں ہے اور ممکن ہے کہ کافر کا نیت کرنا بھی معتبر ہو جیسا کہ کافر اگر کسی کو آزاد کرے تو وہ نیت کر سکتا ہے اور محقق حلی نے معتبر میں اس صورت میں غسل واجب ہونے کی نفی کی کیونکہ ان کی نظر میں اس کی دلیل ضعیف ہے اور پھر یہ غسل حقیقی بھی نہیں کیونکہ اس میں نیت نہیں ہو سکتی اور ان کا عذر بھی واضح کیونکہ ان کی دلیل قوی ہے۔

مرد کا تین سالہ بچی کو غسل دینا

(وَيَجُوزُ تَغْسِيلُ الرَّجُلِ ابْنَةَ ثَلَاثِ سِنِينَ مُجَرَّدَةً وَكَذَا الْمَرْأَةُ) يَجُوزُ لَهَا تَغْسِيلُ ابْنِ ثَلَاثٍ مُجَرَّدًا وَإِنْ وُجِدَ الْمُمَاثِلُ، وَمُنْتَهَى تَحْدِيدِ السِّنِّ الْمَوْتُ فَلَا اعْتِبَارَ بِمَا بَعْدَهُ وَإِنْ طَالَ، وَبِهَذَا يُمْكِنُ وُقُوعُ الْغُسْلِ لِوَلَدِ الثَّلَاثِ تَامَّةً مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ .فَلَا يُرَدُّ مَا قِيلَ إنَّهُ يُعْتَبَرُ نُقْصَانُهَا لِيَقَعَ الْغُسْلُ قَبْلَ تَمَامِهَا .

۵۔اور جائز ہے کہ مرد تین سالہ بچی کو بغیر کپڑے کے غسل دے سکتا ہے اور اسی طرح عورت تین سالہ بچے کو بغیر کپڑوں کے غسل دے سکتی ہے اگرچہ مساوی موجود ہو۔

شہید کا حکم

(وَالشَّهِيدُ) وَهُوَ الْمُسْلِمُ وَمَنْ بِحُكْمِهِ الْمَيِّتُ فِى مَعْرَكَةِ قِتَالٍ أَمَرَ بِهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَوْ الْإِمَامُ أَوْ نَائِبُهُمَا الْخَاصُّ.وَهُوَ فِى حِزْبِهِمَا بِسَبَبِهِ، أَوْ قُتِلَ فِى جِهَادٍ مَأْمُورٍ بِهِ حَالَ الْغَيْبَةِ، كَمَا لَوْ دَهَمَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مَنْ يُخَافُ مِنْهُ عَلَى بَيْضَةِ الْإِسْلَامِ، فَاضْطُرُّوا إِلَى جِهَادِهِمْ بِدُونِ الْإِمَامِ أَوْ نَائِبِهِ، عَلَى خِلَافٍ فِى هَذَا الْقِسْمِ .سُمِّىَ بِذَلِكَ لِأَنَّهُ مَشْهُودٌ لَهُ بِالْمَغْفِرَةِ وَالْجَنَّةِ (لَا يُغَسَّلُ وَلَا يُكَفَّنُ بَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ) وَيُدْفَنُ بِثِيَابِهِ وَدِمَائِهِ، وَيُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْجُلُودُ كَالْخُفَّيْنِ وَإِنْ أَصَابَهُمَا الدَّمُ .وَمَنْ خَرَجَ عَمَّا ذَكَرْنَاهُ يَجِبُ تَغْسِيلُهُ وَتَكْفِينُهُ وَإِنْ أُطْلِقَ عَلَيْهِ اسْمُ الشَّهِيدِ فِى بَعْضِ الْأَخْبَارِ، كَالْمَطْعُونِ وَالْمَبْطُونِ وَالْغَرِيقِ، وَالْمَهْدُومِ عَلَيْهِ وَالنُّفَسَاءِ وَ الْمَقْتُولِ دُونَ مَالِهِ وَأَهْلِهِ مِنْ قُطَّاعِ الطَّرِيقِ وَغَيْرِهِمْ .

اور شہید وہ مسلمان یا جو مسلمان کے حکم میں ہو جو اس جنگ میں قتل ہوا ہو جس کا نبی اکرم یا امام معصوم یا ان کے نائب خاص نے حکم دیا ہو اور وہ ان کے لشکر میں ہو اور اس کی موت اسی جنگ کی وجہ سے ہوئی ہو یا وہ اس جہاد میں قتل ہوا ہو جس کا غیبت امام زمانہ کے دوران حکم دیا گیا ہے جیسا کہ مسلمانوں پر ایسے دشمن حملہ کر دیں جس سے مرکز اسلام کو خطرہ ہو تو لوگ امام یا ان کے نائب کے حکم کے بغیر ان دشمنوں سے جنگ کے لیے مجبور ہو جائیں اگرچہ اس قسم میں اختلاف ہے اور شہید کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی مغفرت و بخشش اور جنتی ہونے کی گواہی دی گئی ہے، تو اس شخص کو نہ غسل دیا جائے اور نہ کفن دیا جائے بلکہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور اسے اس کے کپڑوں اور اس کے خون میں دفن کر دیا جائے اور اس

سے اونی اور جلدی چیزوں کو جدا کر دیا جائے جیسے موزے اگرچہ انہیں خون لگا ہوا ہو اور جو شخص ان صفات سے خارج ہو جن کو ہم نے شہید کی تعریف میں ذکر کیا ہے تو اس کو غسل اور کفن دینا واجب ہے اگرچہ بعض روایات میں اس پر شہید کا نام بولا گیا ہے جیسے وہ شخص جو طاعون کی وباء میں مر جائے اور وہ شخص جو پیٹ کی بیماری میں مرے اور وہ جو غرق ہو جائے اور وہ جس پر دیوار گر جائے اور وہ عورت جو نفاس کے دوران مر جائے اور وہ شخص جو راستے کے ڈاکوؤں سے اپنے مال و ناموس کی حفاظت اور دفاع کرتے ہوئے مارا جائے اور دیگر افراد (جیسے وہ شخص جو حالت غربت اور مسافرت میں مر جائے اور وہ جو جمعہ کے دن مرے اور جو طلب علم کی حالت میں مر جائے)۔

غسل میت سے پہلے نجاسات کو میت کے بدن سے دور کرنا

(وَيَجِبُ إِزَالَةُ النَّجَاسَةِ) الْعَرَضِيَّةِ (عَنْ بَدَنِهِ أَوَّلًا) قَبْلَ الشُّرُوعِ فِي غُسْلِهِ .

اور واجب ہے کہ میت کے بدن سے غسل شروع کرنے سے پہلے ظاہری نجاستوں کو دور کر دیا جائے[1]۔

غسل میت کے مستحبات

(وَيُسْتَحَبُّ فَتْقُ قَمِيصِهِ) مِنْ الْوَارِثِ أَوْ مَنْ يَأْذَنُ لَهُ (وَنَزْعُهُ مِنْ تَحْتِهِ) لِأَنَّهُ مَظِنَّةُ النَّجَاسَةِ، وَيَجُوزُ غُسْلُهُ فِيهِ، بَلْ هُوَ أَفْضَلُ عِنْدَ الْأَكْثَرِ، وَيَطْهُرُ

---

[1]۔ اس مطلب پر عدم اختلاف علماء کا دعوی کیا گیا جیسا علامہ حلی نے منتہی میں فرمایا اور اس پر روایات معصومین بھی دلالت کرتی ہیں جیسے صحیحہ فضل بن عبدالملک راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے میت کے بارے میں سوال کیا فرمایا اسے بٹھائیں اور نرمی سے اس کے پیٹ پر زور دیں پھر جو نجاست نکلے اسے پاک کر دیں (وسائل باب ۲ ابواب غسل میت ح ۹) اور اسی طرح علاء بن سیابہ کی امام صادقؑ سے روایت میں بھی یہ مطلب بیان ہوا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے وسائل باب ۱۵ ح ۱۱ ابواب غسل میت۔

بِظُهْرِهِ مِنْ غَيْرِ عَصْرٍ، وَعَلَى تَقْدِيرِ نَزْعِهِ تُسْتَرُ عَوْرَتُهُ وُجُوبًا بِهِ أَوْ بِخِرْقَةٍ،وَهُوَ أَمْكَنُ لِلْغُسْلِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْغَاسِلُ غَيْرَ مُبْصِرٍ أَوْ وَاثِقًا مِنْ نَفْسِهِ بِكَفِّ الْبَصَرِ فَيُسْتَحَبُّ اسْتِظْهَاراً.

(وَتَغْسِيلُهُ عَلَى سَاجَةٍ) وَهِيَ لَوْحٌ مِنْ خَشَبٍ مَخْصُوصٍ وَالْمُرَادُ وَضْعُهُ عَلَيْهَا أَوْ عَلَى غَيْرِهَا مِمَّا يُؤَدِّي فَائِدَتَهَا، حِفْظًا لِجَسَدِهِ مِنْ التَّلَطُّخِ.وَلْيَكُنْ عَلَى مُرْتَفِعٍ وَمَكَانُ الرِّجْلَيْنِ مُنْحَدِراً (مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ) وَفِي الدُّرُوسِ يَجِبُ الاسْتِقْبَالُ بِهِ، وَمَالَ إِلَيْهِ فِي الذِّكْرَى، وَاسْتَقْرَبَ عَدَمَهُ فِي الْبَيَانِ (وَتَثْلِيثُ الْغَسَلَاتِ) بِأَنْ يَغْسِلَ كُلَّ عُضْوٍ مِنْ الْأَعْضَاءِ الثَّلَاثَةِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا فِي كُلِّ غَسْلَةٍ (وَغَسْلُ يَدَيْهِ) أَيْ يَدَيْ الْمَيِّتِ إِلَى نِصْفِ الذِّرَاعِ ثَلَاثًا (مَعَ كُلِّ غَسْلَةٍ) وَكَذَا يُسْتَحَبُّ غَسْلُ الْغَاسِلِ يَدَيْهِ مَعَ كُلِّ غَسْلَةٍ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ (وَمَسْحُ بَطْنِهِ فِي) الْغَسْلَتَيْنِ (الْأُولَيَيْنِ) قَبْلَهُمَا تَحَفُّظًا مِنْ خُرُوجِ شَيْءٍ بَعْدَ الْغُسْلِ لِعَدَمِ الْقُوَّةِ الْمَاسِكَةِ، إِلَّا الْحَامِلَ الَّتِي مَاتَ وَلَدُهَا، فَإِنَّهَا لَا تُمْسَحُ حَذَراً مِنْ الْإِجْهَاضِ (وَتَنْشِيفُهُ) بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ الْغُسْلِ (بِثَوْبٍ) صَوْنًا لِلْكَفَنِ مِنْ الْبَلَلِ (وَإِرْسَالُ الْمَاءِ فِي غَيْرِ الْكَنِيفِ) الْمُعَدِّ لِلنَّجَاسَةِ،وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُجْعَلَ فِي حَفِيرَةٍ خَاصَّةٍ بِهِ (وَتَرْكُ رُكُوبِهِ) بِأَنْ يَجْعَلَهُ الْغَاسِلُ بَيْنَ رِجْلَيْهِ(وَإِقْعَادُهُ وَقَلْمُ ظُفُرِهِ وَتَرْجِيلُ شَعْرِهِ) وَهُوَ تَسْرِيحُهُ، وَلَوْ فَعَلَ ذَلِكَ دُفِنَ مَا يَنْفَصِلُ مِنْ شَعْرِهِ وَظُفُرِهِ مَعَهُ وُجُوبًا .

(اور غسل میت میں درج ذیل چیزوں کا خیال رکھنا مستحب ہے :)

۱۔ وارث یا جس شخص کو وہ اجازت دے وہ میت کی قمیض کو پھاڑے اور اس کے نیچے سے نکال دے کیونکہ اس میں نجاست کا گمان ہے اگرچہ اس میں غسل دینا بھی جائز ہے، بلکہ اکثر کے نزدیک وہی بہتر ہے اور بغیر نچوڑے کے وہ قمیض بھی اس وقت پاک ہو جائے گا جب میت پاک ہو جائے (اور اس کے غسل مکمل ہو جائیں) اور جب اس کے قمیض کو اتارا جائے تو میت کی شرمگاہ کو قمیض کے کچھ حصے کے ساتھ یا کپڑے کے کسی دوسرے ٹکڑے کے ساتھ چھپانا واجب ہے اور قمیض اتار کر غسل دینا زیادہ آسان ہے مگر یہ کہ غسل دینے والا نابینا ہو یا اسے اپنے نفس پر اعتماد ہو کہ وہ پورے غسل کے دوران اپنی آنکھیں بند رکھے گا تو بھی اطمینان کی خاطر اس کی شرمگاہ کو ڈھانپنا مستحب ہے۔

۲۔ میت کو تختے پر غسل دینا مستحب ہے اور وہ مخصوص لکڑی کا تختہ ہے اور مراد یہ ہے کہ اس تختے پر اسے رکھا جائے یا ایسی دوسری چیز پر رکھا جائے جو اس تختے کی طرح فائدہ دے جس سے اس کا جسم، نجس پانی سے آلودہ ہونے سے بچاو ہو سکے اور چاہیے کہ اسے بلند جگہ پر غسل دیا جائے اور ٹانگوں کی طرف ڈھلوانی ہو۔

۳۔ غسل کی حالت میں میت کو قبلہ رو لٹایا جائے اور دروس میں مصنف نے اس کو قبلہ رو کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور ذکری میں بھی اسی کی طرف میلان ظاہر کیا ہے لیکن کتاب بیان میں اس کے واجب نہ ہونے کو قریب تر قرار دیا ہے۔

۴۔ میت کو غسل دیتے ہوئے اس کے بدن کے تین اعضاء میں سے ہر ایک کو ہر غسل میں تین تین بار دھویا جائے۔

۵۔ اور ہر دھونے کے ساتھ میت کے ہاتھوں کو آدھے بازو تک تین بار دھویا جائے اور اسی طرح مستحب ہے کہ غسل دینے والا ہر دھونے کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے۔

۶۔ اور پہلے دو غسلوں سے پہلے میت کے پیٹ کو نرمی سے دبایا جائے تاکہ اس چیز کا اطمینان ہو جائے کہ غسل کے بعد کوئی چیز پیٹ سے نہ نکلے کیونکہ اس وقت قوت ماسکہ نہیں رہتی جو پیٹ کی غلاظت کو باہر نکلنے سے روکے مگر وہ حاملہ عورت جس کا بچہ اس کے پیٹ میں مر چکا ہوا ہو تو اس کا پیٹ نہ دبایا جائے کہیں اس کا بچہ سقط نہ ہو جائے۔

۷۔ اور غسل سے فارغ ہونے کے بعد اسے کسی کپڑے کے ساتھ خشک کیا جائے تاکہ کفن تری سے گیلا نہ ہو۔

۸۔ اور غسل میت کے پانی کو گندے پانی کے اس گڑھے میں نہ پھینکا جائے جو کو نجاست جمع کرنے کے لیے آمادہ کیا گیا ہو اور افضل یہ ہے کہ غسل میت کا پانی جمع کرنے کے لیے علیحدہ گڑھا بنا لیا جائے۔

۹۔ غسل دینے والا میت کے اوپر سوار نہ ہو یعنی غسل دیتے ہوئے میت کو اپنی ٹانگوں کے درمیان قرار نہ دے۔

۱۰۔ اور میت کو بٹھانا اور اس کے ناخن قلم کرنا اور اس کے بالوں کو کنگھی کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے اور اگر ایسا کرے تو جو اس کے ناخن اور بال جدا ہوں انہیں واجب ہے کہ اس کے ساتھ دفن کیا جائے۔

۳۔ کفن کے احکام[1]

کفن کے واجب تین کپڑے

(الثَّالثُ- الْكَفَنُ وَالْوَاجبُ منْهُ) ثَلَاثَةُ أَثْوَاب،(مئْزَرٌ) بكَسْرِ الْميمِ ثُمَّ الْهَمْزَةُ السَّاكنَةُ، يَسْتُرُ مَا بينَ السُّرَّة وَالرُّكْبَة.وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَسْتُرَ مَا بين صَدْره وَقَدَمه.(وَقَميصٌ) يَصلُ إلَى نصْف السَّاق، وَإِلَى الْقَدَمِ أَفْضَلُ وَيُجْزِئُ مَكَانَهُ ثَوْبٌ سَاترٌ لجَميعِ الْبَدَنِ عَلَى الْأَقْوَى (وَإِزَارٌ) بِكَسْرِ الْهَمْزَة، وَهُوَ ثَوْبٌ شَاملٌ لجَميعِ الْبَدَن.

---

[1]۔ بعض معتبر روایات میں کفن کی یہ غرض بیان ہوئی ہے :الصدوق بإسناده عن الفضل بن شاذان ، عن الرضا (عليه السلام) قال : إنما أمر أن يكفن الميت ليلقى ربه عز وجل طاهر الجسد ، ولئلا تبدو عورته لمن يحمله أو يدفنه ، ولئلا يظهر الناس على بعض حاله وقبح منظره ، ولئلا يقسو القلب بالنظر إلى مثل ذلك للعاهة والفساد ، وليكون أطيب لأنفس الأحياء ، ولئلا يبغضه حميمه فيلغى ذكره ومودّته ، فلا يحفظه فيما خلف وأوصاه به وأمره به وأحب (علل الشرائع : ۲٦۸، وعیون إخبار الرضاؑ، ۲ : ۱۱۴ح ۳۴ بااختلاف، وسائل ابواب تکفین، باب ۱ح۱) امام رضاؑ نے فرمایا کفن دینے کا اس لیے حکم دیا گیا کہ ؛۱۔ جب مرنے والا خدا تعالی کی بارگاہ میں حاضر ہو تو پاک و صاف ہو ۲۔اور تاکہ اس کا ستر، اٹھانے والوں اور دفن کرنے والوں پر ظاہر نہ ہو، ۳۔ اور تاکہ لوک اس کی موجودہ حالت اور منظر کی بدصورتی پر مطلع نہ ہو اور تاکہ اس قسم کا منظر اور اس کی حالت کا بگاڑ دیکھ کر ان کے دل سخت نہ ہوں بلکہ اس کی شان و شوکت کا کفن دیکھ کر زندوں کے دل خوش ہو جائیں، ۴۔ اور تاکہ بغیر کفن کے اس بدحالی اور منظر کی قباحت دیکھ اس کے دوست احباب اس کی یاد اور اس کی محبت کو بھلا نہ دیں، ۵۔ اور اس کے پسماندگان اس کو اور اس کی وصیت اور اس کی پسندیدہ باتوں کو نظر انداز نہ کر دیں۔

وَيُسْتَحَبُّ زِيَادَتُهُ عَلَى ذَلِكَ طُولًا بِمَا يُمْكِنُ شَدُّهُ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ وَرِجْلَيْهِ، وَعَرْضًا بِحَيْثُ يُمْكِنُ جَعْلُ أَحَدِ جَانِبَيْهِ عَلَى الْآخَرِ.وَيُرَاعَى فِي جِنْسِهَا الْقَصْدُ بِحَسَبِ حَالِ الْمَيِّتِ،فَلَا يَجِبُ الِاقْتِصَارُ عَلَى الْأَدْوَنِ، وَإِنْ مَاكَسَ الْوَارِثُ، أَوْ كَانَ غَيْرَ مُكَلَّفٍ .وَيُعْتَبَرُ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يَسْتُرَ الْبَدَنَ بِحَيْثُ لَا يَحْكِي مَا تَحْتَهُ وَكَوْنُهُ مِنْ جِنْسِ مَا يُصَلِّي فِيهِ الرَّجُلُ، وَأَفْضَلُهُ الْقُطْنُ الْأَبْيَضُ .وَفِي الْجِلْدِ وَجْهٌ بِالْمَنْعِ مَالَ إلَيْهِ الْمُصَنِّفُ فِي الْبَيَانِ وَقَطَعَ بِهِ فِي الذِّكْرَى، لِعَدَمِ فَهْمِهِ مِنْ إطْلَاقِ الثَّوْبِ وَلِنَزْعِهِ عَنْ الشَّهِيدِ، وَفِي الدُّرُوسِ اكْتَفَى بِجَوَازِ الصَّلَاةِ فِيهِ لِلرَّجُلِ كَمَا ذَكَرْنَاهُ .هَذَا كُلُّهُ (مَعَ الْقُدْرَةِ)، أَمَّا مَعَ الْعَجْزِ فَيُجْزِي مِنْ الْعَدَدِ مَا أَمْكَنَ وَلَوْ ثَوْبًا وَاحِداً، وَفِي الْجِنْسِ يُجْزِي كُلُّ مُبَاحٍ لَكِنْ يُقَدَّمُ الْجِلْدُ عَلَى الْحَرِيرِ وَهُوَ عَلَى غَيْرِ الْمَأْكُولِ مِنْ وَبَرٍ وَشَعْرٍ وَجِلْدٍ، ثُمَّ النَّجِسُ وَيُحْتَمَلُ تَقْدِيمُهُ عَلَى الْحَرِيرِ وَمَا بَعْدَهُ، وَعَلَى غَيْرِ الْمَأْكُولِ خَاصَّةً، وَالْمَنْعُ مِنْ غَيْرِ جِلْدِ الْمَأْكُولِ مُطْلَقًا .

اور میت کو تین کپڑوں میں غسل دینا واجب ہے[1]:

[1] ۔اس مسئلے میں سوائے سلار کے تمام علماء نے اتفاق کیا ہے لیکن سلار نے ایک کپڑے کو کافی قرار دیا ہے تیر کپڑے واجب ہونے پو روایات دلالت کرتی ہیں ان میں امام صادقؑ سے عبداللہ بن سنان کی روایت اور سماعہ کی روایت ہے لیکن تہذیب میں زرارہ کی صحیح روایت میں ہے کہ امام باقرؑ نے فرمایا؛ عمامہ میت کے کفن میں نہیں ہے بے شک واجب کفن تین کپڑے یا ایک پورا کپڑا ہے اس سے کم نہیں ہے لیکن یہ روایت دیگر کثیر روایات سے مخالفت کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ کلینی نے کافی میں اس یا کی جگہ واو ذکر کی ہے اور خود تہذیب کے نسخے بھی مختلف ہیں بعض میں یا ہے اور بعض میں واو ہے اور اکثر میں تو یا ایک کامل کپڑا اصلا ساقط ہے تو اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

۱۔لنگ؛اور وہ کپڑا ہے جو اس کی ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصے کو چھپالے اور مستحب ہے کہ وہ اس کے سینے اور قدموں کے درمیان تک حصے کو چھپائے۔
۲۔کرتہ؛ وہ کپڑا جو (کندھوں سے لیکر) اس کی آدھی پنڈلی تک پہنچے اور اگر قدموں تک پہنچے تو بہتر ہے اور اقوی قول کی بناء پر، اس کی جگہ ایسا کپڑا بھی کافی ہے جو تمام بدن کو ڈھانپ لے۔
۳۔چادر؛ وہ کپڑا جو اس کے تمام بدن کو چھپالے اور چادر کا طول میں اس سے اتنا زیادہ ہونا مستحب ہے کہ جس سے اس کے سر اور ٹانگوں کی طرف سے باندھنا ممکن ہو اور عرض میں اتنا زیادہ کہ اس کی ایک طرف کو دوسری پر ڈالنا ممکن ہو۔

اور کفن کی جنس میں میت کے حال کے مطابق درمیانی راہ کا لحاظ کیا جائے تو نہ اس قدر گھٹیا کپڑا لینا واجب ہے اگرچہ وارث اس میں کم قیمت کپڑے کو ترجیح دے یا وارث ذمہ داری کی عمر کو نہ پہنچا ہو۔

اور ان میں سے ہر ایک کپڑے میں معتبر ہے کہ وہ بدن کو اس طرح ڈھانپ لے اس طرح کہ اس کے نیچے سے کچھ بھی نظر نہ آئے اور اس کی جنس اس کپڑے سے ہو جس میں مرد کا نماز پڑھنا صحیح ہے اور بہتر یہ ہے کہ وہ سفید روئی کا ہو۔

اور جلد میں کفن دینے میں منع کی ایک وجہ ہے جس کی طرف مصنف نے بیان میں میلان ظاہر کیا ہے اور ذکری میں تو اس کا یقین کر لیا ہے کہ اس میں کفن نہیں دے سکتے کیونکہ کپڑے میں کفن دینے کے حکم سے ہرگز جلد کا کافی ہونا نہیں سمجھا جاتا اور جلد کو شہید کے ساتھ ہو تو جدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن دروس میں کفن میں اتنی شرط بیان کرنے پر اکتفاء کیا ہے جس میں مرد کی نماز صحیح ہو جیسا ہم نے ذکر کیا ہے۔

یہ سب کفن اس وقت ہے جب اس پر قدرت ہو اور جب اس سے عاجز ہوں تو ان میں سے جتنے عدد ممکن ہوں کافی ہیں اگرچہ ایک کپڑا ہی ہو اور جنس میں ہر مباح چیز کافی ہے لیکن جلد کو ریشم کے کپڑے سے مقدم کیا جائے اور ریشم کو حرام گوشت کی جلد، اون اور بالوں سے مقدم

کیا جائے پھر نجس لباس بھی ملے تو اس میں دیا جائے اور احتمال ہے کہ نجس کو ریشم اور اس کے بعد والی چیز (حرام گوشت کی جلد) سے مقدم کیا جائے اور یا صرف حرام گوشت کی جلد سے مقدم کیا جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حلال گوشت جانور کی جلد کے علاوہ چیز میں ہر حالت میں کفن دینا ممنوع ہو۔

کفن کے مستحبات

(وَيُسْتَحَبُّ) أَنْ يُزَادَ لِلْمَيِّتِ (الْحِبَرَةُ) بِكَسْرِ الْحَاءِ وَفَتْحِ الْبَاءِ الْمُوَحَّدَةِ، وَهُوَ ثَوْبٌ يَمَنِيٌّ، وَكَوْنُهَا عِبْرِيَّةً - بِكَسْرِ الْعَيْنِ نِسْبَةً إِلَى بَلَدٍ بِالْيَمَنِ- حَمْرَاءَ، وَلَوْ تَعَذَّرَتْ الْأَوْصَافُ أَوْ بَعْضُهَا سَقَطَتْ، وَاقْتَصَرَ عَلَى الْبَاقِي وَلَوْ لِفَافَةً بَدَلَهَا.(وَالْعِمَامَةُ) لِلرَّجُلِ، وَقَدْرُهَا مَا يُؤَدِّي هَيْئَتَهَا الْمَطْلُوبَةَ شَرْعًا، بِأَنْ تَشْتَمِلَ عَلَى حَنَكٍ وَذُؤَابَتَيْنِ مِنْ الْجَانِبَيْنِ تُلْقَيَانِ عَلَى صَدْرِهِ، عَلَى خِلَافِ الْجَانِبِ الَّذِي خَرَجَتَا مِنْهُ هَذَا بِحَسَبِ الطُّولِ، وَأَمَّا الْعَرْضُ فَيُعْتَبَرُ فِيهِ إِطْلَاقُ اسْمِهَا.(وَالْخَامِسَةُ) وَهِيَ خِرْقَةٌ طُولُهَا ثَلَاثَةُ أَذْرُعٍ وَنِصْفٌ فِي عَرْضِ نِصْفِ ذِرَاعٍ إِلَى ذِرَاعٍ، يُثْفَرُ بِهَا الْمَيِّتُ ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى، وَيُلَفُّ بِالْبَاقِي حَقْوَيْهِ وَفَخِذَيْهِ، إِلَى حَيْثُ تَنْتَهِي ثُمَّ يُدْخَلُ طَرَفُهَا تَحْتَ الْجُزْءِ الَّذِي يَنْتَهِي إِلَيْهِ، سُمِّيَتْ خَامِسَةً نَظَرًا إِلَى أَنَّهَا مُنْتَهَى عَدَدِ الْكَفَنِ الْوَاجِبِ، وَهُوَ الثَّلَاثُ، وَالنَّدْبُ وَهُوَ الْحِبَرَةُ وَالْخَامِسَةُ -، وَأَمَّا الْعِمَامَةُ فَلَا تُعَدُّ مِنْ أَجْزَاءِ الْكَفَنِ اصْطِلَاحًا وَإِنْ اُسْتُحِبَّتْ . (وَلِلْمَرْأَةِ الْقِنَاعُ) يُسْتَرُ بِهِ رَأْسُهَا (بَدَلًا عَنْ الْعِمَامَةِ) وَيُزَادُ عَنْهُ لَهَا (النَّمَطُ) وَهُوَ ثَوْبٌ مِنْ صُوفٍ فِيهِ خُطَطٌ تُخَالِفُ لَوْنَهُ، شَامِلٌ لِجَمِيعِ الْبَدَنِ فَوْقَ

الْجَمِیعِ، وَکَذَا تُزَادُ عَنْہُ خِرْقَةٌ أُخْرَی یُلَفُّ بِھَا ثَدْیَاھَا وَتُشَدُّ إِلَی ظَھْرِھَا عَلَی الْمَشْھُورِ .وَلَمْ یَذْکُرْھَا الْمُصَنِّفُ ھُنَا وَلَا فِی الْبَیَانِ وَلَعَلَّہُ لِضَعْفِ الْمُسْتَنَدِ، فَإِنَّہُ خَبَرٌ مُرْسَلٌ مَقْطُوعٌ، وَرَاوِیہ سَھْلُ بْنُ زِیَادٍ

اور درج ذیل چیزیں کفن میں مستحب ہیں :

ا۔ میت کے کفن میں حِبرَہ؛ یمنی چادر کو اضافہ کیا جائے اور اس کا یمن کے علاقے عبری سے ہونا اور سرخ ہونا بہتر ہے اور اگر یہ اصاف یا ان میں سے بعض مشکل ہوں تو وہ ساقط ہونگی اور باقی پر انحصار کی جائے اگرچہ اس کے بدلے میں ایک لفافہ ہو۔

۲۔ مرد کے کفن میں عمامہ کا ہونا مستحب ہے اور اس کی مقدار یہ ہے کہ اس سے اس کی شرعا مطلوب شکل حاصل ہو جائے یعنی وہ تحت الحنک اور دونوں طرف سے دو کونوں پر مشتمل ہو جو اس کے سینے پر اس طرح ڈال دیئے جائیں کہ جس طرف سے وہ کونے نکلے وہ دوسری مخالف سمت میں پڑیں یہ تو طول میں ہے اور عرض میں اتنا معتبر ہے کہ اس کا نام بولا جائے۔

۳۔ اور کفن میں ایک پانچواں کپڑا بھی مستحب ہے اور وہ کپڑے کا وہ ٹکڑا ہے جس کا طول ساڑھے تین ذراع ہو اور عرض میں نصف ذراع سے ایک ذراع تک ہو جس سے اس کی شرمگاہ کو ڈھانپا جائے چاہے مرد ہو یا عورت اور جو باقی بچے وہ اس کے کولہوں اور رانوں پر لپیٹ دیا جائے جہاں تک پہنچے پھر اسے اس جزء کے نیچے داخل کر دیا جائے جہاں وہ ختم ہو اسے پانچواں اس لیے کہا گیا کہ وہ کفن کے واجب تین کپڑوں اور ایک مستحب یمنی چادر کے بعد پانچواں کپڑا ہے اور عمامہ تو اصطلاح میں کفن کے اجزاء میں شمار نہیں ہوتا اگرچہ وہ بھی مستحب ہے۔

۴۔اور عورت کے کفن میں عمامے کے بدلے مقنع اضافہ کیا جائے جس سے اس کا سر ڈھانپا جائے۔

۵۔اور عورت کے لیے مرد کے کفن سے وہ کپڑا بھی بڑھایا جائے جو اون کی چادر ہو جس میں اس کے رنگ کے مخالف رنگ کی لکیریں ہوں اور وہ تمام کپڑوں پر اس کے تمام بدن کو ڈھانپ لے۔

۶۔اور اسی طرح عورت کے کفن میں ایک وہ کپڑا بھی اضافہ کیا جائے جس کے ساتھ اس کے پستانوں کو لپیٹ دیا جائے اور اسے پشت کی طرف کھینچ کر باندھ دیا جائے یہ مشہور ہے اور مصنف نے اسے یہاں اور کتاب بیان میں ذکر نہیں کیا شاید اس کی دلیل ضعیف ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا ہو کیونکہ وہ ایک مرسلہ اور مرفوعہ روایت ہے اور پھر اس کا راوی بھی سہل بن زیاد ہے[1]۔

---

[1]۔اس کے ثقہ یا ضعیف ہونے میں شدید اختلاف موجود ہے اس لیے قدیم رجالی مدارک سے اس کے بارے میں رجوع کیا جائے تو نجاشی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ طوسی نے بعض کتابوں میں بہت ضعیف اور بعض میں ثقہ قرار دیا ہے اور اس کا ضعیف ہونا ہی راجح ہے اور اس پر اس قدر احمد بن محمد بن عیسی نے شک کیا کہ اسے غلو اور جھوٹ کی وجہ سے اسے قم سے ری کی طرف نکال دیا اور وہ وہیں رہتا تھا نجاشی کا قول دیکھئے؛ سهل بن زياد أبو سعيد الآدمى الرازى كان ضعيفا فى الحديث، غير معتمد فيه. وكان أحمد بن محمد بن عيسى يشهد عليه بالغلو والكذب وأخرجه من قم إلى الرى وكان يسكنها، وقد كاتب أبا محمد العسكرى عليه السلام على يد محمد بن عبد الحميد العطار للنصف من شهر ربيع الآخر سنة خمس وخمسين ومائتين. ذكر ذلک أحمد بن على بن نوح وأحمد بن الحسين رحمهما الله. له كتاب التوحيد،---وله كتاب النوادر،اور شیخ طوسی نے فہرست میں کہا؛ سہل بن زیاد الآدمی الرازی یکنی ابا سعید، ضعیف، لہ کتاب، اور رجال میں اصحاب امام جوادؑ، ہادیؑ اور عسکریؑ میں ذکر کیا اور اصحاب امام ہادیؑ میں فرمایا؛ سهل بن زياد الآدمى ، يكنى أبا سعيد ثقة رازى ، اور استبصار، ج۳ باب انہ لایصح الظھار بیمین فی ذیل حدیث ۹۳۵ میں فرمایا؛: وأما الخبر الاول فراويه أبوسعيد الآدمى ، وهوضعيف جدا عندنقاد الاخبار وقد استثناه أبوجعفر ابن بابويه فى رجال نوادر الحكمة .اور کشی نے ترجمۃ صالح بن ابی حماد رازی میں فرمایا کہ علی بن محمد قتیبی نے بیان کیا کہ فضل بن شاذان اس سے راضی تھے لیکن ابو سعید

آدمی سے راضی نہ تھے اور کہتے تھے وہ احمق ہے: کان أبومحمد الفضل (بن شاذان) يرتضيه ويمدحه ولايرتضى أبا سعيد الآدمى ويقول : هو الاحمق.

اور نجاشی و شیخ طوسی نے ترجمہ محمد بن احمد بن یحییٰ میں فرمایا؛ ابن ولید نے اس کی روایات میں سے بعض راویوں کی احادیث کو استثناء کی ان میں سہل کی روایات بھی ہیں اور اس پر شیخ صدوق اور ابن نوح نے بھی اتفاق کیا: واستثنى ابن الوليد من روايات محمد بن أحمد بن يحيى فى جملة ما استثناه روايته عن سهل بن زياد الآدمى وتبعه على ذلک الصدوق وابن نوح فلم يعتمدوا على رواية محمدبن احمد بن يحيى ، عن سهل بن زياد .

اور جن علماء نے اس کی روایات پر اعتماد کیا وہ کچھ قرائن سے اس کی وثاقت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ اس نے بہت زیادہ روایات کو نقل کیا یا وہ شیوخ اجازہ میں سے تھا لیکن یہ قرائن اولا تو خود راوی کی وثاقت پر دلالت نہیں کرتے؛ ثانیا جب کسی راوی کے بارے میں مذہب شیعہ کے معتبر اور معتمد متقدمین بزرگان نے تصریح کی ہو بھلا اس کے بارے میں اس طرح ایسے غیر معتبر قرائن کا سہارا لیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ محقق خوئی نے اس کی توثیق کے قول سے ان الفاظ میں تعجب کیا ہے: وهذه الوجوه غير تامة فى نفسها وعلى تقدير تسليمها فكيف يمكن الاعتماد عليها مع شهاده أحمد بن محمد بن عيسى عليه بالغلو والكذب وشهادة ابن الوليد وابن بابويه وابن نوح بضعفه واستثنائهم روايات محمد بن احمد بن يحيى عنه فيما استثنوه من رجال نوادر الحكمة وشهادة الشيخ بأنه ضعيف وشهادة النجاشى بأنه ضعيف فى الحديث غير معتمد عليه فيه بل الظاهر من كلام الشيخ فى الاستبصار أن ضعفه كان متسالما عليه عند نقاد الاخبار فلم يبق الا شهادة الشيخ فى رجاله بأنه ثقة ووقوعه فى اسناد تفسير على بن ابراهيم ، ومن الظاهر أنه لا يمكن الاعتماد عليهما فى قبال ما عرفت بل المظنون قويا وقوع السهو فى قلم الشيخ أو أن التوثيق من زيادة النساخ . ويدل على الثانى خلو نسخة ابن داود من التوثيق وقد صرح فى غيرموضع بأنه رأى نسخة الرجال بخط الشيخ قدس سره والوجه فى ذلک أنه كيف يمكن أن يوثقه الشيخ مع قوله : إن أبا سعيد الآدمى ضعيف جدا عند نقاد الاخبار .وكيف كان فسهل بن زياد الآدمى ضعيف جزما أو أنه لم تثبت وثاقته . اور اس کے بارے میں مشکل یہ ہے کہ یہ راوی ۲۳۱۰ روایات کی سند میں واقع ہوا ہے جو کتب اربعہ میں ہیں اور ان کا ضعیف ہونا لازم آتا ہے، لیکن بہر حال پہلے راوی کی وثاقت ثابت ہونی چاہیے پھر اس کی روایات پر اعتماد کیا جائے یہ تو نہیں کہ اگر کسی راوی نے زیادہ روایتیں کی ہوں اور ان کے ڈھیر لگا دیئے ہوں تو اسے کوشش کر کے ثقہ بنا دیا جائے شاید یہ دلیل ابوہریرہ جیسے راویوں کی وثاقت کو ثابت کرنے کے لیے دوسروں نے بھی بنائی ہے، اور آخری دور میں اس کی توثیق کے لیے

کافور سے حنوط کرنے کا وجوب

(وَيَجِبُ إمْسَاسُ مَسَاجِدِهِ السَّبْعَةِ بِالْكَافُورِ) وَأَقَلُّهُ مُسَمَّاهُ عَلَى مُسَمَّاهَا .(وَيُسْتَحَبُّ كَوْنُهُ ثَلَاثَةَ عَشَرَ دِرْهَمًا وَثُلُثًا) وَدُونَهُ فِي الْفَضْلِ أَرْبَعَةُ دَرَاهِمَ، وَدُونَهُ مِثْقَالٌ وَثُلُثٌ، وَدُونَهُ مِثْقَالٌ (وَوَضْعُ الْفَاضِلِ) مِنْهُ عَنْ الْمَسَاجِدِ (عَلَى صَدْرِهِ) لِأَنَّهُ مَسْجِدٌ فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ .

اور واجب ہے کہ میت کے سات اعضاء سجدہ کو کافور سے مسّ کیا جائے[1] اور اس کی کم مقدار یہ ہے کہ کافور سے مسّ کرنے کا نام بولا جائے اور مستحب ہے کہ کافور سوا تیرہ درہم ہو اور اس سے کم فضیلت چار درہم ہونا ہے اور اس سے کم فضیلت سوا ایک مثقال ہونا ہے اور اس سے

شیخ انصاری کا وہ جملہ ہے جو ان کی مکاسب میں آیا اور پھر وہ کتاب پڑھنے والوں کی زبان زد عام ہوگیا [مسألة لا فرق فی عدم جواز بیع المجهول بین ضم معلوم إلیه وعدمه میں فرمایا:فی مرسلة البزنطی التی إرسالها، کوجود سهل فیها، سهل] جیسے ہمارے محقق استاد جب بھی اس راوی کے بارے میں بحث کرتے تو فرماتے ؛ شیخ نے فرمایا؛انّ الامر فی السهل سهل ؛ سہل کے بارے میں معاملہ آسان ہے ، ایک دفعہ ہم نے اس کے متعلق استفسار کیا تو کہنے لگے ؛ بہرحال حق وہ ہے جو متقدمین نے کہا ہے ؛ اس کے متعلق تفصیل دیکھنے کے لیے رجوع کریں؛رجال برقی ۵۸ و ۶۰، رجال کشی ۴۶۷ن ۸۵۴، رجال نجاشی ۱|۴۱۷ن ۴۹۸، رجال طوسی ۴۰۱ن ۱ و ۴۱۶ن ۴ و ۴۳۱ن ۲، فہرست طوسی ۱۰۶ن ۳۴۱، معالم العلماء ۵۷ن ۳۸۳، رجال ابن داود ۴۶۰ن ۲۲۲، التحریر الطاووسی ۱۴۳ن ۱۸۴، رجال علامہ حلی ۲۲۸ن ۲، نقد الرجال ۱۶۵، مجمع الرجال ۳|۱۷۹، جامع الرواۃ ۱|۳۹۳، وسائل الشیعۃ ۲۰|۲۱۳ن ۵۶۸، الوجیزۃ ۱۵۴، ہدایۃ المحدثین ۷۸، بہجۃ الآمال ۴|۵۱۴، تنقیح المقال ۲|۷۵ن ۵۳۹۶، اعیان الشیعۃ ۷|۳۲۲، الذریعۃ ۴|۴۷۹ن ۲۱۳۳ و ۲۴|۳۳۲ن ۱۷۴۳، معجم رجال الحدیث ۸|۳۳۷ن ۵۶۲۹، قاموس الرجال ۵|۳۷۱، المعجم الموحّد ۱|۳۸۳.

[1] اس پر معتبر روایات دلالت کرتی ہیں اور مراسم سلار کی طرف منسوب ہے کہ وہ استحباب کے قائل ہیں لیکن ظاہر ہے کہ معتبر روایات پر عمل کرنا لازم ہے جیسا موثق عبدالرحمٰن میں ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے میت کی حنوط کے بارے میں پوچھا؟ فرمایا اسے اس کے اعضاء سجدہ پہ ڈالو، اور حمران کی معتبر روایت میں ہے امام صادقؑ نے فرمایا؛ حنوط اس کی ناک اور اعضاء سجدہ پر ڈالا جائے (وسائل باب ۱۶ ابواب تکفین ح ۱ و ب ۱۴ ح ۵ وغیرہ)

کم فضیلت ایک مثقال کافور ہونا ہے اور جو کافور اعضاء سجدہ سے بچ جائے وہ اس کے سینے پر پھینک دی جائے کیونکہ بعض حالات میں وہی سجدہ گاہ ہوتی ہے۔

کفن کے باقی مستحبات

(وَكَتَابَةُ اسْمه وَأَنَّهُ يَشْهَدُ الشَّهَادَتَيْن، وَأَسْمَاءَ الْأَئمَّة عَلَيْهِمْ السَّلَامُ) بالتُّرْبَة الْحُسَيْنيَّة، ثُمَّ بالتُّرَاب الْأَبْيَض (عَلَى الْعمَامَة وَالْقَميص وَالْإزَار وَالْحبرَة .وَالجريدتين) الْمَعْمُولَتَيْن (منْ سَعْف النَّخْل) أَوْ منْ السِّدْر، أَوْ منْ الْخلَاف، أَوْ منْ الرُّمَّان (أَوْ) منْ (شَجَر رَطْب) مُرَتَّبًا في الْفَضْل كَمَا ذُكرَ، يُجْعَلُ إحْدَاهُمَا منْ جَانبه الْأَيْمَن، وَالْأُخْرَى منْ الْأَيْسَر (فَالْيُمْنَى عنْدَ التَّرْقُوَة) وَاحدَةُ التَّرَاقي، وَهيَ الْعظَامُ الْمُكْتَنفَةُ لثُغْرَة النَّحْر (بَيْنَ الْقَميص وبَشَرَته، وَالْأُخْرَى بَيْنَ الْقَميص وَالْإزَار منْ جَانبه الْأَيْسَر)، فَوْقَ التَّرْقُوَة ولتَكُونَا خَضْرَاوَتَيْن ليُسْتَدْفَعَ عَنْهُ بهمَا الْعَذَابُ مَا دَامَتَا كَذَلكَ وَالْمَشْهُورُ أَنَّ قَدْرَ كُلِّ وَاحدَة طُولُ عَظْم ذرَاع الْمَيِّت، ثُمَّ قَدْرُ شبْر، ثُمَّ أَرْبَعُ أَصَابعَ .وَاعْلَمْ أَنَّ الْوَاردَ في الْخَبَر منْ الْكتَابَة مَا رُويَ: أَنَّ الصَّادقَ عَلَيْه السَّلَامُ كَتَبَ عَلَى حَاشيَة كَفَن ابْنه إسْمَاعيلَ:" إسْمَاعيلُ يَشْهَدُ أَنْ لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ "، وَزَادَ الْأَصْحَابُ الْبَاقيَ كتَابَةً، وَمَكْتُوبًا عَلَيْه، وَمَكْتُوبًا به للتَّبَرُّك، وَلأَنَّهُ خَيْرٌ مَحْضٌ مَعَ ثُبُوت أَصْل الشَّرْعيَّة وَبهَذَا اخْتَلَفَتْ عبَارَاتُهُمْ فيمَا يُكْتَبُ عَلَيْه منْ أَقْطَاع الْكَفَن .وَعَلَى مَا ذُكرَ لَا يَخْتَصُّ الْحُكْمُ بالْمَذْكُور بَلْ جَميعُ أَقْطَاع الْكَفَن في ذَلكَ سَوَاءٌ، بَلْ هيَ أَوْلَى منْ الْجَريدَتَيْن، لدُخُولهَا في إطْلَاق النَّصِّ بخلَافهمَا.(

وَلْيُخَطْ) الْكَفَنُ إنْ احْتَاجَ إلَى الْخِيَاطَةِ (بِخُيُوطِهِ) مُسْتَحَبًّا (وَلَا تُبَلُّ بِالرِّيقِ) عَلَى الْمَشْهُورِ فِيهِمَا، وَلَمْ نَقِفْ فِيهِمَا عَلَى أَثَرٍ .

اور نیز یہ چیزیں بھی کفن میں مستحب ہیں:

۱۔اس پر میت کا نام لکھا جائے۔

۲۔ اور اس پر یہ لکھا جائے کہ وہ شہادتین کی گواہی دیتا تھا اور ائمہ معصومینؑ کے نام بھی تربت امام حسینؑ سے اور اگر وہ نہ ملے تو سفید مٹی سے اس کے عمامے، کرتے، چادر اور یمنی مستحب چادر پر لکھے جائیں۔

۳۔ اور میت کے ساتھ دو جریدے رکھنا جو کھجور یا سدر یا خلاف یا انار کی ٹہنی یا کسی بھی درخت کی تازہ سبز ٹہنی سے لی جاتی ہے اور جیسا کہ ترتیب سے ذکر کیا گیا اس میں فضیلت بھی

---

[1]۔اس کا استحباب سنی و شیعہ سب کی کتب روائی سے ثابت ہے اور اہل سنت نے اسے متواتر اسناد کے ساتھ نقل کیا ذیل میں ان کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے: إنهما ليعذبان وما يعذبان في كبير أما أحدهما فكان لا يستنزه من البول وأما الآخر فكان يمشي بالنميمة ابن عباس کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو یہ فرمایا؛ انہیں کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا ہے بلکہ ایک پیشاب کی نجاست سے پرہیز نہ کرتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا؛ اور اس کے آخر میں ہے تو آپ نے ایک سر سبز تازہ ٹہنی لی اور اس کے دو حصے کیے اور ہر قبر پر ایک حصہ رکھ دیا اور فرمایا تاکہ ان سے اس وقت تک عذاب کم ہو جب تک یہ خشک نہ ہو؛ مر النبي بقبرين ---فأخذ جريدة خضراء رطبة فشقها نصفين فغرز في كل قبر واحدة وقال لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا .اور ابوامامہ، یعلی بن مرہ اور حضرت عائشہ نے بھی اسے نقل کیا دیکھئے :حدیث ابن عباس: ابن ابی شیبہ (۱/۱۱۵،ن ۱۳۰۴) احمد (۱/۲۲۵ ،ن۱۹۸۰) بخاری (ن ۲۱۸،و۱۳۶۱،۲۱۶، ۱۳۷۸، ۶۰۵۵، ۶۰۵۲) مسلم (۱/۲۴۰ ،ن ۲۹۲) ابو داود (۱/۶ ،ن ۲۰)، ترمذی (۱/۱۰۲ ،ن ۷۰) نسائی (۴/۱۰۶ ،ن ۲۰۶۹) ابن ماجہ (۱/۱۲۵ ،ن ۳۴۷) .حدیث ابی امامہ: طبرانی (۸/۲۱۶ ،ن ۷۸۶۹) احمد (۵/۲۶۶،ن ۲۲۳۴۶) حدیث یعلی بن مرہ: طبرانی (۲۲/۲۷۵ ،ن ۷۰۵) اور کہا یہ یعلی بن سیابہ سے منقول ہے اور حافظ (۶/۶۸۶ ، ترجمۃ ۹۳۶۷ یعلی بن سیابۃ) نے کہا؛ وہ ابن مرہ ہے اور ان دونوں میں ابو حاتم، ابن قانع اور طبرانی نے فرق کیا اور ابن حبان نے کہا؛ من قال في يعلى بن مرة بن سيابة فقد وهم؛ جس نے یعلی بن مرہ بن سیابہ کہا اس نے وہم کیا پھر حافظ نے

اگلے ترجمہ یعنی ترجمہ یعلی بن مرۃ میں کہا اور ذکر کیا گیا کہ سیابہ اس کی ماں تھی انتہی. حدیث عائشہ: طبرانی، الأوسط (۳۳۷/۶ ،ن۶۵۶۵). ائتونی بجریدتین فجعل إحداهما عند رأسه والأخرى عند رجليه وقال لم يزل يخفف عنه بعض عذاب القبر ما كان فيها نُدُوٌّ؛ یہ متن إبی ہریرہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبر سے گزرے تو یہ فرمایا: قال مر علی قبر فذکرہ) إحمد (۴۴۱/۲ ،ن ۹۶۸۴) ،ہیثمی (۵۷/۳) نے کہا: رجالہ رجال الصحیح.

ادھر ان کے علماء کا اس حدیث پر عمل بھی دیکھ لیں کہ سینکڑوں فقہی کتابوں میں سے اس حدیث کا نام نہیں لیتے بلکہ اسے محلّ اختلاف بنا دیا ہے؛دیکھئے فتاوی عبداللہ فقیہ فتوی ۲۴۵۰۵؛ وضع الأغصان الرطبة علی القبر محل خلاف؛تاریخ الفتوی: ۲۶ شعبان ۱۴۲۳ السؤال؛أريد أن تعطونى الجواب الشافى بالأدلة على حكم وضع الزهور والنباتات على القبور لأن من يجيز ذلك يستدل بحديث الجريدة التى شقها الرسول نصفين ووضع على كل قبر نصفا وقال: (لعله يخفف عنهما مالم ييبسا). الفتوى؛ الأصل فى المسألة المطروحة هو حديث ابن عباس رضى الله عنهما فى الصحيحين وغيرهما قال: "مر النبى ص بحائط من حيطان المدينة أو مكة، فسمع صوت إنسانين يعذبان فى قبورهما، فقال النبى ص: يعذبان وما يعذبان فى كبير، ثم قال: بلى، كان أحدهما لا يستتر من بوله، وكان الآخر يمشى بالنميمة، ثم دعا بجريدة فكسرها كسرتين، فوضع على كل قبر منهما كسرة، فقيل له: يا رسول الله، لم فعلت هذا؟ قال: لعله أن يخفف عنهما ما لم تيبسا، أو إلى أن ييبسا".

فقہاء نے جرید تین رکھنے کی مراد کے بارے وسیع اختلاف کیا ہے؛ابن حجر نے کہا: (قال المازری: یحتمل إن یکون إُوحی إلیه إن العذاب یخفف عنهما ہذہ المدۃ. ـ وقال إیضاً: قال القرطبّی: وقُیل: إنه شفع لهما ہذہ المدۃ کما صرح بہ فی حدیث جابر.) اور کہا: (وقال الخطابی: ہو محمول علی إنه دعا لهما بالتخفیف مدۃ بقاء النداوۃ لا إن فی الجرید معنی یخصه، ولا إن فی الرطب معنی لیس فی الیابس، وقد قیل: إن المعنی فیه إن یسبح ما دام رطباً، فیحصل التخفیف ببرکۃ التسبیح، وعلی ہذا فیطرد فی کل ما فیه رطوبۃ من الأشجار وغیرہا.) نیز کہا (قال الطیبی: الحکمۃ فی کونهما ما دامتا رطبتین تمنعان العذاب یحتمل إن تکون غیر معلومۃ لنا کعدد الزبانیۃ.) .ہ وقال إیضاً: (قال الطرطوشی: ذلک خاص ببرکۃ یدہ ص.) .ہ وقال إیضاً: (قال القاضی عیاض: لأنه علل غرزهما علی القبر بأمر مغیب، وہو قوله: لیعذبان، قلّت: لا یلزم من کوننا لا نعلم إیعذب إم لا؟ إن لا ندعو له بالرحمۃ، ولیس فی السیاق ما یقطع علی إنه باشر الوضع بیدہ الکریمۃ، بل یحتمل إن یکون إمر بہ، وقد تأسی بہ بریدۃ بن الحصیب الصحابی بذلک فأوصی إن یوضع علی قبرہ جریدتان، وہو إولی إن یتبع من غیرہ.) ـ وحدیث بریدۃ ہو ما ذکرہ البخاری تحت باب (الجرید علی القبر) قال البخاری: (وإوصی بریدۃ الأسلمی إن یجعل فی قبرہ جریدان.) ـ

مختلف ہے تو ان میں سے ایک جریدہ اس کے دائیں جانب اور دوسری بائیں جانب رکھی جائے اور دائیں جانب والی ہنسلی کی ہڈی کے پاس کرتے اور جلد کے درمیان رکھی جائے اور ہنسلی وہ ہڈیاں ہیں جو شہ رگ کو ڈھانپے ہوئے ہیں اور دوسری بائیں جانب کرتے اور چادر کے درمیان ہنسلی کی ہڈی پر رکھی جائے اور ان کو سرسبز ہونا چاہیے تاکہ جب تک وہ سرسبز رہیں اس وقت تک ان کے صدقے میں عذاب ٹلا رہے[1] اور مشہور یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی لمبائی میت کے بازو کی لمبائی جتنی ہو پھر ایک بالشت پھر چار انگلی ہو تو کافی ہے۔

اور جان لو کہ روایت میں کتابت کے بارے میں یہ وارد ہے کہ جو منقول ہے کہ امام صادق نے اپنے فرزند اسماعیل کے کفن کے کنارے پر لکھا؛ اسماعیل گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالی کے

ابن حجر نے فتح الباری میں کہا: (قال الزین بن المنیر: والذی یظهر من تصرفه -یعنی البخاری- ترجیح الوضع.) ۔ وقال ابن حجر الهیتمی فی الفتاوی الکبری (شافعی): (استنبط العلماء من غرس الجریدتین علی القبر، غرس الأشجار والریاحین علی القبر.) ۔ وقال صاحب الفتاوی الهندیة (العالمگیریة): (وضع الورود والریاحین علی القبور حسن، وإن تُصدق بقیمة الورد کان إحسن، کذا فی الغرائب.) ۔ وقال صاحب مطالب إولی النهی (حنبلی): (وسن لزائره فعل مایخفف عنه -إی المیت- ولو بجعل جریدة رطبة فی القبر للخبر، وإوصی به بریدة، وفی معناه غرس غیرها، وإنکر ذلک جماعة من العلماء.) ۔ وقال فی تحفة المحتاج (شافعی): (یسن وضع جریدة خضراء علی القبر للاتباع، وسنده صحیح، ولأنه یخفف عنه ببرکة تسبیحها، إذ هو إکمل من تسبیح الیابسة، لما فی تلک من نوع حیاة، وقیس بها ما اعتید من طرح الریحان ونحوه.) ویتلخص من هذا إن وضع الزهور إو الأغصان الرطبة علی القبر محل خلاف بین إهل العلم فی مشروعیته إو عدم مشروعیته، وکلهم یحتج بالحدیث.

اور آخر میں یہ کہا ہے: والذی یترجح لنا من ذلک قول من یقول بعدم المشروعیة، وإنه من خصائص النبی صلی اللہ علیه وسلم لرجحین: الأول: إخبار النبی ص بإنه یرفه عنهما بشفاعته، ففی صحیح مسلم من حدیث جابر الطویل قال: "إنی مررت بقبرین یعذبان، فأحببت بشفاعتی إن یرفه عنهما ما دام الغصنان رطبین". الثانی: إن کون صاحب القبر یعذب إو لا یعذب إمر غیبی، وجزمنا بإنه یعذب، ثم غرس شیء علی القبر حتی یخفف عنه إساءة ظن بالمیت.

[1]۔ یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ خدا کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے اور اس نے کیسے کیسے وسیلے مقرر کیئے ہیں اب جس چیز کو اس نے اپنی رحمت کا وسیلہ بنایا ہے اس کا ماننا ہی عین دین ہے اگر مٹی پر سجدہ کہا تو کپڑے پہ نہ ہوگا اگر پاوں کا مسح کہا تو دھونے سے وضو اور نماز نہیں ہوگی اور اگر نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہیں تو چار پر اکتفاء کرنا صحیح نہیں ہوگا الغرض نماز وہی ہے جو سنت کے مطابق ہو نہ وہ جو بدعت ہو وہ تو سب مشقت ہے۔

سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے اور بعض علماء نے اس کے ساتھ باقی چیزوں کے لکھنے کا اضافہ کیا ہے اور اس چیز کا جس پر وہ لکھی جائیں اور جس کے ساتھ وہ عبارتیں لکھی جائیں یہ تبرک کی خاطر ایسا کیا ہے اور اس لیے کہ وہ محض نیکی ہے اور اصل میں ان کا جائز ہونا بھی ثابت ہے اور اسی لیے علماء کی عبارتیں ان کے بارے میں مختلف ہیں کفن کے جن حصوں پر ان کو لکھا جائے اور اس بناء پر لکھنے کا یہ حکم انہی چیزوں (عمامہ و کرتہ اور چادر اور جریدتین) سے مختص نہیں ہے بلکہ کفن کے تمام حصے اس میں برابر ہیں بلکہ کفن کے حصے جریدتین سے بہتر ہیں کیونکہ وہ تو کفن پر لکھنے کی روایت کے وسیع مفہوم میں داخل ہو جاتے ہیں لیکن جریدتین اس میں داخل نہیں۔

۴۔ اور کفن کو اگر سینے کی ضرورت ہو تو اسے اس کے دھاگوں سے سینا مستحب ہے اور ان کو لعاب دھن سے تر نہیں کرنا چاہیے یہ دونوں چیزیں مشہور ہیں لیکن ہمیں ان کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملی۔

کفن کے مکروہات

(وَيُكْرَهُ الْأَكْمَامُ الْمُبْتَدَأَةُ) لِلْقَمِيصِ،وَاحْتُرِزَ بِهِ عَمَّا لَوْ كُفِّنَ فِي قَمِيصِهِ، فَإِنَّهُ لَا كَرَاهَةَ فِي كُمِّهِ بَلْ تُقْطَعُ مِنْهُ الْأَزْرَارُ (وَقَطْعُ الْكَفَنِ بِالْحَدِيدِ) قَالَ الشَّيْخُ : سَمِعْنَاهُ مُذَاكَرَةً مِنْ الشُّيُوخِ، وَعَلَيْهِ كَانَ عَمَلُهُمْ .

(وَجَعْلُ الْكَافُورِ فِي سَمْعِهِ وَبَصَرِهِ عَلَى الْأَشْهَرِ)خِلَافًا لِلصَّدُوقِ حَيْثُ اسْتَحَبَّهُ اسْتِنَادًا إلَى رِوَايَةٍ مُعَارَضَةٍ بِأَصَحَّ مِنْهَا وَأَشْهَرَ .

چند چیزیں کفن میں مکروہ ہیں:

۱۔ کرتے میں ابتدائی طور پر آستینیں بنانا مکروہ ہے اور اس کے ذریعے پرہیز کیا اس صورت سے جب اسے اس کے قمیض میں کفن دیا جائے تو اس وقت اس کی آستینوں میں کراہت نہیں ہے بلکہ اس کے بٹن اس سے توڑ دیئے جائیں۔

۲۔ کفن کو لوہے سے کاٹنا مکروہ ہے اور شیخ طوسی سے کہا کہ یہ چیز ہم نے اپنے اساتذہ سے شفاہا سنی ہے اور اس پر وہ عمل کرتے ہیں۔

۳۔ اور مشہور تر قول کی بناء پر میت کے کانوں اور آنکھوں میں کافور ڈالنا بھی مکروہ ہے لیکن یہ بات شیخ صدوق کے نظریئے کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے کانوں اور آنکھوں میں کافور ڈالنے کو مستحب قرار دیا اس روایت کی وجہ سے جس کے ساتھ اس سے صحیح تر اور مشہور تر روایات مخالفت کرتی ہیں[1]۔

---

[1]۔ بعض روایات میں اس کے کانوں اور آنکھوں میں کافور نہ ڈالنے کا ذکر ہے جیسا کہ بعض حواشی میں مضمرہ یونس اور خبر عبدالرحمٰن کی طرف اشارہ کیا گیا (وسائل ب ۱۴ ح ۳ و ب ۱۶ ح ۴ ابواب تکفین) لیکن جیسا کہ شہید ثانی نے کہا کچھ صحیح روایات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں جیسے حمران بن اعین کی صحیحہ: الطوسی باسنادہ عن الحسن بن محبوب، عن ابی ایوب، عن حمران بن اعین قال : قال أبو عبدالله (عليه السلام) : إذا غسلتم الميت منكم فارفقوا به ، ولا تعصروه ، ولا تغمزوا له مفصلا ، ولا تقربوا أذنيه شيئا من الكافور ، ثم خذوا عمامته فانشروها مثنية على رأسه ، واطرح طرفيها من خلفه ، وأبرز جبهته ، قلت : فالحنوط ، كيف أصنع به ؟ قال : يوضع فى منخره ، وموضع سجوده ، ومفاصله ، فقلت : فالكفن ؟ فقال : يؤخذ خرقة فيشد بها سفله ، ويضم فخذيه بها ليضم ما هناک ، وما يصنع من القطن أفضل ، ثم يكفن بقميص ولفافة وبرد يجمع فيه الكفن. امام صادقؑ نے فرمایا: جب میت کو غسل دو تو اس کے ساتھ نرمی کرو، نہ اس کے پیٹ کو نچوڑو اور نہ ہی اس کے جوڑوں کو دباو اور نہ ہی کافور اس کے کانوں کے قریب لے جاو پھر عمامہ لے کر اس کے سر پر باندھو اور اس کے دونوں سروں کو اس کے سینے پر ڈال دو اور پیشانی کو کھلا رکھو راوی نے عرض کی اور حنوط کس طرح کریں؟ فرمایا؛ اس کے نتھنوں، اعضاء سجدہ اور تمام جوڑوں پر لگاو عرض کی؛ اور کفن کس طرح کریں؟ فرمایا ایک ران پیچ لے لیکر اس کے نچلے حصہ کو اور رانوں کو خوب کس کر باندھو کفن کپاس کے کپڑے سے افضل ہے پھر قمیض، بڑی چادر اور برد یمانی میں کفن دو کہ اس میں تمام کفن جمع کر دیا گیا ہے (وسائل باب ۱۴ ح ۵ [التہذیب ۱: ۴۴۷ | ۱۴۴۵، والاستبصار ۱: ۲۰۵ | ۷۲۳]) لیکن اس کے مقابلے میں صحیح ابن سنان

میت کو غسل دینے والے کے لیے کفن دینے سے پہلے طہارت حاصل کرنا

(وَيُسْتَحَبُّ اغْتِسَالُ الْغَاسِلِ قَبْلَ تَكْفِينِه) غُسْلَ الْمَسِّ إنْ أَرَادَ هُوَ التَّكْفِينَ (أَوْ الْوُضُوءُ) الَّذِي يُجَامِعُ غُسْلَ الْمَسِّ لِلصَّلَاة، فَيَنْوِي فِيهِ الِاسْتِبَاحَةَ أَوْ الرَّفْعَ أَوْ إيقَاعَ التَّكْفِينِ عَلَى الْوَجْهِ الْأَكْمَلِ، فَإِنَّهُ مِنْ جُمْلَةِ الْغَايَاتِ الْمُتَوَقِّفَةِ عَلَى الطَّهَارَةِ .وَلَوْ اضْطَرَّ لِخَوْفٍ عَلَى الْمَيِّتِ، أَوْ تَعَذَّرَتْ الطَّهَارَةُ غَسَلَ يَدَيْهِ مِنْ الْمَنْكِبَيْنِ ثَلَاثًا ثُمَّ كَفَّنَهُ، وَلَوْ كَفَّنَهُ غَيْرُ الْغَاسِلِ فَالْأَقْرَبُ اسْتِحْبَابُ كَوْنِه مُتَطَهِّرًا، لِفَحْوَى اغْتِسَالِ الْغَاسِلِ أَوْ وُضُوئِه

میں ہے ؛ باسنادہ عن علی بن الحسین ، عن محمد بن احمد بن علی ، عن عبداللہ بن الصلت ، عن النضر بن سوید ، عن عبداللہ بن سنان قال : قلت لأبی عبدالله (عليه السلام) : كيف أصنع بالحنوط ؟ قال : تضع فی فمه ومسامعه ، وآثار السجود من وجهه ويديه وركبتيه . میں نے امام صادقؑ سے عرض کی حنوط کیسے کروں؟ فرمایا س کے منہ، کانوں اور اعضاء سجدہ چہرہ، ہاتھوں اور گھٹنوں پر کافور ڈالی جائے اور صحیح زرارہ میں ہے ؛عنہ ، عن محمد بن خالد ، عن ابن ابی عمیر ، عن حماد ، عن حریز ، عن زرارۃ ، عن ابی جعفر وابی عبداللہ (علیہما السلام) قال: إذا جففت الميت عمدت إلى الكافور فمسحت به اثار السجود ، ومفاصله كلها ،واجعل فی فيه ومسامعه ورأسه ولحيته من الحنوط ، وعلى صدره وفرجه ، وقال : حنوط الرجل والمرأة سواء .:جب میت غسل کے بعد خشک ہو جائے تو کافور لگاو تو اس کے اعضاء سجدہ اور تمام جوڑوں کو اس سے مسح کرو اور کافور اس کے منہ، کانوں اور سر اور داڑھی میں رکھو اور اس کے سینے اور شرمگاہ پر بھی رکھو (وسائل باب۱۶ح۳[التہذیب ا : ۳۰۷ | ۸۹۱ ، الاستبصار ا : ۲۱۲ | ۷۴۹ .] اور باب۱۴ح۴[التہذیب ا: ۴۳۶ | ۱۴۰۳، والاستبصار ا: ۲۱۳ | ۷۵۰ .]) اور دونوں طرف بعض دوسری احادیث بھی دلالت کرتی ہیں تو یہ کہنا کہ پہلی طرف کی روایات زیادہ صحیح ہیں یہ بات قرین قیاس نہیں لیکن مشہور کا فتوی انہی کے مطابق ہے اگرچہ دونوں کے درمیان جمع کرنے کے لیے پہلی قسم کی روایات سے مراد کراہت لی گئی ہے۔

اور میت کو غسل دینے والا اگر میت کو کفن دینا چاہیے تو مستحب ہے کہ کفن دینے سے پہلے غسل مسّ میت کرلے یا وضو کرلے[1] وہ وضو جو نماز کے لیے غسل مسّ میت کے ساتھ کیا جاتا ہے تو اس میں مباح ہونے کی نیت کرے یا رفع حدث کی نیت کرے یا یہ نیت کرے کہ کفن دینے کو کامل طریقے سے انجام دے سکے کیونکہ کفن دینا بھی ان اغراض میں سے ہے جو

---

[1] اس حکم کے مشہور ہونے کے باوجود علماء نے اعتراف کیا ہے کہ اس کی کوئی دلیل انہیں نہیں ملی جیسا کہ صاحب جواہر نے فرمایا اور معتبر میں محقق حلی نے اس کی یہ دلیل دی کہ غسل یا وضو کرنا مس میت کرنے والے کے لیے واجب یا مستحب ہے اور اس کا اسے فوری حکم دیا گیا ہے تو اس کے انجام دینے کی جلدی کرنا افضل ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ غسل میت یا وضو کرنے میں جلدی کرنا میت کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنے والے حکم کے ساتھ منافی ہے بلکہ بعض روایات میں بھی حکم ہوا ہے کہ غسل مس میت کو موخر کیا جائے اور میت کو کفن دیا جائے جیسا یعقوب بن یقطین ثقہ کی صحیح روایت میں ہے؛ بإسناده عن الحسين بن سعيد، عن يعقوب بن يقطين قال : سألت العبد الصالح (عليه السلام) عن غسل الميت ، أفيه وضوء الصلاة أم لا ؟ فقال : غسل الميت تبدأ بمرافقه فيغسل بالحرض ، ثم يغسل وجهه ورأسه بالسدر ، ثم يفاض عليه الماء ثلاث مرات ، ولا تغسلن إلا في قميص ، تدخل رجل يده ويصب عليه من فوقه ، ويجعل في الماء شيء من السدر وشيء من كافور ، ولا يعصر بطنه إلا أن يخاف شيئا قريبا فيمسح [مسحاً] رفيقا من غير أن يعصر ، ثم يغسل الذي غسله يده قبل أن يكفنه إلى المنكبين ثلاث مرات ، ثم إذا كفنه اغتسل [تہذیب۱: ۴۴۶ح ۱۴۴۴، استبصار۱: ۲۰۸ح۷۳۱.].

میں نے امام کاظمؑ سے غسل میت کے بارے میں سوال کیا؛ کیا اس میں وضو ہے یا نہیں؟ فرمایا؛ غسل میت کی ابتداء میت کے ہاتھوں سے کی جائے اور انہیں کہنیوں تک اشنان سے دھویا جائے پھر پانی میں بیری کے کچھ پتے ڈال دیئے جائیں اس سے اس کا منہ اور سر دھو کر پھر تمام جسم تین بار دھویا جائے اور قمیض کے ساتھ اس کے نیچے ہاتھ لے جا کر غسل دیا جائے اور پانی اوپر ڈالا جائے اور پیٹ کو نہ نچوڑا جائے اگر کسی چیز کے نکلنے کا خوف ہو تو نرمی سے اسے ملا جائے پھر پانی میں کچھ کافور ملا کر غسل دیا جائے (پھر خالص پانی سے غسل دیں) پھر غسل دینے والا تین بار کاندھوں تک اپنے ہاتھ دھوئے پھر میت کو کفن دے کر خود غسل کرے۔ اور اسی طرح ابو بصیر و ابن مسلم کی امام صادقؑ سے روایت ہے امام علیؑ نے فرمایا جو شخص تم میں سے میت کو غسل دے تو اسے کفن پہنانے کے بعد غسل کرے (وسائل ابواب غسل مسّ میت باب ۱ح ۱۳) تو معلوم ہوا کہ اس استحباب مشہور کی نہ صرف کوئی دلیل نہیں بلکہ ادلہ اس کے خلاف موجود ہیں اس لیے اس کے التزام کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

طہارت پر موقوف ہیں اور اگر میت پر خوف ہونے کی وجہ سے مجبور ہو یا اس کے لیے (غسل یا وضو کرکے) طہارت حاصل کرنا مشکل ہو تو اپنے دونوں ہاتھوں پر کندھوں تک تین بار دھولے پھر میت کو کفن دے اور اگر غسل میت دینے والے کے علاوہ کوئی شخص اسے کفن دینا چاہے تو قریب تر یہ ہے کہ وہ طہارت کے ساتھ ہو اور یہ غسل میت دینے والے کے لیے غسل مس ّ کرنے یا وضو کرنے کے حکم کے مفہوم سے سمجھا جاتا ہے۔

۴۔ نماز جنازہ کے احکام

(الرَّابِعُ – الصَّلَاةُ عَلَيْهِ) (وَتَجِبُ) الصَّلَاةُ (عَلَى كُلِّ مَنْ بَلَغَ) أَيْ أَكْمَلَ (سِتًّا مِمَّنْ لَهُ حُكْمُ الْإِسْلَامِ) مِنْ الْأَقْسَامِ الْمَذْكُورَةِ فِي غُسْلِهِ، عَدَا الْفِرَقِ الْمَحْكُومِ بِكُفْرِهَا مِنْ الْمُسْلِمِينَ .

اور نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے ہر اس شخص پر جو چھ سال مکمل کر چکا ہو[۱] اور ان لوگوں میں سے ہو جن کے مسلمان ہونے کا لگا یا گیا ہو جن اقسام کا ذکر غسل میت میں ہو چکا سوائے ان مسلمان فرقوں کے جن کے کفر کا حکم لگا یا گیا ہے۔

نماز جنازہ کے واجبات

(وَوَاجِبُهَا الْقِيَامُ) مَعَ الْقُدْرَةِ، فَلَوْ عَجَزَ عَنْهُ صَلَّى بِحَسَبِ الْمُكْنَةِ كَالْيَوْمِيَّةِ .وَهَلْ يَسْقُطُ فَرْضُ الْكِفَايَةِ عَنْ الْقَادِرِ بِصَلَاةِ الْعَاجِزِ ؟ نَظَرٌ : وَمِنْ صِدْقِ الصَّلَاةِ الصَّحِيحَةِ عَلَيْهِ، وَمِنْ نَقْصِهَا عَنْهُ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْكَامِلَةِ، وَتَوَقَّفَ فِي

---

[۱]۔ مسلمانوں کے بچوں پر نماز واجب نہیں ہوتی مگر جب چھ سال کو پہنچ جائیں اس پر صحیح زرارہ و حلبی دلالت کرتی ہے امام صادقؑ سے بچے پر نماز جنازہ کے بارے میں سوال کیا گیا اس پر کب نماز پڑھی جائے؟ فرمایا؛ جب وہ نماز کو سمجھتا ہو اور میں نے پوچھا؛ اس پر نماز کب واجب ہو گی ؟ فرمایا؛ جب وہ چھ سال کی ہو جائے (وسائل باب ۱۳ ابواب صلاۃ جنازہ ح۱) اور صحیح زرارہ میں امام باقرؑ سے منقول ہے؛ تین سال کے بچے پر نماز جنازہ نہیں ہوتی، امام علیؑ حکم دیا کرتے کہ دفن کیا جائے اور اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے لیکن لوگوں نے ایک چیز بنائی تو ہمیں بھی اس کی طرح کام کریں، راوی نے عرض کی ؛ اس پر نماز کب واجب ہوتا ہے ؟ فرمایا؛ جب نماز کی سمجھ آ جائے اور وہ چھ سال کا ہو جائے (سابقہ حوالہ ح۳)

الذِّكْرَى لِذَلِكَ .(وَاسْتِقْبَالُ) الْمُصَلِّى (الْقِبْلَةَ، وَجَعْلُ رَأْسِ الْمَيِّتِ إلَى يَمِينِ الْمُصَلِّى) مُسْتَلْقِيًا عَلَى ظَهْرِهِ بَيْنَ يَدَيْهِ، إلَّا أَنْ يَكُونَ مَأْمُومًا فَيَكْفِى كَوْنُهُ بَيْنَ يَدَىْ الْإِمَامِ وَمُشَاهَدَتِهِ لَهُ، وَتُغْتَفَرُ الْحَيْلُولَةُ بِمَأْمُومٍ مِثْلِهِ، وَعَدَمِ تَبَاعُدِهِ عَنْهُ بِالْمُعْتَدِّ بِهِ عُرْفًا، وَفِى اعْتِبَارِ سَتْرِ عَوْرَةِ الْمُصَلِّى وَطَهَارَتِهِ مِنْ الْخَبَثِ فِى ثَوْبِهِ وَبَدَنِهِ وَجْهَانِ .(وَالنِّيَّةُ) الْمُشْتَمِلَةُ عَلَى قَصْدِ الْفِعْلِ، وَهُوَ الصَّلَاةُ عَلَى الْمَيِّتِ الْمُتَّحِدِ أَوْ الْمُتَعَدِّدِ، وَإِنْ لَمْ يَعْرِفْهُ، حَتَّى لَوْ جَهِلَ ذُكُورِيَّتَهُ وَأُنُوثِيَّتَهُ، جَازَ تَذْكِيرُ الضَّمِيرِ وَتَأْنِيثُهُ مُؤَوَّلًا بِالْمَيِّتِ وَالْجِنَازَةِ مُتَقَرِّبًا .وَفِى اعْتِبَارِ نِيَّةِ الْوَجْهِ مِنْ وُجُوبٍ وَنَدْبٍ - كَغَيْرِهَا مِنْ الْعِبَادَاتِ - قَوْلَانِ لِلْمُصَنِّفِ فِى الذِّكْرَى مُقَارِنَةً لِلتَّكْبِيرِ مُسْتَدَامَةَ الْحُكْمِ إلَى آخِرِهَا .(وَتَكْبِيرَاتٌ خَمْسٌ) إحْدَاهَا تَكْبِيرَةُ الْإِحْرَامِ فِى غَيْرِ الْمُخَالِفِ (يَتَشَهَّدُ الشَّهَادَتَيْنِ عَقِيبَ الْأُولَى، وَيُصَلِّى عَلَى النَّبِيِّ وَآلِهِ عَقِيبَ الثَّانِيَةِ) وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُضِيفَ إلَيْهَا الصَّلَاةَ عَلَى بَاقِى الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمْ السَّلَامُ (وَيَدْعُو لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ) بِأَيِّ دُعَاءٍ اُتُّفِقَ وَإِنْ كَانَ الْمَنْقُولُ أَفْضَلَ (عَقِيبَ الثَّالِثَةِ وَ) يَدْعُو (لِلْمَيِّتِ) الْمُكَلَّفِ الْمُؤْمِنِ (عَقِيبَ الرَّابِعَةِ، وَفِى الْمُسْتَضْعَفِ) وَهُوَ الَّذِى لَا يَعْرِفُ الْحَقَّ وَلَا يُعَانِدُ فِيهِ وَلَا يُوَالِى أَحَدًا بِعَيْنِهِ (بِدُعَائِهِ) وَهُوَ : " اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ".(وَيَدْعُوَ) فِى الصَّلَاةِ (عَلَى الطِّفْلِ) الْمُتَوَلِّدِ مِنْ مُؤْمِنَيْنِ (لِأَبَوَيْهِ) أَوْ مِنْ مُؤْمِنٍ لَهُ، وَلَوْ كَانَا غَيْرَ مُؤْمِنَيْنِ دَعَا عَقِيبَهَا بِمَا أَحَبَّ، وَالظَّاهِرُ حِينَئِذٍ عَدَمُ وُجُوبِهِ أَصْلًا.وَالْمُرَادُ بِالطِّفْلِ غَيْرُ الْبَالِغِ،

وَإِنْ وَجَبَتْ الصَّلَاةُ عَلَيْه.(وَالْمُنَافِقُ) وَهُوَ هُنَا الْمُخَالِفُ مُطْلَقًا (يَقْتَصِرُ) فِي الصَّلَاةِ عَلَيْهِ (عَلَى أَرْبَعِ) تَكْبِيرَات (وَيَلْعَنُهُ) عَقِيبَ الرَّابِعَةِ، وَفِي وُجُوبِهِ وَجْهَانِ، وَظَاهِرُهُ هُنَا وَفِي الْبَيَانِ الْوُجُوبُ، وَرُجِّحَ فِي الذِّكْرَى وَالدُّرُوسِ عَدَمُهُ .وَالْأَرْكَانُ مِنْ هَذِهِ الْوَاجِبَاتِ سَبْعَةٌ أَوْ سِتَّةٌ : النِّيَّةُ، وَالْقِيَامُ لِلْقَادِرِ، وَالتَّكْبِيرَاتُ (وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهَا الطَّهَارَةُ) مِنْ الْحَدَثِ إِجْمَاعًا .(وَلَا التَّسْلِيمُ) عِنْدَنَا، إِجْمَاعًا، بَلْ لَا يَشْرَعُ بِخُصُوصِهِ إِلَّا مَعَ التَّقِيَّةِ، فَيَجِبُ لَوْ تَوَقَّفَتْ عَلَيْهِ .

اور نماز میت کے واجبات یہ ہیں:

۱۔ قدرت کی صورت میں کھڑا ہونا واجب ہے اور اگر اس سے عاجز ہو تو جتنا ممکن ہو اس طرح نماز پڑھے جیسے روزانہ کی نماز کے قیام کا حکم ہے اور کیا قیام کی قدرت رکھنے والے سے واجب کفائی ساقط ہو جائے گا جب کوئی ایسا شخص اس پر نماز پڑھ دے جو قیام سے عاجز تھا؟ اس میں اشکال ہے اس لیے کہ اس عاجز کی نماز صحیح نماز ہے تو قادر سے نماز جنازہ کا فرض ساقط ہونا چاہیے اور اس لیے کہ عاجز کی نماز قدرت مند انسان کے کامل نماز پڑھنے کی طاقت ہونے کے باوجود اس کو ناقص ادا کیا گیا تو اس کو کافی نہیں ہونا چاہیے، یہی وجہ تھی کہ مصنف نے کتاب ذکری میں توقف اختیار کیا ہے۔

۲۔ نماز جنازہ پڑھنے والے کو قبلہ رو ہونا چاہیے۔

۳۔ میت کا سر نماز جنازہ پڑھنے والے کے دائیں جانب ہونا چاہیے اس حالت میں کہ جنازہ اس کے سامنے پشت پر سیدھا لیٹا ہوا ہو مگر یہ کہ نماز جنازہ پڑھنے والا کسی پیش نماز کے پیچھے نماز پڑھے تو کافی ہے کہ جنازہ پیش نماز کے سامنے پڑا ہو اور مقتدی امام جماعت کو دیکھ سکتا ہو اور مقتدی اور امام جماعت کے درمیان میں دوسرے مقتدیوں کا فاصلہ ہونا بھی معاف ہے اور۔

۴۔اور نماز جنازہ پڑھنے والا جنازے سے عرفا بہت زیادہ دور نہ ہو، اور کیا نماز گزار کا ستر عورتین کرنااوراسکے کپڑے اور بدن کا ظاہری نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے یا نہیں اس میں دو وجہیں ہیں[1]۔

۵۔ نماز جنازہ میں نیت ضروری ہے جس میں اسے انجام دینے کا قصد ہواور وہ ایک یا چند میتوں پر نماز پڑھنا ہے اگرچہ وہ اسے نہ جانتا ہو حتیٰ اگر میت کے مذکر و مونث ہونے کو بھی نہ جانتا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ ضمیر کو مذکر یا مونث لائے ضمیر مذکر کے لیے اس کی تاویل میت سے کرے اور مونث کی ضمیر کے لیے جنازہ میں تاویل کرے اور اس نیت میں قربت خدا

---

[1]۔ نماز جنازہ پڑھنے والے کے لیے بغیر غسل و وضو کے ہونا تو بہر حال نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لیے مشکل نہیں اور اس پر بعض روایات بھی دلالت کرتی ہیں لیکن ظاہری نجاست سے پاک ہونا شرط ہے یا نہیں اس میں شہید اول نے ذکری میں تردد کیا ہے کہ انہیں اس بارے میں کوئی روایت یا فتوی نہیں ملا اور ظاہری نجاست سے پاکی شرط نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حائض کو نماز جنازہ میں شرکت کی اجازت دی گئی ہے یعنی اس کی ظاہری نجاست کو بھی معاف کیا گیا ہے اور بعض روایات میں اسے تکبیر اور تسبیح کی طرح قرار دیا گیا جسے انسان بغیر وضو کے گھر میں انجام دیتا ہے اور شہید کا تردد نماز میت کے نماز ہونے کی وجہ سے ہے اگر یہ نماز ہے تو اس کی تمام شرائط کا بھی اس میں لحاظ کرنا پڑے گا لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ کا نماز ہونا مجازا ہے بھلا جس میں نہ وضو اور غسل کی ضرورت ہو اور نہ رکوع و سجود اور حمد و سورت اور سلام و تشہد اسے نماز کیسے ہین حالانکہ منقول ہے کہ طہارت اور حمد کے بغیر نماز نہیں اور پانچ چیزوں کے بغیر ہو تو نماز دوبارہ پڑھی ہاں یہ خدا سے ایک دعا ہے اور وضو اس نماز میں واجب ہوتا ہے جس میں رکوع سجود ہوں۔اور جہاں تک اس میں ستر عورتیں کا شرط ہونا ہے تو شہید نے ذکری میں اس میں نماز یومیہ کی تمام شرائط پوری کرنے کا حکم دیا مگر جن کو دلیل نے غیر ضروری قرار دیا ہو کیونکہ یہ بھی نماز ہے لیکن اس دلیل کا جواب ہو چکا کہ یہ حقیقت میں نماز نہیں بلکہ دعا ہے جیسا کہ امام رضاؑ سے فضل بن شاذان میں صحیح روایت میں نقل کیا: محمد بن علی بن الحسين فی (عيون الأخبار) وفی (العلل) بإسناده عن الفضل بن شاذان، عن الرضا (علیہ السلام) قال : إنما جوزنا الصلاة على الميت بغير وضوء لأنه ليس فيها ركوع ولا سجود ، وإنما هی دعاء ومسألة ، وقد يجوز أن تدعو الله وتسأله على أی حال كنت ، وإنما يجب الوضوء فی الصلاة التی فيهاركوع وسجود [عيون إخبار الرضاؑ ۲ : ۱۱۵-الباب ۳۴ حديث طويل، وعلل الشرايع : ۲۶۸-الباب ۱۸۲ حديث طويل ن۹، وسائل باب۲۱ ابواب نماز جنازہ ح۷] .

تعالی کا قصد بھی کرے اور کیا اس میں وجوب یا مستحب کو معین کرنا ہے جیسے دیگر عبادات تو مصنف کے ذکری میں اس میں دو قول ہیں اور نیت تکبیر کے ساتھ ملی ہونی چاہیے اور آخر تک اس کا حکم جاری رہے گا۔

۶۔ پانچ تکبیریں کہنا جن میں سے پہلی تکبیرۃ الاحرام ہو یہ مخالف مذہب والے شخص کی میت کے علاوہ کے لیے ہے[1] (ان تکبیروں کی ترتیب یہ ہے:)

---

[1]۔ اس تر تمام شیعہ علماء کا اتفاق ہے اور اہل بیت اطہار کی روایات اس پر متفق ہیں جیسے امام صادقؑ سے نے فرمایا میت پر پانچ تکبیریں ہیں (صحیح ابن سنان، وسائل باب ۵ ابواب نماز جنازہ ح۶ اور صحیح ابو ولاد میں یہ سوال کے جواب میں ہے ؛سابقہ ح۹) اور زید بن اِرقم وحذیفہ بن یمان بھی اسی کے قائل تھے کیونکہ زید ابن اِرقم نے جنازہ پر پانچ تکبیریں کہیں اور کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح پانچ تکبیریں کہتے تھے ؛کان النبی ص یکبرھا (صحیح مسلم ۲: ۶۵۹/ ۹۵۷، سنن ترمذی ۳: ۳۴۳/ ۱۰۲۳، سنن ابن ماجۃ ۱: ۴۸۲/ ۱۵۰۵، سنن اِبی داود ۳: ۲۱۰ح ۳۱۹۷، سنن نسائی ۴: ۷۲، سنن دار قطنی ۲: ۷۳/ ۸) . اور حذیفہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا ؛أن النبی ص فعل ذلک (مصنف ابن اِبی شیبہ ۳: ۳۰۳، سنن دار قطنی ۲: ۷۳/ ۹.)، اور امام علیؑ نے سہل بن حنیف کے جنازے پر پانچ تکبیریں کہیں ؛کبر علی علیہ السلام علی سہل بن حنیف خمسا (المغنی ۲: ۳۸۷، الشرح الکبیر ۲: ۳۴۹ نقلا عن سعید، سنن)اور معاذ کے اصحاب جنازہ پر پانچ تکبیریں کہتے تھے ؛کان اِصحاب معاذ یکبرون علی الجنازۃ خمسا (مصنف ابن اِبی شیبہ ۳: ۳۰۳، سنن بیہقی ۴: ۳۷.)اور امام باقر سے منقول ہے ؛نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ تکبیریں کہیں "کبر رسول اللہ ص خمسا [تہذیب ۳: ۳۱۵/ ۹۷۷، استبصار ۱: ۴۷۴/ ۱۸۳۳] " شیخ صدوق نے کہا لوگوں پر خدا نے پانچ نمازیں فرض کیں اس لیے ہر میت پر پانچ تکبیریں قرار دیں : اِن العلۃ فی ذلک اِن اللہ عز وجل فرض علی الناس خمس صلوات فجعل للمیت من کل صلاۃ تکبیرۃ،اور منقول ہے کہ خدا نے لوگوں پر پانچ فرض قرار دیئے نماز، روزہ، زکات ،حج اور ولایت اور ہر فریضہ کے بدلے ایک تکبیر بنائی: أن اللہ تعالی فرض علی الناس خمس فرائض: الصلاۃ، والزکاۃ، والصوم، والحج، والولایۃ، فجعل للمیت من کل فریضۃ تکبیرۃ (علل الشرائع: ۳۰۲ باب ۲۴۴ و ۳۰۳ باب ۲۴۵) . اور فقہاء اِربعہ، ثوری، اِوزاعی، داود، اور اِبو ثور چار تکبیر کے قائل ہیں اور اسے وہ بعض اصحاب سے نقل کرتے ہیں (المجموع ۵: ۲۳۰، المبسوط سرخسی ۲: ۶۳، اللباب ۱: ۱۳۰، المغنی ۲: ۳۸۷ و ۳۸۹، الشرح الکبیر ۲: ۳۵۰، بلغۃ السالک ۱: ۱۹۷، بدایۃ المجتہد ۱: ۲۳۴، الشرح الصغیر ۱: ۱۹۷، سبل السلام ۲: ۵۵۸)، اور اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نجاشی کی موت کی خبر دی اور انہیں چار تکبیریں کہلائیں ؛أن رسول اللہ ص نعی

تو پہلی تکبیر کے بعد شہادتین (خدا تعالی کی توحید اور نبی اکرم ﷺ کی رسالت) کی گواہی دے۔

اور دوسری تکبیر کے بعد نبی اکرم ﷺ اور آپ کی آل پاکؑ پر درود بھیجے اور مستحب ہے کہ اس میں دیگر انبیاء کرامؑ پر درود بھی اضافہ کیا جائے۔

اور تیسری تکبیر کے بعد مومنین اور مومنات کے لیے دعا کرے جو چاہے اگرچہ منقول دعائیں کرنا بہتر ہے۔

اور چوتھی تکبیر کے بعد اگر میت بالغ مومن کی ہو اس کے لیے دعا کرے[1] اور اگر میت مستضعف کی ہو اور وہ شخص ہے جو حق کو نہیں جانتا اور اس سے دشمنی بھی نہیں کرتا اور ان

النجاشی للناس وکبر بھم أربعا (صحیح بخاری ۲: ۹۲ و ۱۱۲، صحیح مسلم ۲: ۶۵۶/ ۹۵۱، سنن ترمذی ۳: ۳۴۲ح ۱۰۲۲، سنن إبی داود ۳: ۲۱۲ح ۳۲۰۴، سنن نسائی ۴: ۷۲، الموطأ: ۲۲۶ح ۱۴) . اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لیے دعا کے طور پر نماز پڑھی اور اگر ایسا بعض جنازوں کے بارے میں ہو تو وہ ان کے منحرف ہونے کی وجہ سے ہوگا جیسا کہ اہل بیتؑ سے منقول ہے کہ دین میں متہم کے لیے چار تکبیریں ہیں :أن الصلاة بالاربع للمتھم فی دینه (تہذیب ۳: ۱۹۲ح ۱۹۳ح ۴۳۹، علل الشرائع: ۳۰۴-۳۰۵ باب ۲۴۵) .امام صادق علیہ السلام نے فرمایا؛ نبی اکرم ﷺ بعض لوگوں پر پانچ اور بعض پر چار تکبیریں کہتے تھے تو جب چار کہتے تو اس کو متہم کیا جاتا تھا: "کان رسول الله ص یکبر علی قوم خمسا، وعلی آخرین أربعا، فإذا کبر أربعا اتھم" (کافی ۳: ۱۸۱/ ۲، التہذیب ۳: ۱۹۷ح ۴۵۴، استبصار ۱: ۴۷۵/ ۱۸۳۹)

[1] ۔چوتھی تکبیر کے بعد مومن میت کے دعا کرنے پر بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں اور یاد رہے کہ دعاوں کی یہ ترتیب مشہور ہے ،علامہ حلی نے تبصرہ، و مختلف میں اور صاحب مدارک اور ایک جماعت نے اس ترتیب کو لازمی نہیں جانا اور اس پر چند روایات دلالت کرتی ہیں جس میں صحیح ابو ولاد ہے؛ محمد بن الحسن بإسنادہ عن الحسن بن محبوب ، عن إبی ولاد قال : سألت أبا عبدالله (علیه السلام) عن التکبیرعلی المیت ؟ فقال : خمس ، تقول (فی أولھن): أشھد أن لا إله إلا الله ، وحده لا شریک له ، اللھم صل علی محمد وآل محمد ، ثم تقول : اللھم إن ھذا المسجی قدامنا عبدک وابن عبدک ، وقد قبضت روحه إلیک ، وقد احتاج إلی رحمتک ، وأنت غنی عن عذابه ، اللھم إنا لا نعلم من ظاھره إلا خیرا ، وأنت أعلم بسریرته ، اللھم إن کان محسنا

میں سے کسی ایک کو دوست بھی نہیں رکھتا تو اس کے لیے اس کی منقول دعا کی جائے[1]: اور وہ یہ ہے خدایا ! بخش دے ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے کی پیروی کی اور انہیں جہنم کے عذات سے بچا۔

فضاعف حسناته ، وإن كان مسيئا فتجاوز عن سيئاته، ثم تكبر الثانية وتفعل ذلک فی کل تکبیرة؛ میں نے امام صادقؑ سے میت پر تکبیروں کے بارے میں سوال کیا فرمایا وہ پانچ تکبیریں ہیں ان میں پہلی کے بعد کہے ؛اور پھر کہے : پھر دوسری تکبیر کہے اور اسی طرح ہر تکبیر کے بعد کر (وسائل باب ۲ ابواب صلاۃ الجنازۃ ح۵)، اور صحیح زرارہ؛ محمد بن یعقوب ، فی علی بن إبراہیم عن ابیہ ، عن ابن إبی عمیر، عن حماد ، عن الحلبی ، عن زرارۃ، عن إبی عبداللہ (علیہ السلام) -فی الصلاة على الميت ـ قال : تكبر : ثم تصلى على النبى ص ثم تقول : اللهم عبدک ، ابن عبدک ، ابن أمتک ، لا أعلم منه إلأ خيرا ، وأنت أعلم به منا ، اللهم إن كان محسنا فزد فی حسناته وتقبل منه ، وإن كان مسيئا فاغفر له ذنبه ، وافسح له فی قبره ، واجعله من رفقاء محمد ص ، ثم تكبر الثانية وتقول : اللهم إن كان زاكيا فزكه ، وإن كان خاطئا فاغفر له ، ثم تكبر الثالثة وتقول : اللهم لا تحرمنا أجره ، ولا تفتنا بعده ، ثم تكبر الرابعة وتقول : اللهم اكتبه عندک فی عليين ، واخلف على عقبه فی الغابرين ، واجعله من رفقاء محمد ص ، ثم كبر الخامسة وانصرف[الکافی ۳ : ۱۸۳ح۲] .

[1] مستضعف کے بارے میں معتبر روایات میں مذکورہ بالا دعا وارد ہے:

۱۔الصدوق بإسنادہ عن زرارۃ ومحمد بن مسلم، عن إبی جعفر (علیہ السلام) ،أنه قال : الصلاة على المستضعف والذى لا يعرف مذهبه : تصلى على النبى ص ويدعى للمؤمنين والمؤمنات ، ويقال : اللهم اغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلک وقهم عذاب الجحيم ، ويقال فى الصلاة على من لا يعرف مذهبه : اللهم إن هذه النفس أنت أحييتها وأنت أمتها ، اللهم ولها ما تولت ، واحشرها مع من أحبت .

۲۔ محمد بن یعقوب ، عن علی بن إبراہیم ، عن إبیہ ، عن حماد بن عیسی، عن حریز ، عن محمد بن مسلم، عن إحدہما (علیہماالسلام) قال : الصلاة على المستضعف والذى لا يعرف : الصلاة على النبى ص ، والدعاء للمؤمنين والمؤمنات ، تقول : ربنا (اغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلک وقهم عذاب الجحيم [غافر ۴۰ : ۷]) ، إلى اخر الايتين . ۳۔وعنہ ، عن إبیہ ، عن ابن إبی عمیر ، عن عمر بن إذینۃ، عن الفضیل بن یسار ، عن إبی جعفر (علیہ السلام) قال : إذا صليت على المؤمن فادع له واجتهد له فى الدعاء ، وإن كان واقفا مستضعفا فكبر ، وقل : اللهم

اور اگر میت بچے کی ہو تو اگر اس کے والدین مومن ہوں تو ان دونوں کے لیے دعا کرے اور اگر ان میں سے ایک مومن ہو تو اس ایک کے لیے دعا کرے اور اگر وہ دونوں غیر مومن ہوں تو چوتھی تکبیر کے بعد جو چاہے دعا کرے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں اصلا دعا واجب نہیں ہو گی اور بچے سے یہاں نابالغ مراد ہے اگرچہ اس پر نماز جنازہ پڑھنا واجب ہو (جب وہ چھ سال کا ہو چکا ہو)۔ اور اگر میت منافق کی ہو اور یہاں اس سے مراد ہر مخالف مذہب مراد ہے[1]

اغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلک وقهم عذاب الجحيم ، ۴۔وعنہ، عن ابیہ، عن ابن ابی عمیر، عن حماد بن عثمان، عن الحلبی، عن ابی عبداللہ (علیہ السلام) قال : إن كان مستضعفا فقل : اللهم اغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلک وقهم عذاب الجحيم ، وإذا كنت لا تدرى ما حاله فقل : اللهم إن كان يحب الخير وأهله فاغفر له وارحمه وتجاوز عنه ، وإن كان المستضعف منک بسبيل فاستغفر له على وجه الشفاعة لا على وجه الولاية .ورواہ الصدوق باسنادہ عن عبیداللہ بن علی الحلبی، مثلہ [الفقیہ ۱: ۱۰۵ح ۴۸۹. الکافی ۳: ۱۸۶ح۱.. الکافی ۳: ۱۸۷| ۲التہذیب ۳: ۱۹۶ح ۴۵۰. الکافی ۳: ۱۸۷ح ۳. الفقیہ ۱: ۱۰۵|۴۹۱]

[1]۔شارح کی یہ تفسیر منافق سے صحیح نہیں ہے کیونکہ روایات میں جن پر لعنت کرنے کا حکم ہے اس کا عنوان دشمن خدا اور منافق ہے؛ جیسے محمد بن علی بن الحسین باسنادہ عن عبیداللہ بن علی الحلبی، عن ابی عبداللہ (علیہ السلام) قال : إذا صليت على عدو الله فقل : اللهم إنا لا نعلم منه إلا أنه عدو لک ولرسولک ، اللهم فاحش قبره نارا ، واحش جوفه نارا ، وعجل به إلى النار ؛ فإنه كان يوالى أعداءک ، ويعادى أولياءک ، ويبغض أهل بيت نبيک ، اللهم ضيق عليه قبره ، فإذا رفع فقل : اللهم لا ترفعه ولا تزكه .ورواہ الکلینی عن علی بن ابراہیم، عن ابیہ، عن ابن ابی عمیر، عن حماد، عن الحلبی، مثلہ. ۲۔وباسنادہ عن صفوان بن مہران الجمال، عن ابی عبداللہ (علیہ السلام) قال : مات رجل من المنافقين فخرج الحسين بن على (عليه السلام) يمشى فلقيه مولى له فقال له : إلى أين تذهب ؟ فقال : أفر من جنازة هذا المنافق أن أصلى عليه ، فقال له الحسين (عليه السلام) قم إلى جنبى فما سمعتنى أقول فقل مثله ، قال : فرفع يديه فقال : اللهم أخز عبدک فى عبادک وبلادک ، اللهم أصله أشد نارک، اللهم أذقه حر عذابک ، فإنه كان يتولى أعداءک ، ويعادى أولياءک ، ويبغض أهل بيت نبيک . ۳۔وعن علی بن ابراہیم، عن ابیہ، عن ابن ابی عمیر، عن حماد بن عثمان، عن الحلبی، عن

تو اس کی نماز جنازہ پر چار تکبیروں پر انحصار کیا جائے اور چوتھی کے بعد اس پر لعنت کی جائے اور کیا اس پر لعنت کرنا واجب ہے یا نہ اس میں دو وجہیں ہیں اور مصنف سے یہاں اور بیان میں ظاہر ہے کہ واجب ہے لیکن ذکری اور دروس میں اس کے واجب نہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔

اور نماز جنازہ کے ان واجبات میں سے ارکان سات یا چھ ہیں؛ نیت، اور قدرت رکھنے والے شخص کے لیے قیام اور تکبیریں (اگر مومن کا جنازہ ہو تو پانچ تکبیریں اور سات ارکان ہونگے اور اگر منافق کی ہو تو چار تکبیریں اور نیت و قیام کے ساتھ چھ ارکان ہونگے)۔

اِبی عبداللہ (علیہ السلام) قال : لما مات عبدالله بن أبی بن سلول حضر النبی ص جنازته ، فقال عمر : یا رسول الله ، ألم ینهک الله أن تقوم علی قبره ؟! فسکت ، فقال : الم ینهک الله أن تقوم علی قبره ؟! فقال له : ویلک ، وما یدریک ما قلت ؟ ! إنی قئت : اللهم احش جوفه ناراً ، واملأ قبره نارا ، وأصله نارا .قال أبو عبدالله (علیه السلام) : فأبدی من رسول الله (صلی الله علیه وآله) ما کان یکره .۴-

وعنہ ، عن ابیہ ، عن حماد بن عیسی ، عن حریز ، عن محمد بن مسلم ، عن اِحدہما (علیہاالسلام) قال : إن کان جاحداً للحق فقل : اللهم املأ جوفه نارا وقبره نارا ، وسلط علیه الحیات والعقارب ، وذلک قاله أبو جعفر (علیه السلام) لامرأة سوء من بنی أمیة صلی علیها أبی ، وقال هذه المقالة : واجعل الشیطان لها قرینا ، الحدیث . اور ظاہر ہے کہ سوائے ناصبیوں اور خارجیوں اور ان لوگوں کے جو کھلے عام اہل بیتؑ سے دشمنی کرتے ہیں سب فرق اسلامی ایسے نہیں ہیں بلکہ بہت سے ایسے ہیں جو اہل بیتؑ سے محبت کا دم بھرتے ہیں انہوں نے فضائل اہل بیتؑ میں مستقل کتب و رسائل لکھے ہیں اگرچہ فقہی بنی میں کسی دوسرے کی پیروی کرتے ہیں صحیح یہ ہے کہ اس شخص پر اس حکم کو لاگو سمجھا جائے جس پر دشمن خدا اور منافق کا عنوان صادق آئے وگرنہ اسے مستضعف میں شمار کیا جائے جسے کسی بھی وجہ سے حق کی معرفت میں مانع موجود تھا جیسے سادہ لوح مسلمان جو مذہبی امور میں گہری نظر نہیں رکھتے۔

اور نماز جنازہ میں حدث اور باطنی ناپاکی سے اتفاق علماء کے تحت طہارت شرط نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے نزدیک سلام واجب ہے اس پر ہمارا اتفاق علماء شیعہ ہے بلکہ سلام جائز نہیں ہے[1] اگر تقیہ کے تحت تو جہاں تقیہ کرنا سلام کہنے پر موقوف ہو تو سلام کہنا واجب ہوگا۔

نماز جنازہ کے مستحبات

(وَيُسْتَحَبُّ إعْلَامُ الْمُؤْمِنِينَ بِهِ) أَيْ بِمَوْتِهِ لِيَتَوَفَّرُوا عَلَى تَشْيِيعِهِ وَتَجْهِيزِهِ، فَيُكْتَبُ لَهُمْ الْأَجْرُ وَلَهُ الْمَغْفِرَةُ بِدُعَائِهِمْ، وَلِيَجْمَعَ فِيهِ بَيْنَ وَظِيفَتَيْ التَّعْجِيلِ وَالْإِعْلَامِ، فَيَعْلَمُ مِنْهُمْ مَنْ لَا يُنَافِي التَّعْجِيلَ عُرْفًا، وَلَوْ اسْتَلْزَمَ الْمُثْلَةَ حَرُمَ .(وَمَشْيُ الْمُشَيِّعِ خَلْفَهُ، أَوْ إلَى أَحَدِ جَانِبَيْهِ) وَيُكْرَهُ أَنْ يَتَقَدَّمَهُ لِغَيْرِ تَقِيَّةٍ (وَالتَّرْبِيعُ) وَهُوَ حَمْلُهُ بِأَرْبَعَةِ رِجَالٍ مِنْ جَوَانِبِ السَّرِيرِ الْأَرْبَعَةِ كَيْفَ اُتُّفِقَ، وَالْأَفْضَلُ التَّنَاوُبُ، وَأَفْضَلُهُ أَنْ يَبْدَأَ فِي الْحَمْلِ بِجَانِبِ السَّرِيرِ الْأَيْمَنِ، وَهُوَ الَّذِي يَلِي يَسَارَ الْمَيِّتِ، فَيَحْمِلُهُ بِكَتِفِهِ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ يَنْتَقِلُ إلَى مُؤَخِّرِهِ الْأَيْمَنِ فَيَحْمِلُهُ بِالْأَيْمَنِ كَذَلِكَ، ثُمَّ يَنْتَقِلُ إلَى مُؤَخِّرِهِ الْأَيْسَرِ، فَيَحْمِلُهُ بِالْكَتِفِ

---

[1] ہمارے نزدیک نماز جنازہ میں سلام جائز نہ ہونے کی دلیل معتبر روایات ہیں جن میں سے صحیح بن سعد اشعری ہے؛ ا۔ محمد بن الحسن باسنادہ عن احمد بن محمد، عن إسماعيل بن سعد الاشعري، عن ابي الحسن الرضا (عليه السلام) قال : سألته عن الصلاة على الميت قال : أما المؤمن فخمس تكبيرات ، وأما المنافق فأربع ، ولا سلام فيها . میں نے امام رضاؑ سے نماز میت کے بارے میں سوال کیا فرمایا؛ مومن کی جنازہ میں پانچ تکبیریں اور منافق کی جنازہ میں چار تکبیریں ہیں اور نماز جنازہ میں سلام نہیں ہے (وسائل ابواب نماز جناوہ ب۹ ح۱) اور ۲۔ صحیح حلبی وزرارہ؛ محمد بن يعقوب، عن علي بن إبراهيم، عن ابيه، عن ابن ابي عمير، عن حماد بن عثمان، عن الحلبي وزرارة، عن ابي جعفر وابي عبدالله (عليهما السلام) قالا : ليس في الصلاة على الميت تسليم، امامین صادقین نے فرمایا نماز میت میں سلام نہیں ہے (وسائل سابقہ ح۲) اور جن بعض روایات میں سلام وارد ہوا انہیں تقیہ کی خاطر مراد لیا گیا ہے

الْأَيْسَرِ، ثُمَّ يَنْتَقِلُ إِلَى مُقَدَّمِهِ الْأَيْسَرِ، فَيَحْمِلُهُ بِالْكَتِفِ الْأَيْسَرِ كَذَلِكَ .(وَالدُّعَاءُ) حَالَ الْحَمْلِ بِقَوْلِهِ:" بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ"، وَعِنْدَ مُشَاهَدَتِهِ بِقَوْلِهِ:" اللَّهُ أَكْبَرُ، هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، اللَّهُمَّ زِدْنَا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِى تَعَزَّزَ بِالْقُدْرَةِ، وَقَهَرَ الْعِبَادَ بِالْمَوْتِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِى لَمْ يَجْعَلْنِى مِنْ السَّوَادِ الْمُخْتَرَمِ "، وَهُوَ الْهَالِكُ مِنْ النَّاسِ عَلَى غَيْرِ بَصِيرَةٍ، أَوْ مُطْلَقًا، إِشَارَةً إِلَى الرِّضَا بِالْوَاقِعِ كَيْفَ كَانَ، وَالتَّفْوِيضِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِحَسَبِ الْإِمْكَانِ .(وَالطَّهَارَةُ وَلَوْ تَيَمُّمًا مَعَ) الْقُدْرَةِ عَلَى الْمَائِيَّةِ مَعَ (خَوْفِ الْفَوْتِ) وَكَذَا بِدُونِهِ عَلَى الْمَشْهُورِ (وَالْوُقُوفُ) أَىْ وُقُوفُ الْإِمَامِ، أَوْ الْمُصَلِّى وَحْدَهُ (عِنْدَ وَسَطِ الرَّجُلِ وَصَدْرِ الْمَرْأَةِ عَلَى الْأَشْهَرِ)وَمُقَابِلُ الْمَشْهُورِ قَوْلُ الشَّيْخِ فِى الْخِلَافِ: إِنَّهُ يَقِفُ عِنْدَ رَأْسِ الرَّجُلِ وَصَدْرِ الْمَرْأَةِ، وَقَوْلُهُ فِى الِاسْتِبْصَارِ: إِنَّهُ عِنْدَ رَأْسِهَا وَصَدْرِهِ، وَالْخُنْثَى هُنَا كَالْمَرْأَةِ .

(وَالصَّلَاةُ) فِى الْمَوَاضِعِ (الْمُعْتَادَةِ) لَهَا لِلتَّبَرُّكِ بِهَا بِكَثْرَةِ مَنْ صَلَّى فِيهَا، وَلِأَنَّ السَّامِعَ بِمَوْتِهِ يَقْصِدُهَا (وَرَفْعُ الْيَدَيْنِ بِالتَّكْبِيرِ كُلِّهِ عَلَى الْأَقْوَى) وَالْأَكْثَرِ عَلَى اخْتِصَاصِهِ بِالْأُولَى، وَكِلَاهُمَا مَرْوِىٌّ وَلَا مُنَافَاةَ فَإِنَّ الْمَنْدُوبَ قَدْ يُتْرَكُ أَحْيَانَا وَبِذَلِكَ يَظْهَرُ وَجْهُ الْقُوَّةِ .

اور چند چیزیں نماز جنازہ میں مستحب ہیں:

۱۔ مومنین کو اس کی موت کی خبر دینی چاہیے تاکہ وہ اس کی تشیع جنازہ اور تجہیز و تکفین میں کثرت سے شرکت کریں اور ان کے لیے اجر و ثواب لکھا جائے اور میت کے لیے ان کی دعا کی وجہ سے مغفرت اور بخشش لکھی جائے اور اس میں میت کی تجہیز اور تکفین میں جلدی کرنے اور مومنین کو خبر دینے کے درمیان جمع کیا جائے تو ان میں سے ان مومنین کو خبر دی جائے جن کا شریک ہونا میت کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنے کے منافی نہ ہو اور اگر میت کو باقی رکھنے سے اس کا مثلہ ہونا لازم آئے یعنی اس کے متعفن ہونے کا خوف ہو تو باقی رکھنا حرام ہے۔

۲۔ اور تشیع جنازہ کرنے والوں کو جنازہ کے پیچھے یا اس کی ایک جانب چلنا چاہیے اور تقیہ کے علاوہ اس سے آگے چلنا مکروہ ہے۔

۳۔ اور جنازے کو چاروں طرف سے اٹھانا مستحب ہے (اور اس کے دو معنی ہیں: ۱۔) یعنی جنازے کو چار کونے والی چارپائی پہ چار مردوں کے ذریعے اٹھایا جائے جیسے بھی اٹھائیں ۲۔ اور بہتر یہ ہے کہ اسے ایک شخص پے درپے چاروں کونوں سے کندھا دے اور اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ وہ چارپائی کے دائیں جانب سے اٹھانا شروع کرے اور وہ طرف ہے جو میت کے بائیں طرف ہوتی ہے تو تشییع جنازے میں شرکت کرنے والا اپنے دائیں کندھے کے ساتھ اسے اٹھائے پھر اسی طرف پیچھے آ جائے اور اس طرف کو اٹھائے پھر چارپائی کے بائیں طرف پچھلی طرف سے اٹھائے تو اپنے بائیں کندھے سے اٹھائے پھر اس کے دائیں اگلی طرف جائے تو اسے بائین کندھا دے۔

۴۔ اور جب میت کو کندھا دے تو یہ دعا پڑھے:

۵۔ اور جب جنازے کو دیکھے تو یہ دعا پڑھے:

۶۔ اور اگر پانی سے وضو کر کے جنازے میں پہنچنے سے نماز جنازہ کے چھوٹ جانے کا خطرہ ہو تو تیمّم سے طہارت حاصل کرنا مستحب ہے جب پانی سے طہارت حاصل کرنے کی قدرت تھی

اور اسی طرح ہے جب اسے پانی سے طہارت حاصل کرنے کی قدرت نہ ہو یہ مشہور فتوی ہے
۔

۷۔اور نماز جنازہ پڑھنے والے پیش نماز یا تنہا نماز گزار کے لیے مرد کے درمیان میں اور عورت کے سینے کے پاس کھڑا ہونا مستحب ہے، یہ مشہور تر قول ہے اور مشہور کے مقابلے میں شیخ طوسی کا کتاب خلاف میں نظریہ ہے کہ مرد کے سر کے پاس کھڑا ہو اور عورت کے سینے کے پاس اور استبصار میں شیخ طوسی نے فرمایا؛ عورت کے سر کے پاس اور مرد کے سینے کے پاس کھڑا ہو اور اس مسئلے میں خنثی عورت کے حکم میں ہے۔

۸۔اور نماز جنازہ عمومی جگہوں پر پڑھی جائے تاکہ ان میں نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی کثرت سے تبرک حاصل ہو اور اس لیے کہ ان عمومی جگہوں پر اس کی موت کی خبر سننے والا وہاں جانے کا ارادہ کرے گا۔

۹۔اور اقوی قول کی بناء پر نماز جنازہ کی تمام تکبیروں کے وقت ہاتھ بلند کیئے جائیں، اور اکثر علماء نے تکبیر کے لیے ہاتھ بلند کرنے کو پہلی تکبیر سے خاص کیا ہے اور دونوں ہی روایات میں آئے ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ مستحب کو کبھی چھوڑ بھی دیا جاتا ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ تمام تکبیروں میں ہاتھ بلند کرنے کا مستحب ہونا قوی ہے۔

جنازہ کی بعض تکبیروں کے بعد شریک ہونے والا

(وَمَنْ فَاتَهُ بَعْضُ التَّكْبِيرِ) مَعَ الْإِمَامِ (أَتَمَّ الْبَاقِيَ بَعْدَ فَرَاغِه) وِلَاءً مِنْ غَيْرِ دُعَاءٍ (وَلَوْ عَلَى الْقَبْرِ) عَلَى تَقْدِيرِ رَفْعِهَا وَوَضْعِهَا فِيه، وَإِنْ بَعُدَ الْفَرْضُ.وَقَدْ أَطْلَقَ الْمُصَنِّفُ وَجَمَاعَةٌ جَوَازَ الْوِلَاءِ حِينَئِذٍ عَمَلًا بِإِطْلَاقِ النَّصِّ، وَفِي الذِّكْرَى لَوْ دَعَا كَانَ جَائِزًا، إذْ هُوَ نَفْيُ وُجُوبٍ لَا نَفْيُ جَوَازٍ، وَقَيَّدَهُ بَعْضُهُمْ بِخَوْفِ الْفَوْتِ عَلَى تَقْدِيرِ الدُّعَاءِ، وَإِلَّا وَجَبَ مَا أَمْكَنَ مِنْهُ، وَهُوَ أَجْوَدُ .

اور جس شخص نے امام جماعت کے ساتھ کچھ تکبیریں نہ پڑھی ہوں تو پیش نماز کے فارغ ہونے کے بعد وہ باقی تکبیروں کو بغیر دعاء کے پے در پے پورا کرے اگرچہ اس کی قبر پر ہی ہو جب جنازہ کو جلدی اٹھا کر قبر میں رکھ دیا جائے اگرچہ ایسا فرض کرنا بہت بعید ہے اور مصنف اور ایک جماعت علماء نے اس وقت پے در پے تکبیر کہنے کو بطور مطلق بیان کیا ہے اور اس میں کسی قید اور شرط کا اضافہ نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت کا مفہوم وسیع ہے اور ذکری میں مصنف نے کہا؛ اگر تکبیروں کے ساتھ دعاء بھی پڑھے تو جائز ہے کیونکہ روایت میں دعاء کے واجب ہونے کی نفی کی گئی ہے اس میں جائز نہ ہونے کی نفی نہیں ہے اور بعض علماء نے اس میں یہ قید اور شرط لگائی کہ دعاء کرنے کی صورت میں اسے خوف ہو کہ بعض تکبیریں رہ جائیں گی تو فقط تکبیریں کہے وگرنہ جتنی دعا ممکن ہو وہ بھی واجب ہو گی اور یہی بہتر قول ہے۔

قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

(وَيُصَلِّى عَلَى مَنْ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ يَوْمًا وَلَيْلَةً) عَلَى أَشْهَرِ الْقَوْلَيْنِ (أَوْ دائمًا) عَلَى الْقَوْلِ الْآخَرِ، وَالْأَقْوَى وَالْأَوْلَى قِرَاءَةً، " يُصَلِّى " فِى الْفِعْلَيْنِ مَبْنِيًّا لِلْمَعْلُومِ، أَىْ يُصَلِّى مَنْ أَرَادَ الصَّلَاةَ عَلَى الْمَيِّت، إِذَا لَمْ يَكُنْ هَذَا الْمُرِيدُ قَدْ صَلَّى عَلَيْهِ، وَلَوْ بَعْدَ الدَّفْنِ الْمُدَّةَ الْمَذْكُورَةَ أَوْ دَائِمًا سَوَاءٌ كَانَ قَدْ صَلَّى عَلَى الْمَيِّت أَمْ لَا .

هَذَا هُوَ الَّذِى اخْتَارَهُ الْمُصَنِّفُ فِى الْمَسْأَلَة وَيُمْكِنُ قِرَاءَتُهُ مَبْنِيًّا لِلْمَجْهُول، فَيَكُونُ الْحُكْمُ مُخْتَصًّا بِمَيِّت لَمْ يُصَلَّ عَلَيْه.أَمَّا مَنْ صُلِّىَ عَلَيْه فَلَا تُشْرَعُ الصَّلَاةُ عَلَيْه بَعْدَ دَفْنِه، وَهُوَ قَوْلٌ لِبَعْضِ الْأَصْحَابِ جَمْعًا بَيْنَ الْأَخْبَار، وَمُخْتَارُ الْمُصَنِّف أَقْوَى.

اور مشہور تر قول کی بناء پر جس جنازے پر اس نے ایک دن رات میں نماز جنازہ نہ پڑھی ہو یا دوسرے قول کی بناء پر اور وہی قوی تر ہے؛ جس پر کبھی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو تو وہ اس کی قبر پر جنازہ پڑھ لے اور بہتر ہے کہ یصلّی کو دونوں جگہوں پر معلوم پڑھا جائے یعنی وہ شخص جو میت پر جنازہ پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو جب اس ارادہ رکھنے والے نے اس جنازہ پر نماز نہ پڑھی ہو تو دفن کے بعد بھی اس پر جنازہ پڑھ سکتا ہے اس مدت مذکورہ میں یا ہمیشہ چاہے میت پر نماز جنازہ پڑھی گئی ہو یا نہ، اس کو مصنف نے اس مسئلے میں اختیار کیا ہے اور ممکن ہے اسے مجہول پڑھا جائے تو حکم اس میت پر نماز جنازہ پڑھنے سے مختص ہوگا جس پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو۔

نماز جنازہ کے دوران دوسرے جنازے کا حکم

(ولَوْ حَضَرَتْ جِنَازَةٌ فِی الْأَثْنَاءِ) أیْ فِی أثْنَاءِ الصَّلَاةِ عَلَی جِنَازَةٍ أُخْرَی (أَتَمَّهَا ثُمَّ اسْتَأْنَفَ) الصَّلَاةَ (عَلَيْهَا) أیْ عَلَی الثَّانِيَةِ، وَهُوَ الْأَفْضَلُ مَعَ عَدَمِ الْخَوْفِ عَلَی الثَّانِيَةِ، وَرُبَّمَا قِيلَ بِتَعَيُّنِه إذَا كَانَتْ الثَّانِيَةُ مَنْدُوبَةً لِاخْتِلَافِ الْوَجْه، وَلَيْسَ بِالْوَجْه.وَذَهَبَ الْعَلَّامَةُ وَجَمَاعَةٌ مِنْ الْمُتَقَدِّمِينَ وَالْمُتَأَخِّرِينَ إلَی أَنَّهُ يَتَخَيَّرُ بَيْنَ قَطْعِ الصَّلَاةِ عَلَی الْأُولَی وَاسْتِئْنَافِهَا عَلَيْهِمَا، وَبَيْنَ إكْمَالِ الْأُولَی وَإِفْرَادِ الثَّانِيَةِ بِصَلَاةٍ ثَانِيَةٍ، مُحْتَجِّينَ بِرِوَايَةِ عَلِيِّ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ أَخِيهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِی قَوْمٍ كَبَّرُوا عَلَی جِنَازَةٍ تَكْبِيرَةً أَوْ تَكْبِيرَتَيْنِ وَوُضِعَتْ مَعَهَا أُخْرَی ؟ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ" إنْ شَاءُوا تَرَكُوا الْأُولَی حَتَّی يَفْرُغُوا مِنْ التَّكْبِيرِ عَلَی الْأَخِيرَةِ، وَإِنْ شَاءُوا رَفَعُوا الْأُولَی وَأَتَمُّوا التَّكْبِيرَ عَلَی الْأَخِيرَةِ، كُلُّ ذَلِكَ لَا بَأْسَ بِه ".

اگرایک جنازہ پر نماز پڑھتے وقت دوسرا جنازہ حاضر ہو جائے تو پہلے کو تمام کرے پھر شروع سے دوسرے جنازہ پر نماز پڑھ یہ افضل ہے جب دوسرے جنازے کے بارے میں کوئی خوف و خطر نہ ہو اور بعض اوقات اسی کا متعین ہونا کہا گیا جب دوسرے پر نماز پڑھنا مستحب ہو کیونکہ اس وقت نیت کی تعیین مختلف ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے (کیونکہ اگر اتنا اختلاف نیت میں مشکل پیدا کرے تو دوسرے جنازے کے لیے بھی تونیت کو بدلنا پڑے گا)۔

لیکن علامہ حلی اور متقدمین اور متاخرین کی ایک جماعت قائل ہے کہ اسے اختیار ہے کہ پہلی نماز جنازہ کو توڑ دے اور دونوں پر اکٹھی نماز جنازہ پڑھے یا پہلی نماز جنازہ کو پورا کرے پھر دوسرے جنازہ پر شروع سے نماز جنازہ پڑھے اور اس کی دلیل علی بن جعفرؑ کی اپنے برادر امام کاظمؑ سے روایت ہے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ایک جنازے پر ایک یا دو تکبیریں کہیں اور اس کے ساتھ دوسرا جنازہ رکھا گیا تو کیا حکم ہے؟ فرمایا؛ اگر چاہیں تو پہلے جنازہ کو اسی جگہ باقی رکھیں یہاں تک کہ دوسرے جنازہ کی باقی تکبیروں سے فارغ ہو اور اگر چاہیں تو اسے (تکبیریں مکمل ہونے کے بعد) اٹھالیں اور دوسرے کی باقی تکبیریں مکمل کریں، ان سب میں کوئی حرج نہیں ہے[1]۔

حدیث کی دلالت کی تحقیق

قَالَ الْمُصَنِّفُ فِی الذِّکْرَی: وَالرِّوَایَةُ قَاصِرَةٌ عَنْ إِفَادَةِ الْمُدَّعَی، إِذْ ظَاهِرُهَا أَنَّ مَا بَقِیَ مِنْ تَکْبِیرِ الْأُولَی مَحْسُوبٌ لِلْجِنَازَتَیْنِ، فَإِذَا فَرَغُوا مِنْ تَکْبِیرِ الْأُولَی تَخَیَّرُوا بَیْنَ تَرْکِهَا بِحَالِهَا حَتَّی یُکْمِلُوا التَّکْبِیرَ عَلَی الْأَخِیرَةِ، وَبَیْنَ رَفْعِهَا مِنْ مَکَانِهَا وَالْإِتْمَامِ عَلَی الْأَخِیرَةِ، وَلَیْسَ فِی هَذَا دَلَالَةٌ عَلَی إِبْطَالِ الصَّلَاةِ عَلَی

---

[1]۔ کافی ۳ص ۱۹۰ح ۱، تہذیب ۳ص ۳۲۷ح ۱۰۲۰۔ مسائل علی بن جعفر۔ ص ۲۱۱ح ۴۵۷، وسائل الشیعہ، باب ۳۴ ابواب صلاۃ الجنازۃ ح ۱۔

الْأُولَى بِوَجْهٍ هَذَا مَعَ تَحْرِيمِ قَطْعِ الصَّلَاةِ الْوَاجِبَةِ نَعَمْ لَوْ خِيفَ عَلَى الْجَنَائِزِ قُطِعَتْ الصَّلَاةُ ثُمَّ اسْتَأْنَفَ عَلَيْهَا لِأَنَّهُ قَطْعٌ لِضَرُورَةٍ .وَإِلَى مَا ذَكَرَهُ أَشَارَ هُنَا بِقَوْلِهِ : (وَالْحَدِيثُ) الَّذِي رَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ (يَدُلُّ عَلَى احْتِسَابِ مَا بَقِيَ مِنْ التَّكْبِيرِ لَهُمَا ثُمَّ يَأْتِي بِالْبَاقِي لِلثَّانِيَةِ، وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي الذِّكْرَى) بِمَا حَكَيْنَاهُ عَنْهَا.

مصنف نے ذکری میں فرمایا؛ روایت اوپر والے دعوی کو ثابت کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہے کہ پہلے نماز جنازہ کی باقی تکبیریں دونوں جنازوں کے لیے شمار ہوں اور جب پہلے جنازے کی تکبیروں سے فارغ ہو جائیں تو اس میں اختیار ہے کہ اسے وہیں رہنے دیں یہاں تک کہ دوسرے جنازے کی تکبیریں مکمل کریں یا پہلے جنازے کو اس کی جگہ سے اٹھالیں اور دوسرے جنازے کی تکبیریں مکمل کریں اس روایت میں کہیں کوئی دلالت نہیں ہے کہ پہلے جنازے کی نماز کو توڑ دیں حالانکہ نماز واجب کو توڑنا حرام ہے ہاں اگر جنازوں کو خطرہ ہو تو نماز توڑ دی جائے پھر وہ شروع سے پڑھی جائے لیکن یہ نماز کا توڑنا اضطراری اور ضرورت کے تحت ہے اور اسی کی طرف مصنف نے آئندہ عبارت میں اشارہ کیا؛ اور وہ حدیث جو علی بن امام صادقؑ نے نقل کی وہ دلالت کرتی ہے کہ باقی تکبیریں دونوں جنازوں کے لیے شمار ہو جائیں پھر باقی رہنے والی تکبیریں دوسرے جنازے کی مکمل کی جائیں اور اس کو ہم نے ذکری میں تحقیق کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کو ذکری سے ہم نے یہاں نقل کیا۔

دوسرے جنازہ کی نیت کرنے کی مشکل کا حل

ثُمَّ اسْتَشْكَلَ بَعْدَ ذَلِكَ الْحَدِيثَ بِعَدَمِ تَنَاوُلِ النِّيَّةِ أَوَّلًا لِلثَّانِيَةِ فَكَيْفَ يُصْرَفُ بَاقِي التَّكْبِيرَاتِ إلَيْهَا، مَعَ تَوَقُّفِ الْعَمَلِ عَلَى النِّيَّةِ .وَأَجَابَ بِإِمْكَانِ حَمْلِهِ عَلَى

إحْدَاث نِيَّة مِنْ الْآنَ لِتَشْرِيک بَاقِي التَّكْبِيرِ عَلَى الْجِنَازَتَيْنِ .وَهَذَا الْجَوَابُ لَا مَعْدِلَ عَنْهُ، وَإِنْ لَمْ يُصَرِّحْ بِالنِّيَّةِ فِي الرِّوَايَةِ، لِأَنَّهَا أَمْرٌ قَلْبِيٌّ يَكْفِي فِيهَا مُجَرَّدُ الْقَصْدِ إلَى الصَّلَاةِ عَلَى الثَّانِيَةِ، إلَى آخِرِ مَا يُعْتَبَرُ فِيهَا .وَقَدْ حَقَّقَ الْمُصَنِّفُ فِي مَوَاضِعَ أَنَّ الصَّدْرَ الْأَوَّلَ مَا كَانُوا يَتَعَرَّضُونَ لِلنِّيَّةِ لِذَلِکَ، وَإِنَّمَا أَحْدَثَ الْبَحْثَ عَنْهَا الْمُتَأَخِّرُونَ، فَيَنْدَفِعُ الْإِشْكَالُ، وَقَدْ ظَهَرَ مِنْ ذَلِکَ أَنْ لَا دَلِيلَ عَلَى جَوَازِ الْقَطْعِ، وَبِدُونِهِ يُتَّجَهُ تَحْرِيمُهُ.

پھر اس کے بعد اس حدیث پر یہ اشکال کیا کہ یہ حدیث دوسرے جنازے کی نیت کو شامل نہیں ہے تو باقی تکبیرات کو کیسے دوسرے جنازے کے لیے پھیرا جا سکتا ہے حالانکہ اس کا انجام دینا نیت پر موقوف ہے پھر خود ہی اس مشکل کا جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ اب سے دوسرے جنازے کی نیت بھی کر لی جائے تا کہ باقی تکبیریں دونوں جنازوں کے لیے مشترک ہوں اور اس جواب کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں اگرچہ روایت میں نیت کی تصریح نہیں کی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت ایک قلبی امر ہے اس میں دوسرے جنازے پر نماز کا قصد کرنا کافی ہے جو چیزیں نیت میں معتبر ہوتی ہیں اور مصنف نے کئی جگہوں پر اس چیز کی تحقیق کی پیش کی ہے کہ صدر اول کے علماء نیت کے دلی امر ہونے کی وجہ سے اس کی تحث کے درپے نہیں ہوتے تھے اور علماء متاخرین نے نیت کی بحث کو شروع کیا تو اس طرح نیت کی مشکل حل ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی نماز جنازہ کو توڑنے کے جائز ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور دلیل کے بغیر نماز جنازے کا توڑنا حرام ہو گا۔

جنازوں پر خوف ہونے کی صورت میں نماز جنازہ چھوڑنے کا حکم

وَمَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ مِنْ جَوَازِ الْقَطْعِ – عَلَى تَقْدِيرِ الْخَوْفِ عَلَى الْجَنَائِزِ – غَيْرُ وَاضِحٍ، لِأَنَّ الْخَوْفَ إِنْ كَانَ عَلَى الْجَمِيعِ، أَوْ عَلَى الْأُولَى فَالْقَطْعُ يَزِيدُ الضَّرَرَ عَلَى الْأُولَى وَلَا يُزِيلُهُ، لِانْهِدَامِ مَا قَدْ مَضَى مِنْ صَلَاتِهَا الْمُوجِبُ لِزِيَادَةِ مُكْثِهَا، وَإِنْ كَانَ الْخَوْفُ عَلَى الْأَخِيرَةِ فَلَا بُدَّ لَهَا مِنَ الْمُكْثِ مِقْدَارَ الصَّلَاةِ عَلَيْهَا وَهُوَ يَحْصُلُ مَعَ التَّشْرِيكِ الْآنَ وَالِاسْتِئْنَافِ.نَعَمْ يُمْكِنُ فَرْضُهُ نَادِراً بِالْخَوْفِ عَلَى الثَّانِيَةِ، بِالنَّظَرِ إِلَى تَعَدُّدِ الدُّعَاءِ مَعَ اخْتِلَافِهِمَا فِيهِ، بِحَيْثُ يَزِيدُ مَا يَتَكَرَّرُ مِنْهُ عَلَى مَا مَضَى مِنَ الصَّلَاةِ-

اور جو مصنف نے ذکر کیا کہ جب جنازوں پر خوف ہو تو پہلی نماز جنازہ کو توڑنا جائز ہے، یہ بات واضح نہیں ہے کیونکہ خوف اگر سب جنازوں پر ہو یا صرف پہلے جنازہ پر ہو تو نماز جنازہ کو توڑنا پہلے جنازے کے خطرے کو بڑھا دیتا ہے اور اس کو ہرگز ختم نہیں کرتا کیونکہ جتنی تکبیریں پہلے جنازے کی گزر چکی ہوں ان کو خراب کرنا لازم آتا ہے جس سے اسے زیادہ رکھنا پڑے گا اور اگر صرف آخری جنازے پر خوف ہو تو بہر حال اسے تو نماز جنازہ کی مقدار جتنا رکھنا پڑے گا اور برابر ہے کہ اب اس کو پہلی نماز جنازہ کے ساتھ شامل کیا جائے یا (پہلی نماز جنازہ کو توڑ کر) دوبارہ نماز شروع کی جائے۔

ہاں خوے کی وجہ سے نماز جنازہ توڑنے کو اس صورت میں فرض کرنا ممکن ہے جب صرف دوسرے جنازہ کے لیے خوف ہو تو دونوں کو دعاء میں شریک کرنے کی جہت سے دیکھا جائے جب ان کی دعاوں میں اختلاف ہو تو اس سے جتنی نماز گزر چکی اس پر تکرار لازم آئے گا۔

جنازوں پر مشترک نماز پڑھنے کا طریقہ

وَحَيْثُ يَخْتَارُ التَّشْرِيكَ بَيْنَهُمَا فِيمَا بَقِيَ يَنْوِي بِقَلْبِهِ عَلَى الثَّانِيَةِ، وَيُكَبِّرُ تَكْبِيرًا مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا، كَمَا لَوْ حَضَرَتَا ابْتِدَاءً، وَيَدْعُو لِكُلِّ وَاحِدَةٍ بِوَظِيفَتِهَا مِنْ الدُّعَاءِ مُخَيَّرًا فِي التَّقْدِيمِ إِلَى أَنْ يُكْمِلَ الْأُولَى، ثُمَّ يُكْمِلَ مَا بَقِيَ مِنْ الثَّانِيَةِ. وَمِثْلُهُ مَا لَوْ اقْتَصَرَ عَلَى صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ عَلَى مُتَعَدِّدٍ، فَإِنَّهُ يُشْرِكُ بَيْنَهُمْ فِيمَا يَتَّحِدُ لَفْظُهُ وَيُرَاعِي فِي الْمُخْتَلِفِ - كَالدُّعَاءِ لَوْ كَانَ فِيهِمْ مُؤْمِنٌ وَمَجْهُولٌ وَمُنَافِقٌ وَطِفْلٌ - وَظِيفَةَ كُلِّ وَاحِدٍ، وَمَعَ اتِّحَادِ الصِّنْفِ يُرَاعِي تَثْنِيَةَ الضَّمِيرِ وَجَمْعَهُ وَتَذْكِيرَهُ وَتَأْنِيثَهُ، أَوْ يُذَكِّرُ مُطْلَقًا مُؤَوِّلًا بِالْمَيِّتِ، أَوْ يُؤَنِّثُ مُؤَوِّلًا بِالْجِنَازَةِ، وَالْأَوَّلُ أَوْلَى.

اور جہاں باقی تکبیروں میں دو جنازوں کے درمیان مشترک نماز پڑھنے کو اختیار کرے تو دوسرے کے لیے دل سے نیت کرے اور ان دونوں کے لیے مشترک تکبیر کہے گویا وہ ابتداء سے حاضر ہوں اور ہر ایک کے لیے اس کی دعائیں پڑھے ہاں اس میں اختیار ہے کہ اولا پہلے جنازے کی دعائیں مکمل کرے پھر جو دوسرے جنازے کی باقی ہوں ان کو مکمل کرے۔

اور اسی طرح ہے اگر کئی جنازوں پر (ابتداء سے) ایک نماز پڑھنے پر انحصار کرے تو ان کے درمیان ان دعاوں کو مشترک قرار دے جن کا لفظ ایک جیسا ہو اور جو الفاظ مختلف ہوں جیسے دعائیں اگر ان میں مومن، مجہول الحال، منافق اور بچے موجود ہوں تو ہر ایک کے مخصوص وظیفے کو انجام دے اور جب ان کی صنف ایک جیسی ہو تو ضمیر تثنیہ اور جمع اور مذکر و مونث لانے کا خیال رکھے یا سب کے لیے مذکر کی ضمیریں لائے اور ان کی تاویل میت سے کرے (کیونکہ لفظ میت مذکر ہے پس ان سب کے لیے ضمیر مذکر لائے) یا سب کے لیے مونث کی

ضمیر لائے اور ان کی تاویل جنازے سے کرے (کیونکہ جنازہ لفظ مونث ہے تو سب کے لیے ضمیر مونث لائے) طریقہ یعنی سب کے لیے ضمیر مذکر و مونث کا علیحدہ خیال رکھنا بہتر ہے۔

۵۔ دفن میت کے واجبات

(الْخَامِسُ–دَفْنُهُ) (وَالْوَاجِبُ مُوَارَاتُهُ فِي الْأَرْضِ)، عَلَى وَجْهٍ يَحْرُسُ جُثَّتَهُ مَنْ السِّبَاعِ، وَيَكْتُمُ رَائِحَتَهُ عَنْ الِانْتِشَارِ، وَاحْتُرِزَ بِالْأَرْضِ عَنْ وَضْعِهِ فِي بِنَاءٍ وَنَحْوِهِ وَإِنْ حَصَلَ الْوَصْفَانِ (مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ) بِوَجْهِهِ وَمَقَادِيمِ بَدَنِهِ (عَلَى جَانِبِهِ الْأَيْمَنِ) مَعَ الْإِمْكَانِ .

۱۔اور میت کو زمین میں اس طرح دفن کرنا واجب ہے کہ درندوں سے اس کا جسم محفوظ ہو جائے اور اس کی بدبو پھیلنے سے رک جائے اور زمین میں دفن کرنے کو بیان کر کے اس سے پرہیز کیا کہ کوئی اسے کسی عمارت وغیرہ میں رکھ دے اگرچہ اس سے سابقہ دونوں صفتیں حاصل ہو جائیں (یعنی اس کا جسم درندوں سے محفوظ ہو جائے اور بدبو بھی نہ پھیلے)۔

۲۔اور ممکنہ صورت میں اسے دائیں جانب پر اس کے چہرے اور بدن کے اگلے حصے کے ساتھ قبلہ رو کیا جائے۔

دفن میت کے مستحبات

(وَيُسْتَحَبُّ) أَنْ يَكُونَ (عُمْقُهُ) أَيْ الدَّفْنِ مُجَازًا، أَوْ الْقَبْرِ الْمَعْلُومِ بِالْمَقَامِ (نَحْوُ قَامَةٍ) مُعْتَدِلَةٍ، وَأَقَلُّ الْفَضْلِ إلَى التَّرْقُوَةِ (وَوَضْعُ الْجِنَازَةِ) عِنْدَ قُرْبِهَا مِنْ الْقَبْرِ بِذِرَاعَيْنِ، أَوْ بِثَلَاثٍ عِنْدَ رِجْلَيْهِ (أَوَّلًا وَنَقْلُ الرَّجُلِ) بَعْدَ ذَلِكَ (فِي ثَلَاثِ دُفُعَاتٍ) حَتَّى يَتَأَهَّبَ لِلْقَبْرِ وَإِنْزَالُهُ فِي الثَّالِثَةِ (وَالسَّبْقُ بِرَأْسِهِ) حَالَةَ الْإِنْزَالِ .

(وَالْمَرْأَةُ) تُوضَعُ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ وَتُنْقَلُ دُفْعَةً وَاحِدَةً وَتُنْزَلُ (عَرْضًا)، هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ، وَالْأَخْبَارُ خَالِيَةٌ عَنْ الدَّفَعَاتِ.(وَنُزُولُ الْأَجْنَبِيِّ مَعَهُ) لَا الرَّحِمُ، وَإِنْ كَانَ وَلَداً، (إِلَّا فِيهَا) فَإِنَّ نُزُولَ الرَّحِمِ مَعَهَا أَفْضَلُ، وَالزَّوْجُ أَوْلَى بِهَا مِنْهُ، وَمَعَ تَعَذُّرِهِمَا فَامْرَأَةٌ صَالِحَةٌ ثُمَّ أَجْنَبِيٌّ صَالِحٌ .(وَحَلُّ عُقَدِ الْأَكْفَانِ) مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ وَرِجْلَيْهِ (وَوَضْعُ خَدِّهِ) الْأَيْمَنِ عَلَى التُّرَابِ خَارِجَ الْكَفَنِ (وَجَعْلُ) شَيْءٍ مِنْ (تُرْبَةِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَعَهُ) تَحْتَ خَدِّهِ، أَوْ فِي مُطْلَقِ الْكَفَنِ، أَوْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، وَلَا يَقْدَحُ فِي مُصَاحَبَتِهِ لَهَا احْتِمَالُ وُصُولِ نَجَاسَتِهِ إِلَيْهَا لِأَصَالَةِ عَدَمِهِ، مَعَ ظُهُورِ طَهَارَتِهِ الْآنَ .(وَتَلْقِينُهُ) الشَّهَادَتَيْنِ وَالْإِقْرَارَ بِالْأَئِمَّةِ عَلَيْهِمْ السَّلَامُ وَاحِداً بَعْدَ وَاحِدٍ مِمَّنْ نَزَلَ مَعَهُ إِنْ كَانَ وَلِيًّا، وَإِلَّا اسْتَأْذَنَهُ، مُدْنِيًا فَاهُ إِلَى أُذُنِهِ قَائِلًا لَهُ " اسْمَعْ " ثَلَاثًا قَبْلَهُ (وَالدُّعَاءُ لَهُ) يَقُولُ : " بِسْمِ اللَّهِ وَبِاَللَّهِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، اللَّهُمَّ عَبْدُكَ نَزَلَ بِكَ، وَأَنْتَ خَيْرُ مَنْزُولٍ بِهِ، اللَّهُمَّ أَفْسِحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَأَلْحِقْهُ بِنَبِيِّهِ، اللَّهُمَّ إِنَّا لَا نَعْلَمُ مِنْهُ إِلَّا خَيْراً وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنَّا " (وَالْخُرُوجُ مِنْ قِبَلِ الرِّجْلَيْنِ) لِأَنَّهُ بَابُ الْقَبْرِ، وَفِيهِ احْتِرَامٌ لِلْمَيِّتِ .(وَالْإِهَالَةُ) لِلتُّرَابِ مِنْ الْحَاضِرِينَ غَيْرِ الرَّحِمِ (بِظُهُورِ الْأَكُفِّ مُسْتَرْجِعِينَ) أَيْ قَائِلِينَ : " إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ " حَالَةَ الْإِهَالَةِ، يُقَالُ رَجَعَ وَاسْتَرْجَعَ : إِذَا قَالَ ذَلِكَ .(وَرَفْعُ الْقَبْرِ) عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ مِقْدَارَ (أَرْبَعِ أَصَابِعَ) مُفَرَّجَاتٍ إِلَى شِبْرٍ لَا أَزْيَدَ لِيُعْرَفَ فَيُزَارَ وَيُحْتَرَمَ، وَلَوْ اخْتَلَفَتْ سُطُوحُ الْأَرْضِ اُغْتُفِرَ رَفْعُهُ عَنْ

أَعْلَاهَا وَتَأَدَّتْ السُّنَّةُ بِأَدْنَاهَا.(وَتَسْطِيحُهُ) لَا يُجْعَلُ لَهُ فِي ظَهْرِهِ سَنَمٌ لِأَنَّهُ مِنْ شِعَارِ النَّاصِبَةِ وَبِدَعِهِمْ الْمُحْدَثَةِ مَعَ اعْتِرَافِهِمْ بِأَنَّهُ خِلَافُ السُّنَّةِ مُرَاغَمَةً لِلْفِرْقَةِ الْمُحِقَّةِ، (وَصَبُّ الْمَاءِ عَلَيْهِ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ) إلَى رِجْلَيْهِ (دَوْرًا) إلَى أَنْ يَنْتَهِيَ إلَيْهِ، (وَ) يُصَبُّ (الْفَاضِلُ عَلَى وَسَطِهِ) وَلْيَكُنْ الصَّابُّ مُسْتَقْبِلًا (وَوَضْعُ الْيَدِ عَلَيْهِ) بَعْدَ نَضْحِهِ بِالْمَاءِ، مُؤَثِّرَةً فِي التُّرَابِ، مُفَرَّجَةَ الْأَصَابِعِ، وَظَاهِرُ الْأَخْبَارِ أَنَّ الْحُكْمَ مُخْتَصٌّ بِهَذِهِ الْحَالَةِ فَلَا يُسْتَحَبُّ تَأْثِيرُهَا بَعْدَهُ .وَرَوَى زُرَارَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ : " إذَا حُثِيَ عَلَيْهِ التُّرَابُ وَسُوِّيَ قَبْرُهُ فَضَعْ كَفَّكَ عَلَى قَبْرِهِ عِنْدَ رَأْسِهِ وَفَرِّجْ أَصَابِعَكَ وَاغْمِزْ كَفَّكَ عَلَيْهِ، بَعْدَ مَا يُنْضَحُ بِالْمَاءِ "، وَالْأَصْلُ عَدَمُ الِاسْتِحْبَابِ فِي غَيْرِهِ، وَأَمَّا تَأْثِيرُ الْيَدِ فِي غَيْرِ التُّرَابِ فَلَيْسَ بِسُنَّةٍ مُطْلَقًا، بَلْ اعْتِقَادُهُ سُنَّةً بِدْعَةٌ (مُتَرَحِّمًا) عَلَيْهِ بِمَا شَاءَ مِنْ الْأَلْفَاظِ، وَأَفْضَلُهُ " اللَّهُمَّ جَافِ الْأَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ وَأَصْعِدْ إلَيْكَ رُوحَهُ وَلَقِّهِ مِنْكَ رِضْوَانًا وَأَسْكِنْ قَبْرَهُ مِنْ رَحْمَتِكَ مَا تُغْنِيهِ عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ " وَكَذَا يَقُولُهُ كُلَّمَا زَارَهُ مُسْتَقْبِلًا .(وَتَلْقِينُ الْوَلِيِّ)، أَوْ مَنْ يَأْمُرُهُ (بَعْدَ الِانْصِرَافِ) بِصَوْتٍ عَالٍ إلَّا مَعَ التَّقِيَّةِ (وَيَتَخَيَّرُ) الْمُلَقِّنُ (فِي الِاسْتِقْبَالِ وَالِاسْتِدْبَارِ) لِعَدَمِ وُرُودِ مُعَيَّنٍ .(وَيُسْتَحَبُّ التَّعْزِيَةُ) لِأَهْلِ الْمُصِيبَةِ، وَهِيَ تَفْعِلَةٌ مِنْ الْعَزَاءِ وَهُوَ الصَّبْرُ، وَمِنْهُ " أَحْسَنَ اللَّهُ عَزَاءَكَ " أَيْ صَبْرَكَ " وَسَلْوَكَ " يُمَدُّ وَيُقْصَرُ، وَالْمُرَادُ بِهَا الْحَمْلُ عَلَى الصَّبْرِ وَالتَّسْلِيَةُ عَنْ الْمُصَابِ بِإِسْنَادِ الْأَمْرِ إلَى حِكْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَعَدْلِهِ، وَتَذْكِيرِهِ بِمَا وَعَدَ اللَّهُ

الصَّابِرِينَ، وَمَا فَعَلَهُ الْأَكَابِرُ مِنْ الْمُصَابِينَ، فَمَنْ عَزَّى مُصَابًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِه، وَمَنْ عَزَّى ثَكْلَى كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ، وَهِيَ مَشْرُوعَةٌ (قَبْلَ الدَّفْنِ) إجْمَاعًا (وَبَعْدَهُ) عِنْدَنَا.

اور دفن میں درج ذیل چیزیں مستحب ہیں :

ا۔ دفن کی گہرائی ایک معتدل انسان کے قد کے برابر ہونی چاہیے، اس میں ضمیر دفن کی طرف لوٹے تو وہ مجاز ہے کیونکہ دفن تو گہرا یا بلند نہیں ہوتا یا وہ ضمیر قبر کی طرف جارہی ہے تو اس کے بارے میں بحث ہونے کی وجہ سے وہ معلوم ہے اور کم تر فضیلت یہ ہے کہ وہ ہنسلی کی ہڈی جتنی گہرائی میں ہو۔

۲۔ جنازے کو پہلے قبر کی پائنتی کی طرف سے قبر کے قریب دو ذراع یا تین ذراع کے فاصلے پر رکھا جائے پھر اس کے بعد مرد کو تین دفعہ اٹھاتے اور رکھتے ہوئے قبر میں اتارنا چاہیے تاکہ وہ قبر کے لیے آمادہ ہو لے اور تیسری دفعہ اسے قبر میں اتارنا چاہیے۔

۳۔ اور مرد کو قبر میں اتارتے وقت سر کی طرف سے اتاریں۔

۴۔ اور عورت کو قبلہ کی طرف رکھا جائے اور اسے ایک بار رکھ کر پھر عرض کی طرف سے قبر میں اتار دیں یہ مشہور ہے اور روایات میں تین دفعہ اٹھانے اور رکھنے کا ذکر نہیں ہے۔

۵۔ جنازے کے ساتھ قبر میں کوئی اجنبی اور پرایا شخص اترے نہ اس کا کوئی رشتہ دار اترے اگرچہ وہ اس کا بیٹا ہو (یعنی بیٹے کا بھی جنازے کے ساتھ قبر میں اترنا مستحب نہیں ہے) مگر عورت کے جنازے کے ساتھ قبر میں اس کے رشتہ دار کا اترنا افضل ہے اور اس سے بہتر یہ ہے کہ اس کا شوہر اترے اور جب وہ دونوں (رشتہ دار اور شوہر) نہ ہوں تو کوئی نیک عورت اترے پھر اس کے بعد کوئی نیکوکار اجنبی مرد اترے۔

۶۔ قبر میں اس کے کفن کے بند سر اور ٹانگوں کی طرف سے کھول دیئے جائیں۔

۷۔ اور اس کا دائیں رخسارہ کفن سے نکال کر مٹی پر رکھ دیا جائے۔
۸۔ اور قبر میں اس کے ساتھ اس کے رخسارے کے نیچے یا اس کے کفن میں یا اس کے چہرے کے سامنے کچھ تربت پاک امام حسین رکھ دی جائے، اور اس میں یہ احتمال تربت کے اس کے ساتھ رکھنے میں مشکل نہیں کرتا کہ شاید تربت پاک پر مردے کی کوئی نجاست نہ پہنچ جائے کیونکہ اصل یہ ہے کہ نجاست نہیں پہنچے گی اور ابھی اس کا پاک ہونا ظاہر ہے۔
۹۔ اسے شہادتین اور ائمہ معصومینؑ کی ترتیب کے ساتھ وہ شخص تلقین کرے جو اس کے ساتھ قبر میں اترے اگر وہ ولی ہو وگرنہ وہ ولی سے اجازت لے لے، اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے جائے اور تلقین سے پہلے تین بار کہے: سنو، (اے فلاں بن فلاں)۔
۱۰۔ اور (دفن کرتے وقت) اس کے لیے دعا کرے اور وہ یہ ہے: خدا کے نام سے خدا کی مدد سے اور اسی کے راستے میں اور نبی اکرم ﷺ دین پر، خدایا یہ تیرا بندہ تیرے پاس پہنچ گیا اور تو بہترین میزبان ہے خدایا! اس کے لیے اس کی قبر کو وسعت دے اور اسے اپنے نبی پاک ﷺ کے ساتھ ملحق فرما یا خدایا! ہم اس سے سوائے نیکی کے کچھ نہیں جانتے اور تو اس کو ہم سے بہتر جانتا ہے۔
۱۱۔ اور قبر کی پائنتی کی طرف سے باہر نکلیں کیونکہ وہی طرف قبر کا دروازہ ہے اور اس میں میت کا احترام بھی ملحوظ ہے۔
۱۲۔ اور اس کی قبر پر رشتہ داروں کے علاوہ دیگر افراد ہتھیلی کی پشت سے مٹی ڈالتے ہوئے کلمہ استرجاع پڑھیں؛ بے شک ہم خدا کے لیے ہیں اور اسی کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں اور جب یہ کلمہ کہا جائے تو عربی زبان میں کہتے ہیں رجع واسترجع۔
۱۳۔ قبر کو زمین کی سطح سے چار کھلی انگلیوں سے لیکر ایک بالشت تک بلند کرنا چاہیے اس سے زیادہ نہیں اور اس مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ اس کا قبر ہونا معلوم ہو اس کی زیارت

کی جائے اور اس کا احترام و اکرام کیا جائے اور زمین کی سطح مختلف ہو تو اس کا زمین کی بلند سطح سے اوپر چار انگلی کے برابر اٹھانا معاف ہے اور اس کی نشیبی جگہ سے بلند کرنے سے بھی مستحب ادا ہو جائے گا۔

۱۴۔ قبر کو برابر بنانا مستحب ہے یعنی اس کی پشت پر کہان نہ بنائی جائے کیونکہ وہ ناصبیوں اور دشمنان اہل بیت کا طریقہ ہے اور ان کی ایجاد کردہ بدعت ہے اور وہ خود بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ سنت نبی اکرم ﷺ کے خلاف ہے لیکن مذہب اہل بیتؑ کی مخالفت میں اس پر ڈٹے ہوئے ہیں[۲]۔

۱۵۔ اور قبر پر اس کے سر کی طرف سے شروع کر کے دائرہ کی شکل میں اس کے پاوں تک پانی ڈالنا مستحب ہے اور جو باقی بچے وہ اس کے درمیان میں ڈال دیا جائے اور پانی ڈالنے والے کو قبلہ رو کھڑا ہونا چاہیے۔

۱۶۔ قبر پر پانی ڈالنے کے بعد مٹی میں ہاتھ گاڑنا مستحب ہے جبکہ انگلیاں کھلی ہوں۔ اور روایات سے ظاہر ہے کہ یہ حکم اسی حالت سے مختص ہے تو اس کے بعد انگلیاں گاڑنا مستحب نہیں ہوگا جیسا کہ زرارہ نے امام باقرؑ سے روایت کی فرمایا جب اس پر مٹی ڈال دی جائے اور قبر

---

[۱]۔ مومنین کی قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے اس کے خاص آداب ہیں، ملاحظہ ہو مفاتیح الجنان کے حواشی کا آخری حصہ۔

[۲]۔ بہت سے مسائل لوگوں میں ایسے معروف ہیں جو صریح سنت کے خلاف ہیں اور ان پر سنت نبوی کی مخالفت لازم آتی ہے لیکن کچھ ایسے ہی سیاسی اور اجتماعی حالات نے انہیں دوام بخش دیا ہے جن میں بسم اللہ کو آہستہ آواز سے یا بالکل نہ پڑھنا ہے، مستحب کو جماعت سے پڑھنا ہے، وضو میں پاوں دھونا اور پاوں پر مسح جائز نہ کہنا لیکن موزے پر جائز کہنا، نماز میں ہاتھ باندھنا اور آمین کہنا، کپڑے پر سجدہ کرنا اور انہی میں سے ایک مسئلہ قبر کی کہان نکالنا ہے حالانکہ سنت ان کے خلاف موجود ہے ان کو مفصل کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

برابر کردی جائے تو اپنی ہتھیلی سر کے نزدیک قبر پر رکھ اور اپنی انگلیاں کھول دے اور اپنی ہتھیلی کو اس پر زور دے اور یہ پانی ڈالنے کے بعد ہونا چاہیے[1]۔

اور دیگر موارد میں اصل قانون یہ ہے کہ مستحب نہیں ہوگا (کیونکہ جس چیز کی دلیل نہ ملے اسے اپنی طرف سے مستحب نہیں بنایا جاسکتا)۔

اور مٹی کے علاوہ کسی بھی چیز (جیسے ریت وغیرہ) میں ہاتھ گاڑنا سنت نہیں ہیں بلکہ وہاں ہاتھ گاڑنے کو سنت کہنا ہی بدعت ہے[2]۔

اور قبر کی مٹی پر ہتھیلی رکھتے ہوئے صاحب قبر کے لیے جن الفاظ میں چاہیے رحمت خدا تعالی کی دعا کرے لیکن اس کے افضل الفاظ یہ ہیں: اللَّهُمَّ جَافِ الْأَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ وَأَصْعِدْ إِلَيْكَ رُوحَهُ وَلَقِّهِ مِنْكَ رِضْوَانًا وَأَسْكِنْ قَبْرَهُ مِنْ رَحْمَتِكَ مَا تُغْنِيهِ عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ[3]؛ اور اسی طرح کہے بعد میں جب بھی اس کی زیارت کرے اور یہ دعا قبلہ رو ہو کر پڑھنی چاہیے۔

۱۷۔ تدفین میں شرکت کرنے والوں کے لوٹ جانے کے بعد ولی یا جس کو وہ اجازت دے بلند آواز سے تلقین پڑھے مگر تقیہ کی حالت میں[4]، او تلقین کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ قبلہ رو کھڑا ہو یا پشت بہ قبلہ کیونکہ کسی خاص جہت کے بارے میں دلیل موجود نہیں ہے۔

---

[1]۔ یہ زرارہ کی صحیح السند روایت ہے دیکھیئے وسائل باب ۳۳ ابواب دفن ح۱۔

[2]۔ کیونکہ جس چیز کا مستحب ہونا ثابت نہ ہو اس کو مستحب کہنا بدعت، تشریع اور حرام ہے۔

[3] اسے محمد بن مسلم نے امام باقرؑ سے نقل کیا ہے وسائل باب ۲۹ ح ۱۳ ابواب دفن

[4]۔ کیونکہ ان میں بعض اس تلقین کے منکر ہیں اور آخری دور میں توحید کے نام پر اس میں اور شدت آگئی ہے کیونکہ وہ اب ایسے سب کاموں کو توحید کے منافی اور شرک کی قسم قرار دینے لگے ہیں حالانکہ شرک کہاں اور خدا کے احکام کی پیروی میں، اور اس کے نبی اور اہل بیت کے طریقے کی سنت میں ایسے کام انجام دینا نہ صرف شرک نہیں بلکہ عین توحید ہیں کیونکہ جب ان کے طریقے کا انکار کیا جائے تو وہ نافرمانی اور شرک عملی لازم آتا ہے اور بعض لوگوں کو شبہ ہے کہ مرنے کے بعد وہ ہماری

۱۸۔ مصیبت والوں کو تعزیت پیش کرنا مستحب ہے یعنی انہیں صبر کی تلقین کرنی چاہیے اور اس کے الفاظ یہ ہیں خدا تمہیں صبر کی توفیق دے اس سے مراد انہیں اس مصیبت پر صبر کرنے کی تاکید کرنا ہے اور اس کو خدا کی حکمت اور اس کے عدل کے مطابق قرار دینا ہے اور انہیں خدا کے وہ وعدے یاد دلائیں جو خدا نے صبر کرنے والوں کے لیے قرار دیئے ہیں[1] اور انہیں یاد دلائیں جو مصیبت کے وقت بزرگان دین نے صبر کیا پس جو شخص مصیبت زدہ افراد کو صبر کی تلقین اور تعزیت پیش کرے گا تو اس کے لیے اتنا اجر ہے جتنا مصیبت برداشت کرنے والوں کا ہے[2] اور جس نے پسر مردہ مصیبت زدہ ماں کو تعزیت پیش کی اسے جنت میں چادر پہنائی جائے گی[3] اور دفن سے پہلے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ تعزیت کرنا جائز ہے لیکن دفن کے بعد ہمارے مذہب والوں کا اتفاق ہے کہ تعزیت جائز ہے[4]۔

آواز کو نہیں سن سکتے تو اولا تو ہمارا کام ہے اس مستحب کام کو انجام دینا چاہے وہ سنے یا اس کے حساب کتاب کے لیے آنے والے فرشتے ثانیا میت کا سننے کے بارے میں معتبر ادلہ موجود ہیں جنہیں قرآن کی آیات اور روایات میں کثرت سے دیکھا جاسکتا ہے۔

[1]۔ قرآن اور سنت میں صبر کرنے والوں خصوصا عزیزوں کی موت پر صبر کرنے والوں کے لیے خدا نے بہت اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

[2]۔ یہ وہب کی امام صادقؑ سے روایت میں کا مضمون ہے جس میں آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان نقل فرمایا۔

[3]۔ اسے شہید ثانی نے مسکن الفوائد میں ابو ہریرہ کے واسطے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا (مستدرک الوسائل باب ۴۰ ابواب دفن ح ٦) لیکن اہل سنت نے اسے ابوبرزہ کے واسطے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے جیسا جامع کبیر میں سیوطی نے ذکر کیا؛ ترمذی، ۳/۳۸۷، ن ۱۰٧٦، بیہقی، شعب الایمان، ۷/۱۳ ن ۹۲۸۱۔

[4]۔ اس اکثر مسلمانوں کا اتفاق ہے سوائے سفیان ثوری کے کہ دفن کے بعد اس نے تعزیت کو مکروہ قرار دیا وار کہا دفن سے میت کے امور کا خاتمہ ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تعزیت کے استحباب کی دلیلوں کا مفہوم وسیع ہے جو دونوں حالتوں کو شامل ہے پھر دفن سے میت کے امور کا خاتمہ ہوتا ہے لیکن اس کے مصیبت زدہ لواحقین کے امر کا خاتمہ تو نہیں ہو جاتا اور نہ ان کی مصیبت کی تلخی ختم ہو جاتی ہے انہیں شدت سے ضرورت ہے کہ انہیں دلاسا دیا جائے۔ اور یہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیتؑ کا طریقہ ہے۔

مردگان کے احکام کا کفائی ہونا

(وَكُلُّ أَحْكَامِهِ) أَيْ أَحْكَامِ الْمَيِّتِ (مِنْ فُرُوضِ الْكِفَايَةِ) إِنْ كَانَتْ وَاجِبَةً (أَوْ نَدْبِهَا) إِنْ كَانَتْ مَنْدُوبَةً .

وَمَعْنَى الْفَرْضِ الْكِفَائِيِّ مُخَاطَبَةُ الْكُلِّ بِهِ ابْتِدَاءً عَلَى وَجْهٍ يَقْتَضِي وُقُوعَهُ مِنْ أَيِّهِمْ كَانَ، وَسُقُوطُهُ بِقِيَامِ مَنْ فِيهِ الْكِفَايَةُ، فَمَتَى تَلَبَّسَ بِهِ مَنْ يُمْكِنُهُ الْقِيَامُ بِهِ سَقَطَ عَنْ غَيْرِهِ سُقُوطًا مُرَاعًى بِإِكْمَالِهِ، وَمَتَى لَمْ يَتَّفِقْ ذَلِكَ أَثِمَ الْجَمِيعُ فِي التَّأَخُّرِ عَنْهُ، سَوَاءٌ فِي ذَلِكَ الْوَلِيُّ وَغَيْرُهُ، مِمَّنْ عَلِمَ بِمَوْتِهِ مِنَ الْمُكَلَّفِينَ، الْقَادِرِينَ عَلَيْهِ .

اور مردگان کے یہ سب احکام فرض کفائی ہیں اگر واجبات میں سے ہوں اور اگر مستحبات میں سے ہوں تو مستحب کفائی ہیں[1] اور واجب کفائی کا معنی یہ ہے کہ ابتداء میں وہ سب پر واجب ہیں اور سب کو ان کا مخاطب قرار دیا گیا ہے اس طرح کہ وہ خطاب تقاضا کرتا ہے ان میں سے کوئی بھی اسے انجام دے سکتا ہے اور جب اسے کافی حد تک انجام دے دیا جائے تو بقیہ سے وہ ساقط ہو جاتے ہیں پس جب اسے انجام دینے سے اتنے افراد شروع ہو جائیں جو اسے اچھی طرح انجام دے سکیں تو دوسروں سے وہ وجوب اس شرط کے ساتھ ساقط ہوگا کہ وہ لوگ اسے کامل

[1]۔ ان میں سے تمام واجبات اور اکثر مستحبات کفائی ہیں اگرچہ بعض مستحبات عینی ہیں جیسے تشیع جنازہ، دعاء اور تعزیت کرنا جو بھی کرے ثواب پائے گا اور جہاں تک واجب کفائی کے تصور کا مسئلہ ہے تو اس میں اصول فقہ میں بعض دانشمندوں نے مشکل کا سامنا کیا ہے اور اس کے واجب ہونے اور بعض کے انجام دینے سے دوسروں سے ساقط ہو جانے کو اچھی طرح جمع نہیں کر سکے لیکن چونکہ یہ مسئلہ شریعت میں ثابت اور واقع ہے اس لیے اس کی اصولی خشک بحث کو اصول کی تحقیقات کے لیے چھوڑ دیتے ہیں جس کو ہم نے مقدمہ واجب کی مستقل تحقیق میں تقسیمات واجب اور سہل الوصول الی علم الاصول میں تفصیل سے ذکر کیا ہے تو تکرار اچھا نہیں ہے۔

طور پر انجام دیں اور جب اس واجب کو کامل طور پر انجام نہ دیا جائے سب لوگ اس کو چھوڑنے کی وجہ سے گناہ گار ہونگے چاہے وہ اس کا ولی ہو یا کوئی دوسرا مسلمان ان لوگوں میں سے جنہیں اس کی موت کا علم ہوا ہو اور وہ عاقل و بالغ بھی ہوں اور اس کے کاموں کو انجام دینے کی قدرت بھی رکھتے ہوں اور چھوڑ دیں تو وہ سب گناہ گار ہونگے۔

فصل ۳: تیمّم

ا۔ تیمّم کی شرائط

(الْفَصْلُ الثَّالِثُ؛ فِي التَّيَمُّمِ وَشَرْطُهُ: عَدَمُ الْمَاءِ) بِأَنْ لَا يُوجَدُ مَعَ طَلَبِهِ عَلَى الْوَجْهِ الْمُعْتَبَرِ (أَوْ عَدَمُ الْوُصْلَةِ إِلَيْهِ) مَعَ كَوْنِهِ مَوْجُودًا.إِمَّا لِلْعَجْزِ عَنْ الْحَرَكَةِ الْمُحْتَاجِ إِلَيْهَا فِي تَحْصِيلِهِ، لِكِبَرٍ، أَوْ مَرَضٍ، أَوْ ضَعْفِ قُوَّةٍ، وَلَمْ يَجِدْ مُعَاوِنًا وَلَوْ بِأُجْرَةٍ مَقْدُورَةٍ، أَوْ لِضِيقِ الْوَقْتِ بِحَيْثُ لَا يُدْرِكُ مِنْهُ مَعَهُ بَعْدَ الطَّهَارَةِ رَكْعَةً أَوْ لِكَوْنِهِ فِي بِئْرٍ بَعِيدِ الْقَعْرِ يَتَعَذَّرُ الْوُصُولُ إِلَيْهِ بِدُونِ الْآلَةِ وَهُوَ عَاجِزٌ عَنْ تَحْصِيلِهَا وَلَوْ بِعِوَضٍ، أَوْ شَقِّ ثَوْبٍ نَفِيسٍ أَوْ إِعَارَةٍ، أَوْ لِكَوْنِهِ مَوْجُودًا فِي مَحَلٍّ يَخَافُ مِنْ السَّعْيِ إِلَيْهِ عَلَى نَفْسٍ، أَوْ طَرَفٍ أَوْ مَالٍ مُحْتَرَمَةٍ أَوْ بِضْعٍ أَوْ عِرْضٍ أَوْ ذَهَابِ عَقْلٍ وَلَوْ بِمُجَرَّدِ الْجُبْنِ، أَوْ لِوُجُودِهِ بِعِوَضٍ يَعْجَزُ عَنْ بَذْلِهِ لِعَدَمٍ أَوْ حَاجَةٍ وَلَوْ فِي وَقْتٍ مُتَرَقَّبٍ وَلَا فَرْقَ فِي الْمَالِ الْمَخُوفِ ذَهَابُهُ وَالْوَاجِبُ بَذْلُهُ عِوَضًا - حَيْثُ يَجِبُ حِفْظُ الْأَوَّلِ وَبَذْلُ الثَّانِي - بَيْنَ الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ، وَالْفَارِقُ النَّصُّ لَا أَنَّ الْحَاصِلَ بِالْأَوَّلِ الْعِوَضُ عَلَى الْغَاصِبِ وَهُوَ مُنْقَطِعٌ، وَفِي الثَّانِي الثَّوَابُ وَهُوَ دَائِمٌ، لِتَحَقُّقِ الثَّوَابِ فِيهِمَا مَعَ بَذْلِهِمَا اخْتِيَارًا طَلَبًا لِلْعِبَادَةِ لَوْ أُبِيحَ ذَلِكَ، بَلْ قَدْ تَجْتَمِعُ فِي الْأَوَّلِ الْعِوَضُ وَالثَّوَابُ بِخِلَافِ الثَّانِي .(أَوْ الْخَوْفُ مِنْ اسْتِعْمَالِهِ لِمَرَضٍ) حَاصِلٍ يَخَافُ زِيَادَتَهُ، أَوْ بُطْأَهُ أَوْ عُسْرَ عِلَاجِهِ، أَوْ مُتَوَقَّعٍ، أَوْ بَرْدٍ شَدِيدٍ يَشُقُّ تَحَمُّلُهُ، أَوْ

خَوْفِ عَطَشٍ حَاصِلٍ، أَوْ مُتَوَقَّعٍ فِی زَمَانٍ لَا يَحْصُلُ فِيهِ الْمَاءُ عَادَةً، أَوْ بِقَرَائِنِ الْأَحْوَالِ لِنَفْسٍ مُحْتَرَمَةٍ وَلَوْ حَيَوَانًا.

اور تیسری فصل تیمّم[1] کے بارے میں ہے اور اس کی درج ذیل شرائط ہیں؛

---

[1]۔ تیمّم کا فائدہ؛ زمین پر ہاتھ مارنے اور پھر انہیں پیشانی اور ہاتھوں کی پشت پر پھیرنے میں کیا فائدہ ہے خصوصاً جبکہ معلوم ہے کہ بہت سی مٹی گندی بھی ہوتی ہے اور اس سے جراثیم بھی منتقل ہوتے ہیں۔ اس سوال کے جواب کے لئے دو نکتوں کی طرف توجہ کرنا چاہئیے۔

الف: اخلاقی فائدہ۔ تیمّم ایک عبادت ہے، اور عبادت کی روح اس میں اپنے حقیقی معنیٰ میں جلوہ گر ہوتی ہے کیونکہ انسان اپنی پیشانی کو جو بدن کا محترم ترین عضو ہے اس ہاتھ سے جو مٹی پر مارا گیا ہے مس کرتا ہے تاکہ اس کی بارگاہ میں اپنی عاجزی و انکساری ظاہر کرے یعنی میری پیشانی اور ہاتھ تیرے سامنے انتہائی خشوع و خضوع کے لئے حاضر ہیں، اس کے بعد انسان نماز یا دوسری عبادتوں کو انتہائی خلوص اور عاجزی سے ادا کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے جن میں وضو یا غسل کی شرط ہے۔ اس طرح انکساری، عبودیت اور شکر گزراری کے جذبے کو پروان چڑھانے کے لئے یہ عمل بہت موئثر اور کارگر ہے۔

ب: حفظانِ صحت کا فائدہ: آج کی دنیا میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مٹی اپنے بہت سے جرثوموں BACTERIAS)) کی وجہ سے گندگیوں کو دور کرسکتی ہے۔ یہ جرثومے جن کا کام آلودہ کرنے والے مواد کا تجزیہ اور طرح طرح کی بدبو کو دور کرنا ہے زیادہ تر زمین کی سطح پر معمولی سی گہرائی میں جہاں سے ہوا اور سورج کی روشنی سے بخوبی فائدہ اٹھا سکیں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے جب مردہ جانور یا لاشیں زمین میں دفن کردی جائیں اور اسی طرح سے دوسری چیزیں جو گندگی سے بھری ہوئی زمین پر پڑی ہوں، تھوڑے ہی عرصے میں ان کے اجزا بکھرے جاتے ہیں اور جرثوموں کی وجہ سے وہ بدبو کا مرکز نیست و نابود ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ مسلّم ہے کہ اگر زمین میں یہ خاصیت نہ ہوتی تو کرۂ زمین مدت قلیل میں بدبو کے ڈھیروں میں بدل جاتا۔ اصولی طور پر مٹی اینٹی بائیوٹک (ANTIBIOTIC) اثر رکھتی ہے جو بہترین جراثیم کش ہے۔ اس بنا پر نہ صرف یہ کہ پاکیزہ مٹی گندی چیز نہیں بلکہ وہ گندگی کو دور کرنے والی ہے اور اس لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی حد تک پانی کی جانشینی کرے۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ پانی جراثیم کو حل کر کے بہالے جاتا ہے لیکن مٹی انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔ البتہ تیمّم کی مٹی مکمل طور پر پاک و کیزہ ہو جیسا کہ قرآن اس کی تعبیر لفظ "طیباً" سے کی ہے۔ یہ بھی قابل توجہ ہے کہ اس "سے وہ" صعید "مراد ہے جو مادۂ" صعود "لیا گیا ہے۔ یعنی بہتر ہے کہ اس کام کے لئے وہ مٹی چنی جائے جو سطح زمین پر سورج کی تپش اور اس کی روشنی کی زد میں ہو اور جراثیم مارنے والے جرثوموں سے بھری ہوئی ہو، اگر اس قسم کی مٹی پاک و پاکیزہ ہو تو اس سے تیمّم مندرجہ بالا اثرات رکھتا ہے

ا) ۔پانی کا موجود نہ ہونا[1] یعنی اسے شرعی معتبر طریقے سے تلاش کرنے کے باوجود پیدا نہ کر سکے۔

۲) ۔یا اگر پانی موجود ہو تو اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو اور اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں :

ا۔ یا تو پانی حاصل کرنے کے لیے حرکت کی ضرورت ہو اور وہ بڑھاپے یا مرض یا شدید کمزوری کی وجہ سے حرکت نہ کر سکتا ہو اور اسکو تعاون کرنے والا بھی نہ ملے اگرچہ اتنی اجرت اور مزدوری دیکر جو اس کے بس میں ہو۔

۲۔ یا اس لیے کہ وقت اس قدر تنگ ہو کہ اگر اس کو حاصل کرے اور وضو یا غسل کرے تو طہارت کے بعد ایک رکعت بھی وقت کے اندر نہیں پڑھ سکے گا۔

۳۔ یا اس لیے کہ پانی کسی نہایت گہرے کنویں کے پایندے میں ہو اور اس تک پہنچنا بغیر کسی آلے اور وسیلے کے مشکل ہو اور وہ اس آلے کو حاصل کرنے سے عاجز ہو اگرچہ کچھ عوض دیکر یا کسی عمدہ کپڑے کو پھاڑ کر یا اسے عاریۃ لیکر بھی حاصل نہ کر سکتا ہو۔

۴۔ یا اس لیے کہ پانی کسی ایسی جگہ پر موجود ہو جہاں جانے سے جان یا کسی عضو یا مال محترم یا ناموس یا عقل جانے کا خطرہ ہو[2]۔

---

[1]۔ جب پانی موجود نہ ہو اور تلاش کے بعد بھی نہ ملے تو اس وقت تیمّم کے مشروع ہونے پر خود قرآن کی آیت کریمہ اور بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں

[2]۔ خوف اور خطرے کے وقت تکلیف دینا اور اس پر پانی حاصل کرنے کا واجب ہونا تکلیف عسری اور حرجی ہے جس کو شریعت اسلامیہ میں نفی کی گئی ہے تو تیمّم کرنا متعین ہوگا اور اس پر بعض روایات بھی دلالت کرتی ہیں لیکن ان کی سندوں میں اشکال ہے جیسا داود رقی کی روایت کہ خود داود کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اور یعقوب بن سالم کی روایت کہ اس میں معلّٰی بن محمد ضعیف ہے اور تیسری میں علی بن سالم مجہول ہے (وسائل باب ۲ ابواب تیمّم) تائید مطلب اور توضیح مسئلہ کی خاطر ان میں سے دو کو نقل کیا جاتا ہے: محمد بن یعقوب ، عن عدة من إصحابنا، عن إحمد بن محمد ، عن ابن محبوب ، عن داود الرقی قال :
قلت لأبی عبدالله (علیه السلام) : أکون فی السفر فتحضر الصلاة ولیس معی ماء ، ویقال : إن الماء قریب منا ، أفأطلب الماء وأنا فی وقت یمینا وشمالا ؟ قال : لا تطلب الماء ولکن تیمم ، فإنی أخاف

۵۔ یا اس لیے کہ پانی موجود ہو لیکن اس کے لیے اتنا معاوضہ دیناپڑے جس کو وہ ادا کرنے سے عاجز ہو یا اس کے اتنی رقم نہ ہو یا اسے اس کی ضرورت ہو اگرچہ عنقریب کسی وقت میں اس کی ضرورت ہو۔

اور اس مال میں فرق نہیں جس کے جانے کا خوف ہو اور جسے عوض میں خرچ کرنا واجب ہے کیونکہ پہلے کی حفاظت کرنا واجب ہے اور دوسرے کو خرچ کرنا ضروری ہے کہ وہ مال کم ہو یا زیادہ اور ان میں فرق روایت نے کیا ہے، نہ یہ کہ پہلی صورت میں غصب کرنے والے سے جو عوض حاصل ہو گا وہ اس مال کا دنیاوی بدلہ ہے اور وہ ختم ہونے والا ہے اور دوسری صورت میں جو بدلہ حاصل ہو گا وہ ہمیشہ کا ثواب ہے اور اس دلیل کے فرق کے لیے صحیح نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ثواب تو دونوں میں ہو کا جب انہیں عبادت کی خاطر اپنے اختیار اور ارادے سے قربان کر دے اگر اس کام کو مباح کیا جائے بلکہ کبھی پہلی صورت میں دنیاوی عوض اور ثواب دونوں جمع ہو جاتے ہیں (جب وہ چور ڈاکو پکڑے جائیں جنہوں نے اس کے مال کو چھینا ہو) لیکن دوسری صورت میں صرف آخرت کا ثواب حاصل ہو گا۔

۳) ۔ یا پانی کے استعمال سے خوف ہو کہ جو مرض[1] پہلے موجود ہے وہ زیادہ ہو جائے یا اس کی شفا یابی سست ہو جائے یا اس کا علاج مشکل ہو جائے یا کسی مرض کے پیدا ہونے کا خوف ہو یا

علیک التخلف عن أصحابک فتضل ویأکلک السبع .وعن الحسین بن محمد، عن معلّی بن محمد، عن الوشاء، عن حماد بن عثمان، عن یعقوب بن سالم قال : سألت أبا عبدالله (علیه السلام) عن رجل لا یکون معه ماء والماء عن یمین الطریق ویساره غلوتین أو نحو ذلک ؟ قال : لا امره أن یغرر بنفسه فیعرض له لص أوسبع .

[1]۔اولا تو مریض کے لیے تیمّم کا جائز ہونا قرآن میں بیان ہوا ہے اور ثانیا اس کے بہت سی روایات بھی دلالت کرتی ہیں جیسے صحیح بزنطی از امام رضاؑ اس شخص کے بارے میں جس پر جنابت طاری ہوئی ہو اور اسے پھوڑے پھنسی یا زخم ہوں یا اسے اپنے

اتنی شدید ٹھنڈک لگنے کا خوف ہو جس کو برداشت کرنا مشکل ہو یا پیاس لگی ہو یا عنقریب پیاس لگنے کا خوف ہو جس میں معمولا پانی نہیں ملے گا یا حالت ایسی ہو جس سے معلوم ہو کہ کسی محترم جاندار کو شدید پیاس لگے گی اگرچہ وہ حیوان ہی ہو اور اس کے لیے سوائے اس پانی کے اور کوئی پانی نہ ہو۔

پانی تلاش کرنے کا وجوب

(وَيَجبُ طَلَبُهُ) مَعَ فَقْده فِي كُلِّ جَانبٍ (منْ الْجَوَانب الْأَرْبعَة غَلْوَةَ سَهْمٍ)- بفَتْح الْغَيْن - وَهيَ مقْدَار رَمْيَة منْ الرَّامي بالْآلَة مُعْتَدلَيْن (في) الْأَرْض (الْحَزْنَة)- بسُكُون الزَّاي الْمُعْجَمَة - خلَافُ السَّهْلَة .وَهيَ الْمُشْتَملَةُ عَلَى نَحْو الْأَشْجَار وَالْأَحْجَار، وَالْعَدُوِّ وَالْهُبُوط الْمَانع منْ رُؤْيَة مَا خَلْفَهُ (وَ) غَلْوَةَ (سَهْمَيْن في السَّهْلَة) .وَلَوْ اخْتَلَفَ في الْحُزُونَة وَالسُّهُولَة تَوَزَّعَ بحَسَبهمَا .وَإِنَّمَا يَجبُ الطَّلَبُ كَذَلكَ مَعَ احْتمَال وُجُوده فيهَا، فَلَوْ علمَ عَدَمَهُ مُطْلَقًا، أَوْ في بَعْض الْجهَات سَقَطَ الطَّلَبُ مُطْلَقًا، أَوْ فيه كَمَا أَنَّهُ لَوْ علمَ وُجُودَهُ في أَزْيَدَ منْ النِّصَاب وَجَبَ قَصْدُهُ مَعَ الْإِمْكَان مَا لَمْ يَخْرُج الْوَقْتُ، وَتَجوزُ

اپ پر شدید ٹھنڈک کا خطرہ ہو توامام نے فرمایا؛ وہ غسل نہ کرے بلکہ تیمّم کرے (وسائل باب ۵ابواب تیمّم ح۷) اور ساتھ ادلہ نفی ضرر وحرج بھی تیمّم جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

[1]۔پیاس کے وقت تیمّم کے جائز ہونے پر بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں جیسے صحیح ابن سنان از امام صادقؑ؛ایک شخص کو سفر میں جنابت طاری ہوئی اور اس کے ساتھ بہت کم پانی ہے اور خطرہ ہے کہ اگر غسل کرے تو پیاسہ رہ جائے گا فرمایا؛ اگر اسے پیاس کا خوف ہو تو اس پانی سے ایک قطرہ بھی نہ گرائے اور مٹی سے تیمّم کرلے کیونکہ مٹی میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہے اور صحیح حلبی میں ہے ؛میں نے امام صادقؑ سے عرض کی جنب کے ساتھ تھوڑا سا پانی ہو اگر غسل کرے تو پیاس کا خوف ہو کیا وہ غسل کرے یا تیمّم ؟فرمایا؛ بلکہ تیمّم کرے اور اسی طرح جب وضو کا ارادہ رکھتا ہو (وسائل باب ۲۵ ابواب تیمّم ح ۱ و ۲)

الاسْتنَابَةُ فيه، بَلْ قَدْ تَجبُ وَلَوْ بأُجْرَة مَعَ الْقُدْرَة .وَيُشْتَرَطُ عَدَالَةُ النَّائب إنْ كَانَتْ اخْتيَاريَّةً، وَإلَّا فَمَعَ إمْكَانهَا وَيُحْتَسَبُ لَهُمَا عَلَى التَّقْديرَيْن، وَيَجبُ طَلَبُ التُّرَاب كَذَلكَ لَوْ تَعَذَّرَ، مَعَ وُجُوبه-

۲۔ تیمّم کی اشیاء

(وَيَجبُ) التَّيَمُّمُ (بالتُّرَاب الطَّاهر وَالْحَجَر) لأَنَّهُ منْ جُمْلَة الْأَرْض إجْمَاعًا، وَالصَّعيدُ الْمَأْمُورُ به هُوَ وَجْهُهَا، وَلأَنَّهُ تُرَابٌ اكْتَسَبَ رُطُوبَةً لَزجَةً وَعَملَتْ فيه الْحَرَارَةُ فَأَفَادَتْهُ اسْتمْسَاكًا وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْوَاعه منْ رُخَام، وَبرَام، وَغَيْرهمَا، خلَافًا للشَّيْخ حَيْثُ اشْتَرَطَ في جَوَاز اسْتعْمَاله فَقْدَ التُّرَاب، أَمَّا الْمَنْعُ منْهُ مُطْلَقًا فَلَا قَائلَ به .وَمنْ جَوَازه بالْحَجَر يُسْتَفَادُ جَوَازُهُ بالْخَزَف بطَريق أَوْلَى، لعَدَم خُرُوجه بالطَّبْخ عَنْ اسْم الْأَرْض وَإنْ خَرَجَ عَنْ اسْم التُّرَاب، كَمَا لَمْ يَخْرُجْ الْحَجَرُ مَعَ أَنَّهُ أَقْوَى اسْتمْسَاكًا منْهُ، خلَافًا للْمُحَقّق في الْمُعْتَبَر مُحْتَجًّا بخُرُوجه مَعَ اعْترَافه بجَوَاز السُّجُود عَلَيْه .وَمَا يَخْرُجُ عَنْهَا بالاسْتحَالَة يَمْنَعُ منْ السُّجُود عَلَيْه، وَإنْ كَانَتْ دَائرَةُ السُّجُود أَوْسَعَ بالنّسْبَة إلَى غَيْره (لَا بالْمَعَادن) كَالْكُحْل، وَالزّرْنيخ، وَتُرَاب الْحَديد، وَنَحْوه (وَ) لَا (النُّورَةُ) وَالْجصُّ بَعْدَ خُرُوجهمَا عَنْ اسْم الْأَرْض بالْإحْرَاق، أَمَّا قَبْلَهُ فَلَا .

(وَيُكْرَهُ) التَّيَمُّمُ (بالسَّبْخَة) بالتَّحْريك فَتْحًا وَكَسْرًا، وَالسُّكُون وَهيَ الْأَرْضُ الْمَالحَةُ النَّشَّاشَةُ عَلَى أَشْهَر الْقَوْلَيْن مَا لَمْ يَعْلُهَا ملْحٌ يَمْنَعُ إصَابَةَ بَعْض الْكَفّ للْأَرْض فَلَا بُدَّ منْ إزَالَته، (وَالرَّمْل) لشَبَههمَا بأَرْض الْمَعْدن،

وَوَجْهُ الْجَوَازِ بَقَاءُ اسْمِ الْأَرْضِ.(وَيُسْتَحَبُّ مِنْ الْعَوَالِي)، وَهِيَ مَا ارْتَفَعَ مِنْ الْأَرْضِ لِلنَّصِّ، وَلِبُعْدِهَا مِنْ النَّجَاسَةِ، لِأَنَّ الْمَهَابِطَ تُقْصَدُ لِلْحَدَثِ، وَمِنْهُ سُمِّيَ الْغَائِطُ لِأَنَّ أَصْلَهُ الْمُنْخَفِضُ، سُمِّيَ الْحَالُ بِاسْمِهِ لِوُقُوعِهِ فِيهِ كَثِيراً.

ا

۳۔ تیمّم کے واجبات

(وَالْوَاجِبُ) فِي التَّيَمُّمِ (النِّيَّةُ) وَهِيَ الْقَصْدُ إلَى فِعْلِهِ، وَسَيَأْتِي بَقِيَّةُ مَا يُعْتَبَرُ فِيهَا، مُقَارِنَةً لِأَوَّلِ أَفْعَالِهِ (وَ) هُوَ (الضَّرْبُ عَلَى الْأَرْضِ بِيَدَيْهِ) مَعًا، وَهُوَ وَضْعُهُمَا بِمُسَمَّى الِاعْتِمَادِ، فَلَا يَكْفِي مُسَمَّى الْوَضْعِ عَلَى الظَّاهِرِ، خِلَافًا لِلْمُصَنِّفِ فِي الذِّكْرَى فَإِنَّهُ جَعَلَ الظَّاهِرَ الِاكْتِفَاءَ بِالْوَضْعِ، وَمَنْشَأُ الِاخْتِلَافِ تَعْبِيرُ النُّصُوصِ بِكُلٍّ مِنْهُمَا، وَكَذَا عِبَارَاتُ الْأَصْحَابِ، فَمَنْ جَوَّزَهُمَا جَعَلَهُ دَالًّا عَلَى أَنَّ الْمُؤَدَّى وَاحِدٌ، وَمَنْ عَيَّنَ الضَّرْبَ حَمَلَ الْمُطْلَقَ عَلَى الْمُقَيَّدِ.وَإِنَّمَا يُعْتَبَرُ الْيَدَانِ مَعًا مَعَ الِاخْتِيَارِ، فَلَوْ تَعَذَّرَتْ إحْدَاهُمَا- لِقَطْعٍ أَوْ مَرَضٍ أَوْ رَبْطٍ - اقْتَصَرَ عَلَى الْمَيْسُورِ وَمَسَحَ الْجَبْهَةَ بِهِ وَسَقَطَ مَسْحُ الْيَدِ .وَيُحْتَمَلُ قَوِيًّا مَسْحُهَا بِالْأَرْضِ كَمَا يَمْسَحُ الْجَبْهَةَ بِهَا لَوْ كَانَتَا مَقْطُوعَتَيْنِ، وَلَيْسَ كَذَلِكَ لَوْ كَانَتَا نَجِسَتَيْنِ، بَلْ يَمْسَحُ بِهِمَا كَذَلِكَ مَعَ تَعَذُّرِ التَّطْهِيرِ إلَّا أَنْ تَكُونَ مُتَعَدِّيَةً، أَوْ حَائِلَةً فَيَجِبُ التَّجْفِيفُ وَإِزَالَةُ الْحَائِلِ مَعَ الْإِمْكَانِ، فَإِنْ تَعَذَّرَ ضَرَبَ بِالظَّهْرِ إنْ خَلَا مِنْهُمَا، وَإِلَّا ضَرَبَ بِالْجَبْهَةِ فِي الْأَوَّلِ، وَبِالْيَدِ النَّجِسَةِ فِي الثَّانِي، كَمَا لَوْ كَانَ عَلَيْهَا جَبِيرَةٌ .

وَالضَّرْبُ (مَرَّةً لِلْوُضُوءِ) أیْ لِتَیمُّمِه الَّذی هُوَ بَدَلٌ مِنْهُ، (فَیَمْسَحُ بِهِمَا جَبْهَتَهُ مِنْ قُصَاصِ الشَّعْرِ إلَی طَرَفِ الْأَنْفِ الْأَعْلَی) بَادِئًا بِالْأَعْلَی كَمَا أَشْعَرَ بِه " مِنْ " وَ " إلَی "، وَإِنْ احْتَمَلَ غَیْرَهُ .وَهَذَا الْقَدْرُ مِنْ الْجَبْهَةِ مُتَّفَقٌ عَلَیْه، وَزَادَ بَعْضُهُمْ مَسْحَ الْحَاجِبَیْنِ، وَنَفَی عَنْهُ الْمُصَنِّفُ فِی الذِّكْرَی الْبَأْسَ، وَآخَرُونَ مَسْحَ الْجَبِینَیْنِ – وَهُمَا الْمُحِیطَانِ بِالْجَبْهَةِ یَتَّصِلَانِ بِالصُّدْغَیْنِ، وَفِی الثَّانِی قُوَّةٌ لِوُرُودِهِ فِی بَعْضِ الْأَخْبَارِ الصَّحِیحَةِ، أَمَّا الْأَوَّلُ فَمَایَتوقَّفُ عَلَیْه مِنْهُ مِنْ بَابِ الْمُقَدَّمَةِ لَا إشْكَالَ فِیهِ وَإِلَّا فَلَا دَلِیلَ عَلَیْهِ .(ثُمَّ) یَمْسَحُ (ظَهْرَ یَدِهِ الْیُمْنَی بِبَطْنِ الْیُسْرَی مِنْ الزَّنْدِ) بِفَتْحِ الزَّای، وَهُوَ مَوْصِلُ طَرَفِ الذِّرَاعِ فِی الْكَتِفِ (إلَی أَطْرَافِ الْأَصَابِعِ.ثُمَّ) مَسَحَ ظَهْرَ (الْیُسْرَی) بِبَطْنِ الْیُمْنَی (كَذَلِكَ) مُبْتَدِئًا بِالزَّنْدِ إلَی الْآخَرِ، كَمَا أَشْعَرَ بِهِ كَلَامُهُ (وَمَرَّتَیْنِ لِلْغُسْلِ) إحْدَاهُمَا یَمْسَحُ بِهَا جَبْهَتَهُ وَالْأُخْرَی یَدَیْهِ . (وَیَتیمَّمُ غَیْرُ الْجُنُبِ) مِمَّنْ عَلَیْهِ حَدَثٌ یُوجِبُ الْغُسْلَ عِنْدَ تَعَذُّرِ اسْتِعْمَالِ الْمَاءِ مُطْلَقًا (مَرَّتَیْنِ) إحْدَاهُمَا بَدَلًا مِنْ الْغُسْلِ بِضَرْبَتَیْنِ، وَالْأُخْرَی بَدَلًا مِنْ الْوُضُوءِ بِضَرْبَةٍ .

وَلَوْ قَدَرَ عَلَی الْوُضُوءِ خَاصَّةً وَجَبَ، وَتَیَمَّمَ عَنْ الْغُسْلِ كَالْعَكْسِ، مَعَ أَنَّهُ یَصْدُقُ عَلَیْهِ أَنَّهُ مُحْدِثٌ غَیْرُ جُنُبٍ، فَلَا بُدَّ فِی إخْرَاجِهِ مِنْ قَیْدٍ، وَكَأَنَّهُ تَرَكَهُ اعْتِمَادًا عَلَی ظُهُورِهِ . (وَیَجِبُ فِی النِّیَّةِ) قَصْدُ (الْبَدَلِیَّةِ) مِنْ الْوُضُوءِ، أَوْ الْغُسْلِ إنْ كَانَ التَّیمُّمُ بَدَلًا عَنْ أَحَدِهِمَا كَمَا هُوَ الْغَالِبُ، فَلَوْ كَانَ تَیَمُّمُهُ لِصَلَاةِ الْجِنَازَةِ أَوْ لِلنَّوْمِ عَلَی طَهَارَةٍ، أَوْ لِخُرُوجِهِ جُنُبًا مِنْ أَحَدِ الْمَسْجِدَیْنِ –عَلَی

الْقَوْلِ بِاخْتِصَاصِ التَّيَمُّمِ بِذَلِکَ – كَمَا هُوَ أَحَدُ قَوْلَيْ الْمُصَنِّفِ – لَمْ يَكُنْ بَدَلًا مِنْ أَحَدِهِمَا مَعَ احْتِمَالِ بَقَاءِ الْعُمُومِ بِجَعْلِهِ فِيهَا بَدَلًا اخْتِيَارِيًّا .

(وَ) يَجِبُ فِيهِ نِيَّةُ (الِاسْتِبَاحَةِ) لِمَشْرُوطٍ بِالطَّهَارَةِ (وَالْوَجْهِ) مِنْ وُجُوبٍ، أَوْ نَدْبٍ، وَالْكَلَامُ فِيهِمَا كَالْمَائِيَّةِ (وَالْقُرْبَةِ) وَلَا رَيْبَ فِي اعْتِبَارِهَا فِي كُلِّ عِبَادَةٍ مُفْتَقِرَةٍ إلَى نِيَّةٍ لِيَتَحَقَّقَ الْإِخْلَاصُ الْمَأْمُورُ بِهِ فِي كُلِّ عِبَادَةٍ (وَ) تَجِبُ فِيهِ (الْمُوَالَاةُ) بِمَعْنَى الْمُتَابَعَةِ بَيْنَ أَفْعَالِ بِحَيْثُ لَا يُعَدُّ مُفَرِّقًا عُرْفًا .وَظَاهِرُ الْأَصْحَابِ الِاتِّفَاقُ عَلَى وُجُوبِهَا، وَهَلْ يَبْطُلُ بِالْإِخْلَالِ بِهَا أَوْ يَأْثَمُ خَاصَّةً ؟ وَجْهَانِ .

وَعَلَى الْقَوْلِ بِمُرَاعَاةِ الضِّيقِ فِيهِ مُطْلَقًا يَظْهَرُ قُوَّةُ الْأَوَّلِ وَإِلَّا فَالْأَصْلُ يَقْتَضِي الصِّحَّةَ .

(وَيُسْتَحَبُّ نَفْضُ الْيَدَيْنِ) بَعْدَ كُلِّ ضَرْبَةٍ بِنَفْخِ مَا عَلَيْهِمَا مِنْ أَثَرِ الصَّعِيدِ، أَوْ مَسْحِهِمَا، أَوْ ضَرْبِ إحْدَاهُمَا بِالْأُخْرَى-

ا

۴-تیمم کا وقت اورجواز بدار کی تحقیق

(وَلْيَكُنْ) التَّيَمُّمُ (عِنْدَ آخِرِ الْوَقْتِ) بِحَيْثُ يَكُونُ قَدْ بَقِيَ مِنْهُ مِقْدَارُ فِعْلِهِ مَعَ بَاقِي شَرَائِطِ الصَّلَاةِ الْمَفْقُودَةِ وَالصَّلَاةُ تَامَّةُ الْأَفْعَالِ عِلْمًا أَوْ ظَنًّا، وَلَا يُؤَثِّرُ فِيهِ ظُهُورُ الْخِلَافِ (وُجُوبًا مَعَ الطَّمَعِ فِي الْمَاءِ) وَرَجَاءِ حُصُولِهِ وَلَوْ بِالِاحْتِمَالِ الْبَعِيدِ (وَإِلَّا اسْتِحْبَابًا) عَلَى أَشْهَرِ الْأَقْوَالِ بَيْنَ الْمُتَأَخِّرِينَ، وَالثَّانِي – وَهُوَ

الَّذی اخْتَارَہُ الْمُصَنِّفُ فِی الذِّکْرَی وَادَّعَی عَلَیْهِ الْمُرْتَضَی وَالشَّیْخُ الْإِجْمَاعَ – مُرَاعَاةً لِلضِّیقِ مُطْلَقًا، وَالثَّالِثُ جَوَازُہُ مَعَ السَّعَةِ مُطْلَقًا، وَهُوَ قَوْلُ الصَّدُوقِ .وَالْأَخْبَارُ بَعْضُهَا دَالٌّ عَلَی اعْتِبَارِ الضِّیقِ مُطْلَقًا، وَبَعْضُهَا غَیْرُ مُنَافٍ لَهُ، فَلَا وَجْهَ لِلْجَمْعِ بَیْنَهَا بِالتَّفْصِیلِ هَذَا فِی التَّیَمُّمِ الْمُبْتَدَأِ.أَمَّا الْمُسْتَدَامُ–کَمَا لَوْ تَیَمَّمَ لِعِبَادَةٍ عِنْدَ ضِیقِ وَقْتِهَا وَلَوْ بِنَذْرِ رَکْعَتَیْنِ فِی وَقْتٍ مُعَیَّنٍ یَتَعَذَّرُ فِیهِ الْمَاءُ، أَوْ عِبَادَةٍ رَاجِحَةٍ بِالطَّهَارَةِ وَلَوْ ذِکْرًا–جَازَ فِعْلُ غَیْرِهَا بِهِ مَعَ السَّعَةِ .

اور تیمّم آخری وقت میں ہونا چاہیے[1] اس طرح کہ وقت میں سے اتنا باقی بچ گیا ہو کہ جس میں نماز کو اس کی ان شرائط کو حاصل کیا جائے جو موجود نہ ہوں اور نماز کو اس کی تمام اجزاء اور

---

[1]۔اس مطلب پر صحیح السند روایات دلالت کرتی ہیں جیسے محمد بن مسلم کی صحیح میں ہے؛ محمد بن یعقوب، عن محمد بن یحییٰ، عن محمد بن الحسین، عن صفوان، عن العلاء، عن محمد بن مسلم، (عن إبی عبد اللہ علیہ السلام) قال : سمعته یقول : إذا لم تجد ماءاً وأردت التیمم فأخر التیمم إلی اخر الوقت ، فإن فاتک الماء لم تفتک الأرض؛ میں نے امام صادقؑ سے سنا فرمایا؛ جب تمھیں پانی دستیاب نہ ہو اور تیمّم کرنا چاہو تو اسے آخری وقت تک موخر کرو، پس اگر پانی نہ مل سکا تو کیا زمین چلی گئی ہے (الکافی ۳ : ۶۳ح۱، تہذیب۱ : ۲۰۳ | ۵۸۸، واستبصار۱ص ۱۶۵ح ۵۷۳، وسائل ب ۲۲ابواب تیمّم ح۱) اور صحیحہ زرارہ میں ہے وعن علی بن إبراہیم، عن إبیہ، عن ابن إبی عمیر، عن ابن اذینة، عن زرارة، عن إحدہما (علیہما السلام) قال : إذا لم یجد المسافر الماء فلیطلب ما دام فی الوقت ، فإذا خاف أن یفوته الوقت فلیتیمّم ، ولیصل فی آخر الوقت . الحدیث ؛امامینؑ میں سے ایک سے روایت کی فرمایا؛ جب مسافر کو پانی نہ ملے تو جب تک وقت موجود ہو پانی تلاش کرے اور جب وقت کے نکلنے کا خطرہ ہو تو تیمّم کرکے آخری وقت میں نماز پڑھے [الکافی ۳ ص ۶۳ ح ۲، تہذیب ۱ص ۱۹۲ح ۵۵۵ ، ۱ص ۲۰۳ح ۵۸۹ ، استبصار ۱ص ۱۵۹ح ۵۴۸ ، ۱ص ۱۶۵ح ۵۷۴ . ،وسائل سابقہ، ح ۲]؛؛ محمد بن الحسن بإسنادہ عن محمد بن علی بن محبوب، عن العباس، عن ابن المغیرة، عن عبداللہ بن بکیر، عن إبی عبد اللہ (علیہ السلام)--- فإذا تیمم الرجل فلیکن ذلک فی آخر الوقت ، فإن فاته الماء فلن تفوته الأرض؛ امام صادقؑ

افعال کے ساتھ انجام دیا جائے اور آخری وقت کا علم یا گمان کافی ہے، اگر اس نے آخری وقت سمجھ کر نماز پڑھ لی اور بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہو گیا تو وہ اس میں موثر نہیں ہو گا، (ہاں آخری وقت تک انتظار کرنے کی دو صورتیں ہیں:)

نے فرمایا: جب کوئی شخص تیمّم کرے تو اسے آخری وقت میں کرنا چاہیے اگر پانی نہ مل سکے[التھذیب ۱: ۴۰۴ | ۱۲۶۵، وسائل سابقہ ح ۳]

لیکن ایک جماعت جن میں علامہ حلی، شہید اول اور صاحب مدارک ہیں انہوں نے وسیع وقت میں بھی تیمّم جائز قرار دیا ہے اگرچہ اسے پانی ملنے کا احتمال یا گمان ہی ہو اور ان کی دلیل چند روایات ہیں جن میں ہے کہ اگر کوئی شخص تیمّم سے نماز پڑھ لے اور پانی مل جائے تو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں،[الطوسی عن الحسين بن سعيد، عن حماد، عن حريز، عن زرارة قال : قلت لأبي جعفر (عليه السلام) : فإن أصاب الماء وقد صلى بتيمم وهو في وقت ، قال : تمت صلاته ولا إعادة عليه ؛تہذیب۱: ۱۹۴| ۵۶۲، استبصار۱: ۱۶۰| ۵۵۲. وسائل ب ۱۴ح ۱۹ابواب تیمّم.] یعنی ان کا معنی یہ ہے کہ وسیع وقت میں تیمّم سے نماز پڑھنا جائز تھی تو وہ کافی ہو رہی ہے لیکن جیسا کہ معلوم ہے یہ روایات تیمّم کے اول وقت میں جائز ہونے کو بیان کرنے کے مورد میں ہیں ہے ان سے یہ مراد لیا جاسکتا ہے جب ایک شخص نے اس مورد میں جہاں تیمّم جائز تھا تیمّم کیا نماز پڑھی اس کے بعد کچھ وقت باقی تھا اور پانی مل گیا تو اس صورت میں وہی نماز کافی ہے ان یہ معنی ہر گز نہیں کہ سابقہ روایات میں جس چیز کو بیان کیا گیا اس کی مخالفت کریں کیونکہ وہ اس لحاظ سے مقام بیان میں نہیں ہیں، بلکہ بعض معتبر روایات خود اسی مطلب میں اس حکم کی مخالفت کرتی ہیں جیسا صحیح یعقوب بن یقطین ثقہ (وسائل باب ۱۴ابواب تیمّم ح ۸؛ دیکھئے یعقوب یقطین کی توثیق؛ رجال البرقی ۵۲، اختیار معرفۃ الرجال ۷ ۳۴ن ۸۲۲، رجال الطوسی ۳۹۵ن ۱۳، رجال ابن داود ۳۸۰ن ۱۷۰۱، رجال علامہ حلی ۱۸۶ذیل ن ۱، نقد الرجال ۳۷۹ ن ۱۲، مجمع الرجال ۴| ۲۳۴و ۶| ۲۷۷، جامع الرواۃ ۲| ۳۵۰، وسائل الشیعۃ ۲۰| ۳۶۸ ن ۱۲۷۹، الوجیزۃ ۱۶۹، ہدایۃ المحدثین ۱۶۴، بہجۃ الآمال ۷| ۳۲۶، تنقیح المقال ۳| ۳۳۲ن ۱۳۲۹۲، معجم رجال الحدیث ۲۰| ۱۵۳ان ۱۳۷۵۰و ۲۰| ۲۸۵-۲۸۶، قاموس الرجال ۹| ۴۶۸.) اس سے معلوم ہوا کہ محقق حلی نے معتبر میں اور علامہ نے تذکرہ و نہایہ اور مختلف میں بلکہ محقق ثانی نے اسے اکثر متاخرین کی طرف نسبت دی کہ اگر آخری وقت تک پانی نہ ملنے کا علم ہو تو اول وقت میں تیمّم کر سکتا ہے وگرنہ نہیں کر سکتا، اس تفصیل کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جب علم ہو کہ آخری وقت تک پانی نہیں ملے گا تو اگر تیمّم کے جواز کے بیان کی روایات دیکھی جائیں تو ہو سکتا ہے کہ ان میں آخری وقت تک انتظار کرنا تعبدی حکم ہو تو اس سے پہلے تیمّم کے جواز کی دلیل نہیں سوائے چند عمومات کے کہ سابقہ بیان کے مقابلے میں ان کی تخصیص ہو چکی ہے پس قوی تر یہی ہے کہ تیمّم کسی صورت میں بھی اول وقت میں جائز نہیں ہے۔

۱۔جب پانی ملنے کی امید ہو اگرچہ اس کا بہت بعید احتمال ہی ہو تو آخری وقت تک تیمّم کو موخر کرنا واجب ہے۔

۲۔اور اگر پانی ملنے کی امید نہ ہو تو مستحب ہے کہ تیمّم کو موخر کرے اور متاخرین میں یہ مشہور تر قول ہے۔

اور اس مسئلے میں دوسرا قول وہ ہے جسے مصنف نے کتاب ذکری میں اختیار کیا ور اس پر سید مرتضی اور شیخ طوسی نے علماء کے اجماع اور اتفاق کا دعوی کیا ہے وہ یہ ہے کہ بہر صورت آخری وقت کا انتظار کرنا واجب ہے (چاہے پانی ملنے کی امید ہو یا نہ ہو)۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ بہر صورت وسیع وقت میں تیمّم کرنا جائز ہے اور یہ شیخ صدوق کا قول ہے۔

اور جہاں تک روایات کا تعلق ہے تو بعض دلالت کرتی ہیں کہ ہر صورت میں آخری وقت کا انتظار کرنا ضروری ہے اور بعض ایسی ہیں کہ ان کا معنی سابقہ مطلب کے ساتھ مخالف نہیں ہے تو ان کو آپس میں جمع کرنے کے لیے سابقہ تفصیل دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ تو تیمّم ابتدائی میں ہے۔

اور سابقہ تیمّم کے بارے میں[1] جیسے اس نے ایک عبادت کے آخری وقت میں تیمّم کیا ہو اگرچہ اس نے ایک معین وقت میں دو رکعت نماز پڑھنے کی نذر کی ہو اور اس کے لیے پانی نہ ملا تو تیمّم

---

[1]۔سابقہ مسئلے میں اختلاف ابتدائی تیمّم کے بارے میں تھا لیکن اس مسئلے میں بحث یہ ہے کہ مثال کے طور پر ایک شخص نے نماز ظہرین کے لیے آخری وقت میں تیمّم کیا اور انہیں ادا کیا اس کا وہ تیمّم باقی تھا کہ نماز عشائین کا وقت داخل ہو گیا تو سابقہ مسئلے کی ادلہ کو دیکھتے ہوئے اول وقت میں اس تیمّم کے ساتھ نماز عشائین اول وقت میں صحیح نہیں ہونی چاہیے لیکن یہاں صحیح اور معتبر روایات میں اس کی اجازت موجود ہے تو اس سابقہ تیمّم کے ساتھ انہیں اول وقت میں پڑھ سکتا ہے لیکن سابقہ تیمّم کو توڑ کر دوبارہ اول وقت میں تیمّم نہیں کر سکتا بلکہ اسے انتظار کرنی چاہیے ، اب اس مسئلے کی ادلہ ملاحظہ ہوں: محمد بن الحسن باسنادہ عن الحسین بن سعید، عن حماد، عن حریز، عن زرارۃ قال : قلت لأبی جعفر (علیه السلام) : یصلی

کیا یا کسی ترجیح رکھنے والی عبادت کے لیے طہارت کی اگرچہ وہ عبادت خدا کا ذکر ہو تو اس تیمّم کے ساتھ وسیع وقت کے باوجود دوسری عبادتیں کی جاسکتی ہیں۔

پانی ملنے سے تیمّم کا باطل ہونا

(وَلَوْ تَمَكَّنَ مِنْ) اسْتِعْمَالِ (الْمَاءِ انْتَقَضَ) تَيَمُّمُهُ عَنْ الطَّهَارَةِ الَّتِي تَمَكَّنَ مِنْهَا، فَلَوْ تَمَكَّنَ مَنْ عَلَيْهِ غَيْرُ غُسْلِ الْجَنَابَةِ مِنْ الْوُضُوءِ خَاصَّةً، انْتَقَضَ تَيَمُّمُهُ خَاصَّةً، وَكَذَا الْغُسْلُ، وَالْحُكْمُ بِانْتِقَاضِهِ بِمُجَرَّدِ التَّمَكُّنِ مَبْنِيٌّ عَلَى الظَّاهِرِ .وَأَمَّا انْتِقَاضُهُ مُطْلَقًا فَمَشْرُوطٌ بِمُضِيِّ زَمَانٍ يَسَعُ فِعْلَ الْمَائِيَّةِ مُتَمَكِّنًا مِنْهَا، فَلَوْ طَرَأَ بَعْدَ التَّمَكُّنِ مَانِعٌ قَبْلَهُ كَشَفَ عَنْ عَدَمِ انْتِقَاضِهِ، سَوَاءٌ شَرَعَ فِيهَا أَمْ لَا.كَوُجُوبِ الصَّلَاةِ بِأَوَّلِ الْوَقْتِ، وَالْحَجِّ لِلْمُسْتَطِيعِ بِسَيْرِ الْقَافِلَةِ مَعَ اشْتِرَاطِ اسْتِقْرَارِ الْوُجُوبِ بِمُضِيِّ زَمَانٍ يَسَعُ الْفِعْلَ، لِاسْتِحَالَةِ التَّكْلِيفِ بِعِبَادَةٍ فِي وَقْتٍ لَا يَسَعُهَا، مَعَ احْتِمَالِ انْتِقَاضِهِ مُطْلَقًا، كَمَا يَقْتَضِيهِ ظَاهِرُ الْأَخْبَارِ وَكَلَامُ الْأَصْحَابِ .وَحَيْثُ كَانَ التَّمَكُّنُ مِنْ الْمَاءِ نَاقِضًا، فَإِنْ اتَّفَقَ قَبْلَ دُخُولِهِ فِي

الرجل بتيمم واحد صلاة الليل والنهار كلها ؟ فقال : نعم ، ما لم يحدث ، أو يصب ماءاً الحديث .ورواه الکلینی، [التہذیب اص ۲۰۰ ح ۵۸۰، والاستبصار اص ۱۶۴ح ۵۷۰، الکافی ۳ : ۶۳ ح ۴، وسائل ب ۲۰ ح ۱ابواب تیمّم اور اس باب کی دیگر کئی روایات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں] لیکن سید نے مصباح میں اور شہید اول نے بیان میں اس تیمّم کے ساتھ نماز جائز قرار نہیں دی کیونکہ سابقہ مسئلے میں جو روایات بیان کرتی ہیں کہ تیمّم اول وقت میں جائز نہیں تو وہ فقط تیمّم کے جواز یا عدم جواز کو بیان نہیں کرتیں بلکہ اول وقت میں تیمّم کے ساتھ نماز کو بھی ناجائز قرار دیتی ہیں لیکن بات روایات کے وسیع مفہوم اور ان کی واضح دلالت کے خلاف ہے جبکہ اس مسئلے میں کثیر معتبر روایات موجود ہیں۔

الصَّلَاة انْتَقَضَ إجْمَاعًا عَلَى الْوَجْهِ الْمَذْكُورِ وَإِنْ وَجَدَهُ بَعْدَ الْفَرَاغِ صَحَّتْ، وَانْتَقَضَ بِالنِّسْبَةِ إِلَى غَيْرِهَا-

ااور جب پانی استعمال کرنے کی قدرت حاصل ہوجائے تو اس کا تیمّم اس طہارت کے بدلے میں باطل ہوجاتا ہے[1] جس کی قدرت حاصل ہوئی ہے پس اگر اس شخص کو پانی استعمال کرنے کی قدرت ہوئی ہو جس پر غسل جنابت کی بجائے صرف وضو واجب تھا تو اس کا وضو کے بدلے میں تیمّم باطل ہوگا اور اسی طرح جس نے غسل کے بدلے میں تیمّم کیا تھا جب پانی ملے تو اس کا تیمّم غسل کے بدلے میں باطل ہوجائے گا اور صرف پانی پر قدرت حاصل ہونے سے تیمّم کا باطل ہوجانے کے حکم ظاہری لحاظ ہے۔

لیکن اس کا بہر صورت باطل ہونا مشروط ہے کہ اتنا وقت گزر جائے کہ جس میں پانی سے طہارت حاصل کرسکے پس اگر پانی پر قدرت حاصل ہونے کے بعد فوراً کوئی مانع پیش آجائے تو اس سے معلوم ہوگا کہ وہ تیمّم باطل نہیں ہوا تھا چاہے پانی سے طہارت حاصل کرنا شروع کردی تھی یا نہیں جیسے اول وقت میں نماز کا واجب ہونا ہے اور استطاعت رکھنے والے شخص کے لیے قافلہ چلنے سے حج کا واجب ہونا ہے کہ وجوب کی شرائط حاصل ہونے کے بعد اتنا زمانہ گزر جائے کہ جس میں وہ اس فعل کو انجام دے سکتا تھا کیونکہ کسی ایسی عبادت کی ذمہ داری کسی پر ڈالنا محال ہے جس کا وقت اس کے لیے کافی نہ ہو اور احتمال ہے کہ پانی ملنے سے تیمّم بطور مطلق باطل ہوجائے جیسا کہ روایات کا ظاہری معنی اور علماء کے کلام کا یہی تقاضا ہے۔

1۔ اس مطلب پر بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں جن میں صحیح زرارہ ہے کہ میں نے امام باقرؑ سے عرض کی ایک شخص تیمّم سے روز و شب کی تمام نمازیں پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا؛ ہاں جب تک کوئی حدث واقع ہوکر اس کو باطل نہ کرے یا پانی نہ مل جائے (وسائل باب ۲۰ اباب تیمّم ح۱) اس سے ظاہر ہے کہ جب پانی مل جائے تو اس کا تیمّم باطل ہوجائے گا اور اس کے بعد اسکے ساتھ وہ عبادت نہیں کی جاسکتی جس میں طہارت شرط ہے۔

اور جہاں پانی کا مل جانا تیمّم کو باطل کردے تو اگر وہ نماز شروع کرنے سے پہلے ملے تو سابقہ شرائط کے ساتھ پانی ملنے سے تمام علماء کا اتفاقی نظریہ ہے کہ تیمّم باطل ہوگا اور اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد پانی ملے تو وہ نماز صحیح ہوگی لیکن دیگر نماز کی نسبت وہ تیمّم باطل ہوگا۔

نماز کے دوران پانی ملنے کا حکم

(وَلَوْ وَجَدَهُ فِی أَثْنَاءِ الصَّلَاةِ) وَلَوْ بَعْدَ التَّكْبِيرِ (أَتَمَّهَا) مُطْلَقًا (عَلَى الْأَصَحِّ) عَمَلًا بِأَشْهَرِ الرِّوَايَاتِ وَأَرْجَحِهَا سَنَدًا، وَاعْتِضَادًا بِالنَّهْیِ الْوَارِدِ عَنْ قَطْعِ الْأَعْمَالِ وَلَا فَرْقَ فِی ذَلِکَ بَيْنَ الْفَرِيضَةِ وَالنَّافِلَةِ .وَحَيْثُ حُكِمَ بِالْإِتْمَامِ فَهُوَ لِلْوُجُوبِ عَلَى تَقْدِيرِ وُجُوبِهَا، فَيَحْرُمُ قَطْعُهَا وَالْعُدُولُ بِهَا إلَى النَّافِلَةِ، لِأَنَّ ذَلِکَ مَشْرُوطٌ بِأَسْبَابٍ مُسَوِّغَةٍ وَالْحَمْلُ عَلَى نَاسِی الْأَذَانِ قِيَاسٌ، وَلَوْ ضَاقَ الْوَقْتُ فَلَا إشْكَالَ فِی التَّحْرِيمِ .

وَهَلْ يَنْتَقِضُ التَّيَمُّمُ بِالنِّسْبَةِ إلَى غَيْرِ هَذِهِ الصَّلَاةِ عَلَى تَقْدِيرِ عَدَمِ التَّمَكُّنِ مِنْهُ بَعْدَهَا ؟ الْأَقْرَبُ الْعَدَمُ، لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ أَنَّهُ مَشْرُوطٌ بِالتَّمَكُّنِ وَلَمْ يَحْصُلْ، وَالْمَانِعُ الشَّرْعِیُّ كَالْعَقْلِیِّ .وَمُقَابِلُ الْأَصَحِّ أَقْوَالٌ : مِنْهَا الرُّجُوعُ مَا لَمْ يَرْكَعْ، وَمِنْهَا الرُّجُوعُ مَا لَمْ يَقْرَأْ، وَمِنْهَا التَّفْصِيلُ بِسَعَةِ الْوَقْتِ وَضِيقِهِ، وَالْأَخِيرَانِ لَا شَاهِدَ لَهُمَا، وَالْأَوَّلُ مُسْتَنِدٌ إلَى رِوَايَةٍ مُعَارَضَةٍ بِمَا هُوَ أَقْوَى مِنْهَا .

اور اگر نماز کے دوران پانی ملے اگرچہ تکبرۃالاحرام کے بعد ہی ہو تو صحیح تر قول کی بناء پر اسے بطور مطلق پورا کرے[1] اس میں مشہور تر روایات پر عمل ہوتا ہے اور ان کی سند بھی زیادہ ترجیح

---

[1] ۔ نماز کے دوران پانی ملنے کی صورت میں تیمّم کے باطل ہونے کے بارے میں اقوال شہید ثانی نے بیان کردیئے مشہور تو یہی ہے کہ اس نماز کو شروع کرنے کے بعد پورا کرے لیکن اس کے مقابلے میں شیخ طوسی مبسوط میں اور شیخ صدوق، سید مرتضی، جعفی، اور اردبیلی وغیرہ علماء نے رکوع سے پہلے پانی ملے کی صورت میں نماز کو توڑنے کا فتوی دیا ہے اور اس پر زرارہ کی صحیح روایت دلالت کرتی ہے؛ محمد بن الحسن، عن المفید، عن احمد بن محمد، عن ابیہ، عن الصفار وسعد، عن احمد بن محمد، عن الحسین بن سعید، عن حماد، عن حریز، عن زرارۃ-فی حدیث-قال : قلت لأبي جعفر (عليه السلام) : إن أصاب الماء وقد دخل في الصلاة ، قال : فلينصرف فليتوضأ ما لم يركع ، فان كان قد ركع فليمض في صلاته ، فإن التيمم أحد الطهورين .ورواہ الکلینی، عن محمد بن إسماعیل، عن الفضل بن شاذان، وعن علی بن إبراہیم، عن ابیہ جمیعا، عن حماد بن عیسی، عن حریز مثلہ میں نے امام باقرؑ سے عرض کی جب جب تیمّم کرنے والا شخص نماز شروع کردے اور پانی مل جائے تو کیا حکم ہے ؟فرمایا؛ جب تک رکوع میں نہ چلاجائے تو نماز چھوڑ کر وضو کرے اور اگر رکوع میں چلا گیا ہو تو اپنی نماز جاری رکھے کیونکہ تیمّم بھی طہارتوں میں سے ایک طہارت ہے (التہذیب ۱ : ۲۰۰ | ۵۸۰، الکافی ۳ : ۶۳ | ۴ ، وسائل باب ۲۱ ابواب تیمّم ح۱)۔

اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ شہید نے جو اس کو اذان بھولنے والے کی طرح قرار دینے کو قیاس قرار دینا صحیح کیونکہ جب اس پر معتبر روایت دلالت کرتی ہے تو اس میں قیاس کونسا ہے کیا معتبر روایت پر عمل کرنا قیاس ہے ! ! باقی رہا مشہور کا نظریہ تو بالصراحت اس پر کوئی روایت دلالت نہیں کرتی ہاں زرارہ اور محمد بن مسلم کی صحیح روایت میں ہے : عن المفید، عن احمد بن محمد، عن ابیہ، عن الصفار، عن احمد بن محمد، عن الحسین بن سعید، عن حماد، عن حریز، عن زرارۃ، عن محمد بن مسلم قال : قلت : في رجل لم يصب الماء وحضرت الصلاة فتيمم وصلى ركعتين ، ثم أصاب الماء أينقض الركعتين ، أو يقطعهما ويتوضأثم يصلي ؟ قال : لا ، ولكنه يمضي في صلاته فيتمها ولا ينقصها (لمكان انه) دخلها وهو على طهر بتيمم الحدیث؛ورواہ الصدوق بإسنادہ عن زرارۃ ومحمد بن مسلم إنہما قالا لأبی جعفر (علیہ السلام) . وذکر الحدیث.[التہذیب ۱ : ۲۰۵ | ۵۹۵ ، والاستبصار ۱ : ۱۶۷ | ۵۸۰، الفقیہ ۱ : ۵۸ | ۲۱۴ . وسائل، سابقہ ح۴]،ایک شخص کو پانی نہیں ملا اور ن نماز کا وقت داخل ہوگیا اس نے تیمّم کیا اور نماز شروع کردی جب دو رکعت پڑھ چکا تو پانی مل گیا کیا وہ دو رکعتوں کو توڑ دے اور پھر وضو کرکے نماز پڑھے ؟ فرمایا نہیں وہ نماز کو جاری رکھے اور اسے تمام کرے کیونکہ جب اس نے نماز شروع کی تھی تو وہ تیمّم والی طہارت کے ساتھ تھا۔

رکھتی ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو اعمال کو باطل کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس میں فرق نہیں کہ وہ فرض نماز ہو یا نافلہ ہو۔

اور جہاں نماز کے پورا کرنے کا حکم لگایا جائے تو وہ واجب نماز کے لیے واجب ہے تو اس کو توڑنا حرام ہے اور اسے نافلہ کی طرف نیت پھیرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس کی اجازت میں شرط ہے کہ اس کے لیے انہیں جائز کرنے والے اسباب موجود ہوں اور ان میں سے یہ صورت نہیں ہے اور اس صورت کو اذان بھولنے والے کی طرح قرار دیکر نماز کو توڑنے کو جائز قرار دینا قیاس ہے اور اگر وقت تنگ ہو تو اس وقت نماز توڑنے کے حرام میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

اور کیا وہ تیمّم اس نماز کے علاوہ دیگر نمازوں کی نسبت سے باطل ہو جائے گا جب اس نماز سے فارغ ہونے کے بعد پانی دوبارہ نہ مل سکے؟ قریب تر نظریہ یہ ہے کہ وہ باطل نہیں ہوگا کیونکہ گزر چکا ہے کہ تیمّم کا باطل ہونا مشروط ہے کہ اتنا وقت گزر جائے جس میں وہ پانی کو استعمال کرنے پر قدرت رکھتا ہو اور یہ شرط موجود نہیں ہے کیونکہ شرعی مانع بھی عقلی مانع کی طرح

اس روایت میں دو رکعتوں کے بعد نماز توڑنے کے حکم کے بارے میں بیان کیا گیا اور اس باب کی دیگر چار روایات جو دونوں طرف کی دلیل ہیں ان کی سندیں ضعیف ہیں اس لیے ان سے استدلال کرنا کسی فریق کے لیے صحیح نہیں ہے ہاں اس دوسری روایت کے آخر میں جو سبب امام نے بیان کیا اس کو عام لیا گیا اور اس سے مشہور نے فتوی دیا لیکن اس کو صحیح زرارہ کے ساتھ بیان کیا گیا تو اس کی تقیید کرنا ضروری ہے کہ وہ حکم رکوع میں جانے کے بعد ہے اس طرح شہید ثانی کے یہاں بیانات کے رکوع والے حکم پر دلالت کرنی والی روایت کی سند مشہور کے قول کی سند سے کمزور ہے اور اس کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھی صحیح نہیں ہے بھلا جس مطلب پر صحیح اور معتبر سند کے ساتھ روایت دلالت کر رہی ہو اور دوسری طرف کوئی صریح اور صحیح السند روایت نہ ہو اس کے بارے میں یہ تبصرہ بجا ہے، ہاں اس مسئلے میں سلار نے کہا قراءت سے پہلے نماز توڑ دے اور اگر قراءت شروع کر دی تو نہ توڑے تو اس پر تو کوئی ضعیف روایت بھی دلالت نہیں کرتی اور ابن حمزہ کا بیان ہے کہ اگر وقت وسیع ہو تو نماز میں جہاں بھی ہو اسے توڑ دے اس پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے پس رکوع سے پہلے پانی ملنے کی صورت میں نماز کو توڑنا واجب ہے اور اسی پر معتبر روایت دلیل موجود ہے

ہے (نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ تیمّم نہیں کر سکتا تھا تو گویا وہ پانی سے طہارت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تھا)۔

اور اس صحیح تر قول کے مقابلے میں چند قول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تک نماز کا رکوع نہ کیا ہو تو نماز توڑ کر پانی سے طہارت کرے اور دوسرا یہ ہے کہ جب تک قراءت شروع نہ کی ہو نماز چھوڑ کر طہارت کرلے اور بعض نے وقت کے وسیع ہونے یا تنگ ہونے کے لحاظ سے تفصیل دی ہے اور ان میں آخری دو اقوال کی کوئی دلیل نہیں ہے لیکن ان میں سے پہلے قول کی دلیل ایک روایت ہے جس سے اس سے قوی تر روایات مخالفت کرتی ہیں (تو ظاہر ہے کہ انہی قوی تر روایات کے مطابق عمل کیا جائے)۔

منابع و مصادر

۲-اجوبۃ المسائل المهنائیۃ : حسن بن یوسف بن مطہّر، علّامہ حلّی، ط/ الخیام- قم، سنہ ۱۴۰۱ھ .

۳-اجود التقریرات : تقریر بحث؛ میرزا محمّد حسین النائینی، بقلم سید ابو القاسم الموسوی الخوئی، ط/ مؤسسۃ صاحب الامر- قم، سنہ ۱۴۱۹ھ .

۴- ارشاد الاذہان : حسن بن یوسف بن مطہّر، علّامہ حلّی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۰ھ .

۵-الاستبصار : محمّد بن حسن طوسی، ط/ دار الکتب الاسلامیۃ -طہران، سنہ ۱۳۹۰ھ .

۶-اشارۃ السبق : علی بن حسن بن ابی المجد حلبی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۴ھ .

۷- اصباح الشیعۃ: قطب الدین محمّد بن حسین بیہقی کیدری، ط/ مؤسسۃ الامام الصادق علیہ السلام- قم، سنہ ۱۴۱۶ھ .

۸-اصطلاحات الاصول: میرزا علی مشکینی، ط/ نشر الہادی- قم، سنہ ۱۴۰۹ق/ ۱۳۶۷ش .

۹-اعانۃ الطالبین : سید بکری ابن عارف باللّٰہ سید محمّد شطا دمیاطی، ط/ دار احیاء التراث العربی- بیروت .

۱۰-الاقتصاد : محمّد بن حسن طوسی، ط/ دار الاضواء- بیروت، سنہ ۱۴۰۶/ ۱۹۸۶م .

۱۱- اقتصادنا: شہید سید محمّد باقر صدر، ط/ مکتب الاعلام الاسلامی- مشہد، سنہ ۱۴۱۷ھ/ ۱۳۷۵ ش .

۱۲-الاقطاب الفقہیۃ : محمّد بن علی بن ابراہیم احسائی، ابن ابی الجمہور، ط/ مکتبۃ المرعشی النجفی- قم، سنہ ۱۴۱۰ھ .

۱۳- الالفیۃ والنفلیۃ: محمّد بن مکی عاملی، شہید اوّل، ط/ مکتب الاعلام الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۰۸ھ.
۱۴- الانتصار: سید علی بن حسین بن موسی، شریف مرتضی علم الہدی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۵ھ.
۱۵- ایضاح الفوائد: محمّد بن حسن بن یوسف بن مطہّر حلّی، فخر المحقّقین، ط/ مؤسسۃ کوشانپور- طہران، سنہ ۱۳۸۸ھ.
۱۶- بحار الانوار: محمّد باقر مجلسی، ط/ مؤسسۃ الوفاء- بیروت، سنہ ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳م.
۱۷- بحوث فی شرح العروۃ الوثقی: شہید سید محمّد باقر صدر، ط/ اسماعیلیان- قم، سنہ ۱۴۰۸ھ.
۱۸- بحوث فی علم الاصول: تقریر بحث شہید سید محمّد باقر صدر، بقلم سید محمود ہاشمی شاہرودی، ط/ مرکز الغدیر للدراسات الاسلامیۃ- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷م.
۱۹- بلغۃ الفقیہ: سید محمّد ال بحر العلوم، ط/ مکتبۃ الصادق- قم، سنہ ۱۹۸۴م/ ۱۳۶۲ش/ ۱۴۰۳ھ.
۲۰- البیان: محمّد بن مکی عاملی، شہید اوّل، ط/ بنیاد فرہنگی الامام المہدی علیہ السلام- قم، سنہ ۱۴۱۲ھ.
۲۱- البیع: سید روح اللّٰہ موسوی خمینی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۰ھ/ ۱۳۶۸ش.
۲۲- تاج العروس: محمّد مرتضی الزبیدی، ط/ دار مکتبۃ الحیاۃ- بیروت، سنہ ۱۳۰۶ھ.
۲۳- تحریر الاحکام: حسن بن یوسف بن مطہّر، علّامہ حلّی، ط/ مؤسسۃ الامام الصادق علیہ السلام- قم، سنہ ۱۴۲۰ھ.
۲۴- تحریر الوسیلۃ: سید روح اللہ موسوی خمینی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۶ھ.
۲۵- التحفۃ السنیۃ: عبد اللّٰہ بن نور الدین جزائری، ط/ مکتبۃ استان قدس رضوی، برقم ۲۲۶۹، مخطوطۃ.

۲۶-تذکرة الفقهاء : حسن بن یوسف بن مطہّر، علّامہ حلّی، ط/ مؤسسۃ ال البیتؑ لاحیاء التراث- قم، سنہ ۱۴۱۴ھ . والطبعۃ الحجریۃ.
۲۷-تعالیق مبسوطۃ: محمّد اسحاق فیّاض، ط/امیر - قم، سنہ ۱۴۱۸ھ .
۲۸-تعلیقۃ استدلالیۃ: اقاضیاء الدین عراقی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۰ھ .
۲۹- تفسیر الاصفی: محمّد محسن، فیض کاشانی، ط/ دار نشر اللوح المحفوظ- طہران- قم، سنہ ۱۴۲۳ھ/۱۳۸۱ش.
۳۰- تلخیص المرام: حسن بن یوسف بن مطہّر، علّامہ حلّی، ط/ مکتب الاعلام الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۲ھ .
۳۱-التنقیح الرائع: مقداد بن عبد اللّٰہ سیوری حلّی، ط/مکتبۃ المرعشی النجفی- قم، سنہ ۱۴۰۴ھ .
۳۲-التنقیح فی شرح العروۃ الوثقی (الطہارۃ) : تقریر بحث سید ابی القاسم موسوی خوئی، بقلم میرزا علی غروی تبریزی، ط/ مؤسسۃ انصاریان- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶م.
۳۳-تنقیح مبانی العروۃ: میرزا جواد تبریزی، ط/ دار الصدیقۃ الشہیدۃ- قم، سنہ ۱۴۲۶ق/ ۱۳۸۳ ش.
۳۴-تہذیب الاحکام: محمّد بن حسن طوسی، ط/ دار الکتب الاسلامیۃ- طہران، سنہ ۱۳۹۰ھ .
۳۵-تہذیب الاصول: سید عبد الاعلی موسوی سبزواری، ط/ مؤسسۃ المنار- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶م.
۳۶-تہذیب اللغۃ: محمّد بن احمد ازہری، ط/ دار القومیۃ العربیۃ للطباعۃ- القاہرۃ، سنہ ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴م.
۳۷-جامع الخلاف والوفاق: علی بن محمّد قمی سبزواری، ط/ پاسدار اسلام- قم، سنہ ۱۳۷۹ش.
۳۸-الجامع للشرائع: یحییٰ بن سعید حلّی، ط/ مؤسسۃ سید الشہداء علیہ السلام- قم، سنہ ۱۴۰۵ھ .
۳۹-جامع المدارک: سید احمد الخوانساری، ط/ مؤسسۃ اسماعیلیان- قم، سنہ ۱۴۰۵ھ/ ۱۳۶۴ش.

۴۰- جامع المقاصد: علی بن حسین بن عبد العالی کرکی، محقّق ثانی، ط/ مؤسسۃ ال البیتؑ لاحیاء التراث- قم، سنہ ۱۴۰۸ھ.
۴۱- الجمل و العقود (الرسائل العشر): محمّد بن حسن طوسی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۰۴ھ.
۴۲- جوامع الجامع: ابو فضل محمّد بن حسن فضل طبرسی، ط/ دار الاضواء- بیروت، سنہ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵م.
۴۳- جواہر الکلام: محمّد حسن النجفی، ط/ دار احیاء التراث- بیروت. و دار الکتب الاسلامیۃ- طہران.
۴۴- حاشیۃ الدسوقی: مصطفیٰ محمّد عرفہ دسوقی، ط/ مکتبۃ الشفیعی- قم.
۴۵- حاشیۃ مجمع الفائدۃ و البرہان: محمّد باقر وحید بہبہانی، ط/ مؤسسۃ العلّامۃ المجدّد الوحید البہبہانی- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ.
۴۶- حاشیۃ المکاسب: میرزا علی ایروانی غروی، ط/ دار ذوی القربی- قم، سنہ ۱۴۲۱ھ.
۴۷- حاشیۃ المکاسب: محمّد حسین اصفہانی، ط/ دار المصطفیٰ لاحیاء التراث- قم.
۴۸- حاشیۃ المکاسب: سید محمّد کاظم طباطبائی یزدی، ط/ دار المصطفیٰ ﷺ لاحیاء التراث- قم، سنہ ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲م.
۴۹- حاشیۃ المکاسب: محمّد کاظم اخوند خراسانی، ط/ وزارۃ الارشاد الاسلامیۃ- طہران، سنہ ۱۴۰۶ھ.
۵۰- حاشیۃ المکاسب: اغا رضا بن محمّد ہادی ہمدانی، ط/ ستارۃ- قم، سنہ ۱۳۷۸ش.
۵۱- الحج: تقریر بحث سید محمّد رضا گلپایگانی، بقلم احمد صابری الہمدانی، ط/ دار القران الکریم- قم، سنہ ۱۴۰۵ھ.
۵۲- الحج: تقریر بحث سید محمّد رضا گلپایگانی، بقلم محمّد ہادی المقدسی النجفی، ط/ مخطوط.

۵۳. جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام؛ نجفی، صاحب الجواہر، محمد حسن؛ م۱۲۶۶ق۔

۱. یہ کتاب سب سے پہلے ۶ جلدوں میں طبع حجری میں پیش ہوئی۔

۲. پھر اس کی دوسری طبع ۴۳ جلدوں میں ہوئی جو کئی بار تکرار ہوئی، اس کا معروف ناشر: دار احیاء التراث العربی بیروت ہے جس کو ساتویں بار ۱۴۰۴ھ میں پیش کیا اور اس کی تصحیح عباس قوچانی۔ علی اخوندی نے کی۔

۳. موسسہ امام صاحب الزمانؑ، قسم التحقیق والنشر مشہد سے ۱۴۱۶ھ میں اس کی پہلی چودہ جلدوں کی طبع ہوئی۔

۴. موسسہ نشر اسلامی جامعہ مدرسین قم نے ۱۴۱۷ق میں اس کی کامل تخریج اقوال و احادیث پیش کی جو کہ پہلے کی نسبت دوبرابر صفحات پر مشتمل ۴۳ جلدیں ہیں۔

۵. جواہر الکلام فی ثوبہ الجدید؛ ناشر: مؤسسہ دائرۃ المعارف فقہ اسلامی بر مذہب اہل بیت علیہم السلام، قم: ۱۴۲۱ق، اول، محقق/مصحح: گروہ محققین مؤسسہ دائرۃ المعارف فقہ اسلامی۔ اس میں تخریج جامعہ مدرسین پر اعتماد کیا۔

۱) التعریف بمصادر الجواھر، طبع مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی بوستان کتاب ۱۴۲۰=۱۳۷۸ش۔

۲) ایات الاحکام فی جواھر الکلام تحقیق صاحب علی محبی، چھ جلد، ط انتشارات احسن الحدیث قم ۱۴۲۹=۱۳۸۷ش۔

۳) خلاصۃ الجواھر مع البیان الزاھر، سید مرتضی حسینی فیروزابادی، ط دار الکتب الاسلامیہ تہران ۱۳۵۲/۱۳۹۳ق۔

۴) معجم فقہ الجواھر، موسسۃ دائرۃ المعارف الاسلامیہ للفقہ الاسلامی، قم ۲۰۰۱=۱۴۲۲ق۔

۵) الفقہ الشیعی التقلیدی؛ عبداللہ وحیدی فرد ترجمہ عربی: بدری، ط المشرق للثقافۃ والنشر قم ۱۴۲۷ = ۲۲۰۷.
۵۳-الحدائق الناضرة: یوسف بحرانی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۰۸ھ.
۵۴- الخراجیات: ابراہیم بن سلیمان، فاضل قطیفی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۳ھ.
۵۵-الخلاف: محمّد بن حسن طوسی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۱ھ.
۵۶-الخمس (تراث الشیخ الاعظم): مرتضی انصاری، ط/ مجمع الفکر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۵ھ.
۵۷-الخمس: مرتضی حائری، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۸ق.
۵۸-الدرة النجفیۃ: سید مہدی بحر العلوم، ط/ دار الزہراء- بیروت، سنہ ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶م.
۵۹- الدروس الشرعیۃ: محمّد بن مکی عاملی، شہید اوّل، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۴ھ.
۶۰-دعائم الاسلام: النعمان بن محمّد بن منصور بن احمد بن حیّون تمیمی مغربی، ط/ دار المعارف- القاہرة.
۶۱- ذخیرة المعاد: محمّد باقر بن محمّد مؤمن سبزواری، ط/ مؤسسۃ ال البیت علیہم السلام لاحیاء التراث- قم، حجریۃ.
۶۲-ذکری الشیعۃ: محمّد بن مکی عاملی، شہید اوّل، ط/ مؤسسۃ ال البیت علیہم السلام لاحیاء التراث- قم، سنہ ۱۴۱۹ھ.
۶۳- رسالۃ الارض المندرسۃ (رسائل المحقق الکرکی): علی بن حسین بن عبد العالی کرکی، المحقق الثانی، ط/ مکتبۃ المرعشی النجفی- قم، سنہ ۱۴۰۹ھ.
۶۴- روض الجنان: زین الدین بن علی عاملی، شہید ثانی، ط/ مکتب الاعلام الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۲۲ھ/۱۳۸۰ش.

٦۵- الروضة البهیۃ: زین الدین بن علی عاملی، شہید ثانی، ط/ مؤسسۃ دار العالم الاسلامی. و دار احیاء التراث العربی- بیروت، سنہ ۱۴۰۳ھ.
٦٦- ریاض المسائل: سید علی طباطبائی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۲ھ.
٦۷- زبدۃ البیان: احمد بن محمّد، مقدس اردبیلی، ط/ المکتبۃ المرتضویۃ لاحیاء الاثار الجعفریۃ- طہران.
٦۸- السرائر: محمّد بن منصور بن احمد بن ادریس حلّی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ.
٦۹- سنن ابن ماجۃ: محمّد بن یزید قزوینی، ط/ دار الفکر- بیروت.
۷۰- سنن ابی داود: ابی داود سلیمان ابن اشعث سجستانی، ط/ دار احیاء التراث العربی- بیروت.
۷۱- السنن الکبری: احمد بن حسین بن علی بیہقی، ط/ دار المعرفۃ- بیروت، سنہ ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲م.
۷۲- شرائع الاسلام: نجم الدین جعفر بن حسن، محقّق حلّی، ط/ الاداب- النجف الاشرف، سنہ ۱۳۸۹ھ/ ۱۹٦۹م.
۷۳- شرح الالفیۃ (رسائل المحقق الکرکی): علی بن حسین بن عبد العالی کرکی، محقق ثانی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۲ھ.
۷۴- شرح تبصرۃ المتعلمین: ضیاء الدین عراقی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۴ھ.
۷۵- شرح جمل العلم والعمل: عبد العزیز بن براج طرابلسی، ط/ جامعۃ- مشہد، سنہ ۱۳۵۲ش.
۷٦- شرح الشافیۃ: رضی الدین محمّد بن حسن استرابادی، نحوی، ط/ دار الکتب العلمیۃ- بیروت، سنہ ۱۳۹۵ھ.
۷۷- شرح القواعد: جعفر بن خضر جناجی، کاشف الغطاء، ط/ سعید بن جبیر- قم، سنہ ۱۴۲۲ھ، حجریۃ.

۷۸- الشہادات: تقریر بحث سید محمّد رضا گلپایگانی، بقلم سید علی الحسینی المیلانی، ط/ سید الشہداء- قم، سنہ ۱۴۰۵ھ.

۷۹- الصحاح: اسماعیل بن حمّاد جوہری، ط/ دار العلم للملایین- بیروت، سنہ ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷م.

۸۰- صحیح مسلم: مسلم بن حجاج بن مسلم قشری نیشابوری، ط/ دار احیاء التراث العربی- بیروت، سنہ ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵م.

۸۱- صراط النجاۃ: سید ابو القاسم موسوی خوئی، مع تعلیقات میرزا جواد تبریزی، ط/ نشر برگزیدہ- قم، سنہ ۱۴۱۶ھ.

۸۲- الصلاۃ: تقریر بحث المیرزا محمّد حسین نائینی، بقلم محمّد علی کاظمی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۱ھ.

۸۳- الطہارۃ (تراث الشیخ الاعظم): مرتضی انصاری، ط/ مجمع الفکر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۵ھ.

۸۴- الطہارۃ: سید روح اللّٰہ موسوی خمینی، ط/ مہر- قم.

۸۵- العروۃ الوثقی: سید محمّد کاظم طباطبائی یزدی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ.

۸۶- عمدۃ القاریٔ: بدر الدین محمّد محمود بن احمد عینی، ط/ دار احیاء التراث العربی- بیروت.

۸۷- عوائد الایّام: مولی احمد بن محمّد مہدی نراقی، ط/ مکتب الاعلام الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ/ ۱۳۷۵ش.

۸۸- عوالی اللالیٔ: محمّد بن علی بن ابراہیم الاحسائی، ابن ابی جمہور، ط/ مطبعۃ سید الشہداء- قم، سنہ ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳م.

۸۹- العین: خلیل بن احمد فراہیدی، ط/ مؤسسۃ دار الہجرۃ- قم، سنہ ۱۴۰۹ھ.

۹۰- عیون اخبار الرضاؑ: محمّد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی، شیخ صدوق، ط/ مؤسسۃ الاعلمی- بیروت، سنہ ۱۴۰۴۔

۹۱- غنائم الایّام: میرزا ابو القاسم قمی، ط/ مکتب الاعلام الاسلامی - خراسان، سنہ ۱۴۱۸ھ/ ۱۳۷۶ ش.
۹۲- غنیۃ النزوع: سید حمزۃ بن علی بن زہرۃ حلبی، ط/ مؤسسۃ الامام الصادق علیہ السلام - قم، سنہ ۱۴۱۷ھ.
۹۳- الفتاوی الواضحۃ: الشہید محمّد باقر صدر، ط/ دار التعارف للمطبوعات - بیروت، سنہ ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳م.
۹۴- فتح الوہاب: زکریا بن محمّد بن احمد بن زکریا انصاری، ط/ دار الکتب العلمیۃ - بیروت، سنہ ۱۴۱۸ق.
۹۵- فرائد الاصول (تراث الشیخ الاعظم): مرتضی انصاری، ط/ مجمع الفکر الاسلامی - قم، سنہ ۱۴۱۹ھ.
۹۶- فقہ الرضا/ المنسوب للامام الرضا علیہ السلام: ط/ المؤتمر العالمی للامام الرضا علیہ السلام - مشہد، سنہ ۱۴۰۶ھ.
۹۷- فقہ الصادق: سید محمّد صادق حسینی روحانی، ط/ مؤسسۃ دار الکتاب - قم، سنہ ۱۴۱۴ھ.
۹۸- قاطعۃ اللجاج (رسائل المحقق الکرکی): علی بن حسین بن عبد عالی کرکی، محقق ثانی، ط/ مکتبۃ المرعشی النجفی - قم، سنہ ۱۴۰۹ھ.
۹۹- القاموس المحیط: محمّد بن یعقوب فیروزابادی، ط/ دار احیاء التراث العربی - بیروت، سنہ ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱م.
۱۰۰- قواعد الاحکام: حسن بن یوسف بن مطہّر، علّامہ حلّی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی - قم، سنہ ۱۴۱۳ھ.
۱۰۱- القواعد والفوائد: محمّد بن مکی عاملی، الشہید الاوّل، ط/ مکتبۃ المفید - قم.
۱۰۲- الکافی: محمّد بن یعقوب بن اسحاق کلینی، ط/ دار الکتب الاسلامیۃ - طہران، سنہ ۱۳۶۷ش.

١٠٣- الکافی فی الفقہ: تقی الدین بن نجم الدین بن عبید اللّٰہ حلبی، ابو الصلاح، ط/ مکتبۃ الامام امیر المؤمنین علیہ السلام - اصفہان، سنہ ١٤٠٣ھ.

١٠٤- کشف الالتباس: مفلح صیمری بحرانی، ط/ مؤسسۃ صاحب الامر عجل اللّٰہ فرجہ- قم سنہ ١٤١٧ھ.

١٠٥- کشف الرموز: حسن بن ابی طالب بن ابی مجد یوسفی، فاضل ابی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ١٤٠٨ھ.

١٠٦- کشف الریبہ (رسائل الشہید الثانی): زین الدین بن علی عاملی، شہید ثانی، ط/ منشورات مکتبۃ بصیرتی- قم، حجری.

١٠٧- کشف الغطاء: جعفر بن خضر جناجی، کاشف الغطاء، ط/ مکتب الاعلام الاسلامی- خراسان، سنہ ١٤٢٢ھ/ ١٣٨٠ش.

١٠٨- کشف اللثام: محمّد بن حسن اصفہانی، فاضل ہندی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ١٤٢٠ھ.

١٠٩- کفایۃ الاحکام: محمّد باقر بن محمّد مؤمن سبزواری، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ١٤٢٣ھ.

١١٠- کلمۃ التقوی: محمّد امین زین الدین، ط/ مہر- قم، سنہ ١٤١٣ھ.

١١١- کنز الدقائق: میرزا محمّد مشہدی قمی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ١٤٠٧ھ.

١١٢- کنز العرفان: المقداد بن عبد اللّٰہ سیوری حلّی، ط/ المکتبۃ المرتضویۃ لاحیاء الاثار الجعفریۃ- طہران، سنہ ١٣٤٣ش.

١١٣- کنز العمال: علاء الدین متقی بن حسام الدین ہندی، ط/ مؤسسۃ الرسالۃ- بیروت، سنہ ١٤٠٩ھ/ ١٩٨٩م.

۱۱۴- لسان العرب: ابن منظور افریقی، ط/ دار احیاء التراث العربی- بیروت، سنہ ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸م.
۱۱۵- اللمعۃ الدمشقیۃ: محمّد بن مکی عاملی، شہید اوّل، ط/ مؤسسۃ فقہ الشیعۃ- بیروت، سنہ ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰م.
۱۱۶- لوامع الاحکام: المولی مہدی النراقی، ط/ مخطوط.
۱۱۷- مبانی العروۃ الوثقی (النکاح): تقریر بحث سید ابو القاسم موسوی خوئی، بقلم سید محمّد تقی خوئی، ط/ منشورات مدرسۃ دار العلم- النجف الاشرف، سنہ ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴م.
۱۱۸- مبانی تکملۃ المنہاج: سید ابو القاسم موسوی خوئی، ط/ مطبعۃ الاداب- النجف الاشرف.
۱۱۹- المبسوط: محمّد بن حسن طوسی، ط/ المکتبۃ المرتضویۃ لاحیاء الاثار الجعفریۃ- طہران.
۱۲۰- مجمع البحرین: فخر الدین طریحی، ط/ مؤسسۃ البعثۃ- قم، سنہ ۱۴۱۴ھ.
۱۲۱- مجمع البیان: الفضل بن حسن طبرسی، ط/ مکتبۃ المرعشی النجفی- قم، سنہ ۱۴۰۳ھ.
۱۲۲- مجمع الفائدۃ و البرہان: احمد بن محمّد، مقدس اردبیلی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۰۵ھ/ ۱۳۶۴ش.
۱۲۳- محاضرات فی اصول الفقہ: تقریر بحث سید ابو القاسم موسوی الخوئی، بقلم محمّد اسحاق فیّاض، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۹ھ.
۱۲۴- المحیط فی اللغۃ: اسماعیل بن عبّاد، الصاحب، ط/ عالم الکتب- بیروت، سنہ ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴م.
۱۲۵- محیط المحیط: معلّم بطرس بستانی، ط/ مکتبۃ لبنان- بیروت، سنہ ۱۹۸۷م.
۱۲۶- المختصر النافع: نجم الدین جعفر بن حسن، محقّق حلّی، ط/ دار الاضواء- بیروت، سنہ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵م.

۱۲۷- مختلف الشیعة: حسن بن یوسف بن مطہّر، علّامہ حلّی، ط/ مکتب الاعلام الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ/ ۱۳۷۵ش.

۱۲۸- مدارک الاحکام: سید محمّد بن علی موسوی عاملی، ط/ مؤسسة ال البیت علیہم السلام لاحیاء التراث- قم، سنہ ۱۴۱۰ھ.

۱۲۹- المراسم العلویة: حمزة بن عبد العزیز دیلمی، ط/ منشورات حرمین- قم، سنہ ۱۴۰۴ھ.

۱۳۰- المسائل البغدادیة (الرسائل التسع): نجم الدین جعفر بن حسن، محقق حلّی، ط/ مکتبة المرعشی النجفی- قم، سنہ ۱۳۷۱ش ۱۴۱۳ق.

۱۳۱- المسائل العزیة (الرسائل التسع): نجم الدین جعفر بن حسن، محقق حلی، ط/ مکتبة المرعشی النجفی- قم، سنہ ۱۴۱۳ھ/ ۱۳۷۱ش.

۱۳۲- المسائل الموصلیات (رسائل الشریف المرتضی): علی بن حسین بن موسی، شریف مرتضی، علم الہدی، ط/ دار القران الکریم- قم، سنہ ۱۴۰۵ھ.

۱۳۳- المسائل المیافارقیات (رسائل الشریف المرتضی): علی بن حسین بن موسی، شریف مرتضی، علم الہدی، ط/ دار القران الکریم- قم، سنہ ۱۴۰۵ھ.

۱۳۴- مسالک الافہام: زین الدین بن علی عاملی، شہید ثانی، ط/ مؤسسة المعارف الاسلامیة- قم، سنہ ۱۴۱۴ھ.

۱۳۵- مستدرک الوسائل: میرزا حسین نوری طبرسی، ط/ مؤسسة ال البیت علیہم السلام لاحیاء التراث- قم، سنہ ۱۴۰۷ھ.

۱۳۶- مستمسک العروة الوثقی: سید محسن طباطبائی حکیم، ط/ دار احیاء التراث العربی- بیروت.

۱۳۷- مستند الشیعة: احمد بن محمّد مہدی نراقی، ط/ مؤسسة ال البیت علیہم السلام لاحیاء التراث- مشہد، سنہ ۱۴۱۵ھ.

۱۳۸- مستند العروة الوثقی (الاجارة): تقریر بحث سید ابو القاسم موسوی خوئی، بقلم مرتضی بروجردی، ط/ مدرسۃ دار العلم- قم، سنہ ۱۳۶۵ش.
۱۳۹- مستند العروة الوثقی (الخمس): تقریر بحث سید ابو القاسم موسوی خوئی، بقلم مرتضی بروجردی، ط/ العلمیۃ- قم، سنہ ۱۴۰۷ھ.
۱۴۰- مستند العروة الوثقی (الصلاة): تقریر بحث سید ابو القاسم موسوی خوئی، بقلم مرتضی بروجردی، ط/ العلمیۃ- قم، سنہ ۱۴۱۴ھ.
۱۴۱- مستند العروة الوثقی (الصوم): تقریر بحث سید ابو القاسم موسوی خوئی، بقلم مرتضی بروجردی، ط/ مدرسۃ دار العلم- قم، سنہ ۱۳۶۵ش.
۱۴۲- المسند: محمّد بن ادریس الشافعی، ط/ دار الکتب العلمیۃ- بیروت.
۱۴۳- مسند احمد: احمد بن محمّد بن حنبل، ط/ دار احیاء التراث العربی- بیروت، سنہ ۱۹۹۱م/ ۱۴۱۲ھ.
۱۴۴- مشارق الشموس: حسین بن جمال الدین محمّد خوانساری، ط/ مؤسسۃ ال البیت علیہم السلام لاحیاء التراث- قم، حجریۃ.
۱۴۵- مصابیح الظلام: محمّد باقر الوحید بہبہانی، ط/ مؤسسۃ العلّامۃ المجدّد الوحید البہبہانی- قم، سنہ ۱۴۲۴ھ.
۱۴۶- مصباح الاصول: سید محمّد سرور الواعظ، ط/ مکتبۃ الداوری- قم، سنہ ۱۴۱۲ھ.
۱۴۷- مصباح الفقاہۃ: تقریر بحث سید ابی القاسم موسوی خوئی، بقلم محمّد علی توحیدی، ط/ مؤسسۃ انصاریان- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶م.
۱۴۸- مصباح الفقیہ: اغا رضا بن محمّد ہادی لہمدانی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۶ھ. و الطبعۃ الحجریۃ.
۱۴۹- مصباح المتہجّد: محمّد بن حسن طوسی، ط/ مؤسسۃ فقہ الشیعۃ- قم، سنہ ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱م.

۱۵۰- مصباح المنہاج: سید محمّد سعید حکیم، ط/ مؤسستۃالمنار- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶م.
۱۵۱-المصباح المنیر: احمد بن محمّد بن علی مقری فیومی، ط/ مؤسستۃالہجرۃ- قم، سنہ ۱۴۰۵ھ.
۱۵۲- مصباح الہدی: محمّد تقی املی، ط/ الفردوسی- طہران، سنہ ۱۳۷۷ھ/ ۱۳۳۷ش.
۱۵۳- معالم الدین: حسن بن زین الدین عاملی، ط/ مؤسستۃالفقہ للطباعۃ والنشر- قم، سنہ ۱۴۱۸ھ.
۱۵۴-المعتبر: نجم الدین جعفر بن حسن، محقّق حلّی، ط/ مؤسستہ سید الشہداء علیہ السلام- قم، سنہ ۱۳۶۴ش.
۱۵۵- معتمد الشیعۃ: المولی مہدی نراقی، ط/ مؤسستۃالنشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۳۸۰ش/ ۱۴۲۲ق.
۱۵۶-المعتمد فی شرح المناسک: تقریر بحث سید ابوالقاسم موسوی خوئی، بقلم سید رضا خلخالی، ط/العلمیۃ- قم، سنہ ۱۴۰۹ھ/ ۱۳۶۸ش.
۱۵۷- معجم الفاظ الفقہ الجعفری: احمد فتح اللّٰہ، ط/ المدوخل-الدمام، سنہ ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵م.
۱۵۸- معجم مقاییس اللغۃ: احمد بن فارس بن زکریا، ط/ مکتب الاعلام الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۰۴ھ.
۱۵۹-المعجم الوسیط: ابراہیم مصطفیٰ و احمد حسن زیات و حامد عبد القادر و محمّد علی نجار، ط/ دار الدعوۃ-اسطنبول. و دار احیاء التراث العربی- بیروت.
۱۶۰-المغنی: موفق الدین ابی محمّد عبد اللّٰہ بن احمد بن محمّد بن قدامہ، ط/ دار الکتاب العربی- بیروت.
۱۶۱- مغنی المحتاج: محمّد شربینی خطیب، ط/ دار احیاء التراث العربی- بیروت، سنہ ۱۳۷۷ق/ ۱۹۵۸م.
۱۶۲- مفاتیح الشرائع: محمّد محسن، لفیض کاشانی، ط/ مجمع الذخائر الاسلامیۃ- قم، سنہ ۱۴۰۱ھ.
۱۶۳- مفتاح الفلاح: بہاء الدین محمّد بن حسین حارثی، بہائی، ط/ دار الاضواء- بیروت، سنہ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵م.

۱۶۴- مفتاح الکرامۃ: سید محمّد جواد حسینی عاملی، ط/ مؤسسۃ ال البیت علیہم السلام لاحیاء التراث- قم، حجریۃ.
۱۶۵- مفردات الفاظ القران: راغب اصفہانی، ط/ دار القلم دمشق والدار الشامیۃ- بیروت، سنہ ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۲۲م.
۱۶۶- المقنع: محمّد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی، شیخ صدوق، ط/ مؤسسۃ الامام الہادی علیہ السلام- قم، سنہ ۱۴۱۵ھ.
۱۶۷- المقنعۃ: محمّد بن محمّد بن نعمان، شیخ مفید، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۰ھ.
۱۶۸- المکاسب (تراث الشیخ الاعظم): مرتضی انصاری، ط/ مجمع الفکر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۲۰ھ.
۱۶۹- المکاسب المحرّمۃ: سید روح اللّٰہ موسوی خمینی، ط/ مؤسسۃ تنظیم و نشر اثار الامام الخمینی قدس سرہ- قم، سنہ ۱۳۷۳ش.
۱۷۰- مناہج المتقین: عبد اللّٰہ مامقانی، ط/ مؤسسۃ ال البیتؑ لاحیاء التراث- قم، حجریۃ.
۱۷۱- منتہی المطلب: حسن بن یوسف بن مطہّر، علّامہ حلّی، ط/ مجمع البحوث الاسلامیۃ- مشہد، سنہ ۱۴۱۴ھ. والطبعۃ الحجریۃ.
۱۷۲- من لایحضرہ الفقیہ: محمّد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی، شیخ صدوق، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۰۴ھ/ ۱۳۶۳ش.
۱۷۳- منہاج الصالحین: سید محسن طباطبائی حکیم، ط/ دار التعارف- بیروت، سنہ ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰م.
۱۷۴- منہاج الصالحین: سید ابو القاسم موسوی خوئی، ط/ مہر- قم، سنہ ۱۴۱۰ھ.
۱۷۵- منہاج الصالحین: سید علی سیستانی، ط/ مکتب سید سیستانی- قم، سنہ ۱۴۱۴ھ.
۱۷۶- منہاج الصالحین: سید محمّد سعید حکیم، ط/ دار الصفوۃ- بیروت، سنہ ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴م.
۱۷۷- المہذّب: عبد العزیز بن برّاج طرابلسی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۰۶ھ.

۱۷۸- مہذّب الاحکام: سید عبد اعلی سبزواری، ط/ مؤسسۃ المنار- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ.
۱۷۹- المہذّب البارع: احمد بن محمّد بن فہد حلّی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۱ھ.
۱۸۰- میراث الزوجۃ من العقار (مجلۃ فقہ اہل البیت علیہم السلام العدد ۴۵-۴۸): سید محمود ہاشمی شاہرودی، ط/ مؤسسۃ دائرۃ المعارف الفقہ الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷م.
۱۸۱- الناصریات: علی بن حسین بن موسی شریف مرتضی، علم الہدی، ط/ مرکز البحوث و الدراسات الاسلامیۃ- قم، سنہ ۱۴۱۷ھ. ۱۸۲- نجاۃ العباد: محمّد حسن النجفی، ط/ حجریۃ.
۱۸۳- النکاح (تراث الشیخ الاعظم): مرتضی انصاری، ط/ مجمع الفکر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۵ھ.
۱۸۴- النہایۃ: محمّد بن حسن طوسی، ط/ قدس محمّدی- قم.
۱۸۵- النہایۃ: مبارک بن محمد جزری، ابن الاثیر، ط/ مؤسسۃ اسماعیلیان- قم، سنہ ۱۳۶۴ش.
۱۸۶- نہایۃ الاحکام: حسن بن یوسف بن مطہّر، علّامہ حلّی، ط/ مؤسسۃ اسماعیلیان- قم، سنہ ۱۴۱۰ھ.
۱۸۷- نہایۃ المرام: سید محمّد بن علی موسوی عاملی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۳ھ.
۱۸۸- النہایۃ و نکتہا: محمّد بن حسن طوسی، مع حاشیتہ نجم الدین جعفر بن حسن، محقق حلّی، ط/ مؤسسۃ النشر الاسلامی- قم، سنہ ۱۴۱۲ھ.
۱۸۹- الہدایۃ: محمّد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی، شیخ صدوق، ط/ مؤسسۃ الامام الہادیؑ- قم، سنہ ۱۴۱۸ھ.
۱۹۰- ہدایۃ العباد: سید محمّد رضا گلپایگانی، ط/ دار القران الکریم- قم، سنہ ۱۴۱۳ھ.
۱۹۱- وسائل الشیعۃ: محمّد بن حسن حرّ عاملی، ط/ مؤسسۃ ال البیتؑ لاحیاء التراث- قم، سنہ ۱۴۱۰ھ.
۱۹۲- الوسیلۃ: محمّد بن علی بن حمزۃ طوسی، ط/ مکتبۃ المرعشی النجفی- قم، سنہ ۱۴۰۸ھ.
۱۹۳- وسیلۃ النجاۃ: سید ابو حسن موسوی اصفہانی، ط/ دار التعارف للمطبوعات- بیروت، سنہ ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷م.